انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتیں

"یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی وہ مشترکہ سنتیں جن پر احادیث میں فطرت کا اطلاق کیا گیا ہے، مثلاً: ڈاڑھی رکھنا، مونچھیں کم کرنا، ناخن تراشنا، بغل اور زیرناف بال کا صاف کرنا، ختنہ کرانا، ناک اور منہ کی نیز انگلیوں کے جوڑوں کی صفائی کرنا، مسواک کرنا، مانگ نکالنا، استنجاء کرنا، جمعہ کے دن غسل کرنا، ان سب پر نیز خضاب اور سر کے بال اور جسم کے دوسرے حصوں پر اگنے والے بالوں کے تعلق سے قرآن وحدیث، فقہ وفتاوی اور سائنسی تحقیق کی روشنی میں تفصیلی اور سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے"

تالیف

مولانا مفتی محمد جمال الدین قاسمی

(استاذ حدیث وصدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد)

فون:09392298508

ای میل:mjqasmi74@gmail.com

دوسرا ایڈیشن: ۱۴۳۴ھ=۲۰۱۲ء

نام کتاب	:	انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتیں
مؤلف کتاب	:	مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی
		(استاد حدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد)
صفحات	:	382
قیمت	:	300 روپے
کمپیوٹر کتابت	:	مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، مولانا نصیر عالم سبیلی
تزئین وسیٹنگ	:	قبا گرافکس، حیدرآباد، فون: 9704172672

ملنے کے پتے

(۱) مدرسہ مظاہر العلوم کورٹلہ کریم نگر 9963991749

(۲) مکتبہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور

(۲) ہندوستان پیپر ایمپوریم حیدرآباد

(۳) محمد عبداللہ، رواق خالد کمرہ:۱۰۴، دارالعلوم دیوبند، فون: 09358476869

(۴) حافظ عبدالرحمٰن بیت العلم محلّہ شمالی کومئی ڈاکخانہ ناڑی ضلع دربھنگہ (بہار)

(۴) قبا گرافکس، قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد، فون: 09704172672

فہرست عناوین

فطرت اور حدیث فطرت

پہلا باب: طہارت وصفائی

دوسرا باب: نظافت و پاکیزگی کا بیان

تیسرا باب: زیب وزینت

☆☆☆☆

مقدمہ طبع دوم

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات والصلاة والسلام على رسوله محمد الذي أرسل هاديا للأمم ومنبعا للطيبات وعلى آله وأصحابه الاخيار إلى يوم القرار، أمابعد.

کتاب ''انبیائے کرام کی سنتیں'' کا پہلا ایڈیشن توفیق ربانی سے جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آیا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علمی حلقوں اور عامۃ الناس میں کتاب کو مقبولیت حاصل ہوئی، قارئین کرام نے گراں قدر تاثرات سے راقم الحروف کی حوصلہ افزائی فرمائی، کتاب کا یہ ایڈیشن بہت جلد ختم ہوگیا تھا، اہل ذوق حضرات کی طرف سے اس کی مانگ مسلسل جاری تھی، وسائل نہ ہونے کی وجہ سے طباعت التواء میں تھی، اب بحمد للہ بعض علم دوست حضرات نے اسکی طباعت واشاعت کی ذمہ داری قبول کرلی ہے، اور انہوں نے مجھ سے اسکی اجازت چاہی، میں نے بخوشی اسکی اشاعت کی اجازت دیدی؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک انبیائے کرام کی مشترکہ سنتوں کا ذخیرہ پہونچ سکے، اس موقع سے مناسب معلوم ہوا کہ نظر ثانی کرلی جائے، نظر ثانی کرتے وقت درج ذیل امور کی رعایت کی گئی ہے:

(۱) کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔

(۲) حدیث کے حوالہ میں حدیث نمبر اور باب کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) حدیث کے علاوہ دیگر کتابوں کے حوالہ میں جلد، صفحہ اور باب کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) ثانوی درجے کے حوالے کو قلمزد کر کے اولین درجے کے حوالے کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۵) تمام حوالجات حاشیہ میں لکھے گئے ہیں تاکہ قاری کا تسلسل برقرار رہے۔

(۶) بعض مفید اضافے بھی حسب ضرورت کئے گئے ہیں۔

ان جزوی ترمیمات کے ساتھ یہ کتاب دوبارہ اہل ذوق کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ اس ایڈیشن کو بھی سابق ایڈیشن کی طرح قبول فرمائے اور امت کو زیادہ سے زیادہ نفع اٹھانے کی توفیق دے۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اپنے اپنے تأثرات اور تبصرے سے راقم الحروف کو مستفید فرمائیں، ان شاء اللہ آپ کی آراء اور تأثرات سے راقم الحروف استفادہ کرے گا۔

۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ　　　　محمد جمال الدین قاسمی

کلمات بابرکات

حضرت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل رحمۃ اللہ علیہ
(سابق امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش وبانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد)

حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی، دارالعلوم حیدرآباد میں گذشتہ کئی سالوں سے صدر شعبہ افتاء وصدر مفتی جامعہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ درجاتِ علیا کے کامیاب استاد ہونے کے ساتھ تحقیق وتصنیف کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں، ہر سال ان کی سرپرستی میں فقہی اور علمی موضوعات پر طلبۂ تخصصات کا دستاویزی مجلّہ شائع ہوتا ہے جس کی علمی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوتی ہے اور جامعہ سے شائع ہونے والے سہ ماہی مجلّہ میں بھی ان کے تحقیقی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، فقہی مراجع اور علوم اسلامی کے دیگر مصادر پر مولانا کی گہری نظر ہے۔

گذشتہ چند سالوں سے مولانا اس مشہور حدیث پر کام کر رہے تھے، جس میں فطرت انسانی سے تعلق رکھنے والے امور کا ذکر کیا گیا ہے۔ مذکورہ امور فطرت پر مولانا نے مختلف مراجع سے استفادہ کرتے ہوئے بڑی عرق ریزی کے ساتھ ضروری مواد جمع کر دیا ہے، حوالہ جات کے طور پر دیئے گئے مراجع کی فہرست کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ موضوع سے متعلق کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، کتاب میں تحقیقی معیار کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ رواں اور مؤثر اسلوب

میں بات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اس میں ڈاڑھی، مونچھ، مسواک اور ختنہ وغیرہ امور فطرت سے متعلق جدید سائنسی تحقیقات سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے، مؤلف نے جگہ جگہ میڈیکل سائنس کے شواہد بھی پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، اس طرح یہ کتاب اس جدید طبقہ کے لئے بھی دلچسپ ہوگئی ہے جو نبوی ہدایات وتعلیمات کا عصری تحقیقات کی روشنی میں مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔

میں اس تحقیقی کاوش پر مؤلف کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کا نفع عام کرے اور مصنف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

محمد حمید الدین عاقل حسامی

(۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ)

تاثرات

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ہارون الرشید صاحب قاسمی عمت فیوضہم
(سابق پرنسپل مدرسہ رحمانیہ سوپول بیرول دربھنگہ بہار،
وبانی ومہتمم مدرسہ رحمانیہ نسوان جمال پور دربھنگہ)

پیش نظر کتاب ''خصال فطرت'' حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی کی تازہ تصنیف ہے، تصنیف اور مصنف دونوں ہر لحاظ سے قابل تعریف وتوصیف ہیں، اللہ پاک نے مصنف کو پاک دل، پاک نظر، پاک باز بنایا ہے، میں ان کو زمانہ طالب علمی سے جانتا ہوں، شروع ہی سے میں نے موصوف کو سلیم الطبع ذہین اور محنتی پایا، ان سب کے ساتھ صالحیت کا ہونا بڑی خوبی کی بات ہے۔ موصوف دارالعلوم دیوبند میں ''دورۂ حدیث شریف'' میں اول پوزیشن سے کامیاب ہوئے، اور دو سال تک اس عظیم درسگاہ میں ''معین المدرسین'' کی حیثیت سے رہے اور اہم ترین علمی وفنی کتابوں کو پڑھایا، یہ ان کی صلاحیت کی واضح دلیل ہے، وہاں سے دارالعلوم حیدرآباد آئے، جو دکن کی اہم دینی درسگاہ ہے، یہاں حدیث شریف کی کتابوں کو پڑھانے کے ساتھ ہی ''صدر مفتی'' کے عہدہ پر فائز ہیں، ان کا علم جہاں عمیق ہے وہیں مطالعہ بہت وسیع ہے،

مولانا کی یہ کتاب مجھے بہت پسند آئی، اس میں جو بات بھی لکھی گئی ہے، اس کا حوالہ موجود ہے، جس سے ہر خاص وعام مطمئن ہوسکتا ہے، اس کتاب میں ''امور فطرت'' سے متعلق

ساری باتوں کو بالاستیعاب جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، میری نظر میں اتنی مفصل کتاب کم از کم اردو زبان میں نہیں ہے، زبان عام فہم اور ادبی ہے، ہر ہر جملہ جہاں تحقیق انیق کا مظہر ہے، وہیں ہر جگہ خلوص وللّٰہیت کی بو بھی محسوس ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کتاب اور صاحب کتاب کو قبول فرمائے، اور عوام وخواص کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔(آمین)

ہارون الرشید

۲۹/ جمادی الاولی/۱۴۳۰ھ

تقریظ

حضرت الاستاذ مولانا عبدالرب صاحب قاسمی، لازالت شموس فیوضہ طالعۃ
(استاذ حدیث مدرسہ رحمانیہ سوپول، بیرول دربھنگہ، (بہار)

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں ،جس نے انسانوں کو فطرت سلیمہ، صورت حسین اور تقویم احسن عطاء کیا، اور تمام کائنات پر شرف وفضیلت دی، ساتھ ہی خلافت ونیابت سے سرفراز فرمایا، ان گنت درود وسلام ہو ہادی عالم محسن انسانیت پر جنہوں نے انسانی فطرت کی صحیح جہت میں رہنمائی کی اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ وپیراستہ کیا۔

اللہ تبارک وتعالی انسانوں کا خالق ہے اور اس کی ذات شان ربوبیت سے بھی متصف ہے، چیزوں کا بنانے والا ہی اپنی مصنوعات کی خوبی وخامی اور صلاح وفساد سے بہ خوبی آگاہ ہوتا ہے، اللہ رب العالمین چوں کہ انسانوں کے خالق وصانع ہیں وہ بہتر طور پر انسان کے فطری تقاضوں اور طبعی حالات سے واقف وآگاہ ہیں اور ان فطری تقاضوں اور طبعی میلانات کو صحیح رخ دینے کے لئے انبیاء ورسل کو وقتاً فوقتاً دنیا میں بھیجتے رہے، اس سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے نبی خاتم المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں جو دین فطرت یعنی اسلام لے کر مبعوث ہوئے، اور انسان جو اپنے فطری تقاضوں کی تکمیل میں حیوانوں سے بھی آگے بڑھ چکا تھا، انہیں اپنی سچی تعلیمات اور حکیمانہ تربیت سے صحیح انسان بنایا، اللہ کے رسول ﷺ کا پاکیزہ ارشاد ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

" عشر من الفطرة : قص الشارب وإعفاء اللحية والسواک والاستنشاق وقص الأظفار وغسل البراجم ونتف الإبط وحلق العانة وانتقاص الماء " (ترمذی)

راوی کی تصریح کے مطابق دسواں مضمضہ ہے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

" خمس من الفطرة : الاستحداد ، والختان وقص الشارب ونتف الإبط وتقليم الأظفار " (ترمذی)

ان دونوں روایتوں میں جن چیزوں کو شمار کرایا گیا ہے سب کا فطرت انسانی سے گہرا تعلق ہے؛ یہی وجہ ہے کہ انسان کا تعلق دنیا کے جن مذاہب سے بھی ہو اگر اس کے اندر تہذیب وشائستگی کی بو باش ہے تو وہ ان مذکورہ بالا امور پر ضرور عمل کرتا ہے، مثلاً ڈاڑھی، تمام مذاہب کے مذہبی افراد کے چہروں پر دیکھی جاسکتی ہے۔ مونچھوں کی صفائی اور اس کا کتروانا ہر مہذب انسان کی پہچان ہے، ناخن بڑھانا درندگی ہے اور اس کو تراشنا تمام مذاہب میں قدرے مشترک بہتر اور پسندیدہ امر ہے، یہی حال بقیہ چیزوں کا ہے جن کو فطرت کے تحت شمار کیا گیا ہے۔

عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی ایسی کتاب ترتیب دی جائے جس میں خصال فطرت سے متعلق جملہ تفصیلات یکجا کردی جائیں تا کہ اردو داں طبقہ بسہولت ان امور پر عمل کر سکے۔

عزیز گرامی مفتی محمد جمال الدین قاسمی دربھنگوی نے اسلامی کتب خانہ میں ایک گراں قدر اضافہ کیا ہے، '' خصال فطرت۔ احکام ومسائل '' جو عزیز موصوف کی ایک تحقیقی تصنیف ہے اس کے اندر موضوع سے متعلق تمام منتشر مسائل کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ مع حوالہ جمع کردیا ہے، یہ کتاب مصنف کے ذوق تصنیف، تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا آئینہ دار ہے۔

کچھ مصنف کے بارے میں

مصنف کتاب عزیز گرامی مفتی محمد جمال الدین سلمہ کا تعلق دربھنگہ ضلع کے شمال مشرق میں واقع ایک گاؤں کومئی ناڑی سے ہے، صوبہ بہار میں ضلع دربھنگہ جہاں علمی شخصیات کی بنیاد

پر مشہور ہے، وہیں مذکورہ بستی بھی حفاظ وعلماء کی کثرت کی بناء پر اطراف وجوانب میں معروف ہے۔ مولانا موصوف کی ابتدائی تعلیم وتربیت شمالی ہند کی مشہور ومعروف مرکزی درسگاہ مدرسہ رحمانیہ سوپول بیرول ضلع دربھنگہ میں ہوئی، یہ ادارہ اپنے علمی خدمات اور باصلاحیت فارغین علماء وفضلاء کی وجہ سے ملک وبیرون ملک متعارف ہے، مولانا محمد جمال الدین صاحب نے نحو وصرف اور عربی ادب کی بنیادی تعلیم اسی ادارہ کے ماہرین فن اساتذہ سے حاصل کی اور اسی وقت سے وہ رفقائے درس میں نمایاں تھے، بعدہ متوسطات کی تعلیم مدرسہ مخزن العلوم دلدارنگر غازی پور میں مکمل کی، اور پھر عالم اسلام کی مشہور تربیت گاہ اور مرکز علم وفن دارالعلوم دیوبند میں مروجہ علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اس منبع علم وعرفاں سے بھرپور فیضیاب ہوئے۔

مولانا زمانہ طالب علمی سے ہی سادہ لوح، منکسر المزاج، متواضع اور سادگی پسند ہیں، آج بھی جبکہ اللہ رب العزت نے معاصرین میں نمایاں مقام عطاء فرمایا ہے ان کی طبیعت میں کوئی فرق نہیں آیا، ان کا تبحر علمی ان کی تحریر میں نمایاں ہے، حوالہ جات کی کثرت وسعت مطالعہ کی غماز ہے۔

مولانا کا تعلق اس ناچیز سے دور طالب علمی سے رہا، میری یہ خواہش رہتی ہے کہ نئی نسل کے علماء تعلیم وتدریس میں انہماک کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی شغف رکھیں اور میں اپنے جاننے والے علماء سے تقاضہ بھی کرتا رہتا ہوں، چنانچہ مولانا محمد جمال الدین صاحب سے بھی بار بار تقاضہ کیا، الحمد للہ آج جبکہ ان کی تصنیف لطیف ''خصال فطرت، احکام ومسائل'' کا مسودہ میرے سامنے ہے میری خوشی ومسرت کی انتہاء نہیں اور اس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

خداوند قدوس سے دعاء ہے کہ وہ موصوف کی اس تصنیفی کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کی افادیت کو عام وتام فرمائے، ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

عبدالرب قاسمی

۱۱؍جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ مدرسہ رحمانیہ سوپول، دربھنگہ، بہار

پیش لفظ

فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی
جنرل سکریٹری فقہ اکیڈمی انڈیا، وناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد (اے پی)

کچھ چاہتیں اور رغبتیں انسان میں پیدائشی طور پر پائی جاتی ہیں، اور کچھ کام وہ ہیں کہ تعلیم وتربیت، ماحول اور صحبت کے اثر سے انسان انہیں کرتا ہے، پہلی قسم کے افعال کو ''فطرت'' کہا جاتا ہے، فطرت کے معنی ہی کسی چیز کو وجود میں لانے کے ہیں، ''**فطر الله الخلق** '' کے معنی ہیں: اللہ تعالی مخلوق کو عدم سے وجود میں لائے، کسی کام کے شروع کرنے اور کسی چیز کے ایجاد بخشنے کو ''فطر......'' کہا جاتا ہے، بچہ اپنی ماں کے رحم میں جس کیفیت پر تخلیق پاتا ہے اسے بھی عربی زبان میں ''فطرت'' کہتے ہیں، اسی سے ''فطورہ'' کا لفظ ہے، گھاس کی ایک خاص قسم کی ابتدائی پود کو اس لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (دیکھئے: القاموس المحیط ۸۷،۵۸۶) قرآن مجید میں بھی کم سے کم ۱۴؍ مقامات پر یہ لفظ تخلیق کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

پھر غور کیجئے تو ایک ان دیکھی غیبی طاقت کے سامنے جھکنا، اس سے امیدیں باندھنا، مصیبت کے وقت اس کی طرف التجا کا ہاتھ اٹھانا، خوشی کے وقت اس کے لئے پیشانی میں سجدوں کا مچلنا اور اس کے سامنے بچھنے اور جھکنے کی کوشش کرنا یہ بھی انسان کا ایک اندرونی داعیہ ہے، یہ ان لوگوں میں بھی رہا ہے جنہوں نے نہ کسی پیغمبر کی صحبت پائی، نہ کسی معلم اخلاق سے درس لیا، اور نہ کسی فلسفی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، یہ ان دیکھی غیبی ذات وہی معبود مطلق

ہے، جس کی طرف ہر بے آمیز مذہب نے اپنے اپنے عہد میں دعوت دی ہے، خدا کے سامنے اسی سرخمیدگی اور تسلیم ورضا کا نام ''اسلام'' یا ''دین حنیف'' ہے، اسی لئے قرآن نے اسی دین حنیف کو فطرت انسانی قرار دیا:

﴿ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ (الروم: ۳۰)

اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ہر بچہ اپنی اصل کے اعتبار سے دین فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اور اس کے والدین اس کی فطرت کا رخ تبدیل کر کے مصنوعی اور انسانی آمیزشوں سے مرکب مذاہب کی طرف اسے لے جاتے ہیں:

"کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه یهودانه أو ینصرانه الخ" (بخاری، حدیث نمبر: ۱۳۸۵)

جیسے روح انسانی کی ایک فطرت ہے، اور وہ ہے خدا کی طرف جھکنا، اسی طرح کچھ امور وہ ہیں جو جسم انسانی کی فطرت میں داخل ہیں، ان ہی کو رسول اللہ ﷺ نے ''سنن فطرت'' (فطری افعال) سے تعبیر فرمایا ہے، مختلف حدیثوں میں ان امور کا ذکر آیا ہے، مجموعی طور پر ان کی تعداد ۱۶ / ہوتی ہے؛ لیکن غور کیا جائے تو ان سب کی اصل صفائی ستھرائی اور طہارت ونظافت ہے، یہ وہ افعال ہیں کہ انسانی طبیعت خود ان کو انجام دینا چاہتی ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو، کسی زبان کو بولتا ہو، کسی بھی علاقہ کا باشندہ ہو، اور کسی بھی رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو، اور پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو، یہی اشتراک واتحاد ان احکام کے امور فطرت ہونے کی دلیل ہے۔

عجب بات ہے کہ بغاوت وسرکشی اور انکار بھی انسان کی طبیعت کا ایک حصہ ہے، اسی لئے ہر دور میں ایک ایسا گروہ بھی موجود رہا ہے جس نے اپنے خالق کی بنائی ہوئی فطرت سے بغاوت کی راہ اختیار کی ہے، یہ بغاوت کبھی افراط کی طرف لے گئی اور کبھی تفریط کی طرف، کچھ لوگوں نے اپنے جسمانی تقاضوں ہی کو اپنا معبود بنالیا، اور اپنے آپ کو پرستار فطرت قرار دے کر خواہشات وشہوات کی پیروی میں اتنا آگے نکل گئے کہ جانور بھی ان پر شرمندہ ہوں،

اور شاید شیطانوں کو بھی ان سے حیاء آتی ہوگی، ایران میں مزدکی تحریک اور یونانیوں کی شہوت پرستی کا تاریک دور اس کی مثال ہے، اور آج پھر مغربی معاشرہ اسی راہ پر گامزن ہے، اسی کا نام ''اباحیت'' ہے، دوسری طرف کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے فطرت کے جائز تقاضوں کو بھی کچل ڈالا، ایسے مذہبی رہنما پیدا ہوئے جنہوں نے بیس بیس سال؛ بلکہ بعض اوقات پوری زندگی غسل نہیں کیا، اپنے بال صاف نہیں کئے، اور گرمی وٹھنڈک سے بچانے والے لباس سے بھی مجتنب رہے، بہتوں نے نکاح نہیں کئے، اور بعضوں نے نکاح کر کے بھی صنفی تعلق سے اپنے دامن کو بچائے رکھا، ایران کی مانی تحریک اور عیسائیت کا عہد وسطی اس کی مثالیں ہیں، قرآن مجید نے اسی کو ''رہبانیت'' سے تعبیر کیا ہے۔

اسلام دین اعتدال اور دین فطرت ہے، فطرت انسانی جن باتوں کا تقاضا اور مطالبہ کرتی ہے اسلام ان کی گنجائش فراہم کرتا ہے، ان کے گلے نہیں گھوٹتا؛ لیکن اس کی تہذیب بھی کرتا ہے، اور اس کے لئے مناسب حدود وقیود بھی مقرر کرتا ہے، اور اس طرح انسان کو افراط وتفریط دونوں سے بچاتا ہے، سنن فطرت کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے وہ اس کا روشن نمونہ ہیں، یہ احکام انسان کو مہذب اور شائستہ بناتے ہیں، ان سے انسانی طبائع کو نشاط وسکون حاصل ہوتا ہے، اور ان میں حفظان صحت کے اصول کی بھرپور رعایت ہے، یہ اتنے سائنٹفک اصول ہیں کہ جو لوگ مذہبی اعتبار سے اس کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی طبی نقطۂ نظر سے اس کی افادیت کے قائل ومعترف ہیں، اور یہ سارے مسائل وہ ہیں جو انسان کی روز مرہ کی زندگی سے متعلق ہیں۔

اردو زبان میں اس موضوع پر کوئی تفصیلی کتاب موجود نہیں تھی، جو ان امور فطرت پر قرآن وحدیث، اسوۂ صحابہ اور فقہاء کے اجتہادات کی روشنی میں روشنی ڈالتی، عرصہ سے تقاضا تھا کہ سنن فطرت سے متعلق یہ حدیثیں جو انفرادی حیثیت میں خبر واحد ہیں؛ لیکن اپنے مشترک مضمون کے اعتبار سے خبر مشہور کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں، ان کی یکجا تشریحات مرتب ہوجائیں، جس میں مستند اور معتبر حوالہ جات سے استفادہ کی پوری رعایت بھی ملحوظ ہو، احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی واضح ہوجائیں، اور ان امور سے متعلق جزوی تفصیلات بھی حدیث وفقہ کی

کتابوں سے اخذ کر کے مرتب کر دی جائیں، جس سے عوام وخواص دونوں کو نفع پہنچے، اور اسوۂ نبوی کی اتباع کا جذبہ بھی بیدار ہو،

مولفِ کتاب جناب مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب (صدر مفتی واستاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد) دارالعلوم دیوبند کے ذہین وممتاز فضلاء اور علوم اسلامی کے کامیاب اساتذہ میں ہیں، اللہ تعالی نے ان کی شخصیت کو صلاحیت اور صالحیت کا جیسا سنگم بنایا ہے، ایسا امتزاج کم لوگوں میں پایا جاتا ہے، فتوی نویسی کے کام کی وجہ سے کتابوں سے مراجعت کا ذوق بھی ہے، تحقیق وتصنیف کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں، ہر سال ان کی سرپرستی میں فقہی اور علمی موضوعات پر طلبہ تخصصات کا دستاویزی مجلّہ شائع ہوتا ہے، جس کی علمی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوتی ہے، اس کے علاوہ ملک میں شائع ہونے والے مختلف علمی وتحقیقی ماہناموں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ان کے اندر تحریر کی اچھی صلاحیت موجود ہے جسے مزید نکھارنے کی ضرورت ہے،

اسی پس منظر میں راقم الحروف نے مولانا موصوف سے خواہش کی کہ وہ اس اہم موضوع پر قلم اٹھائیں، چنانچہ ان کی یہ تحریر قارئین کے سامنے ہے، جو اپنے موضوع پر جامعیت اور معتبر کتابوں سے مراجعت کی بنیاد پر یقیناً تحسین کی مستحق اور اردو کے اسلامی ذخیرہ میں ایک اہم اضافہ ہے اور ان مسائل سے متعلق تمام ضروری تفصیلات حدیث وفقہ کے معتبر حوالوں سے جمع کر دی گئی ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی ان کے قلم کو ہمیشہ تازہ دم رکھے، اور ان سے زیادہ سے زیادہ اپنے دین اور علم دین کی خدمت لے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۷؍جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ

عرض مؤلف

خصال فطرت کے نام سے جو امور اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں وہ درحقیقت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت رہے ہیں، ان کا فطرت سے گہرا تعلق ہے، اگر انسان خارجی دباؤ یا اثر قبول نہ کرے تو اپنی ذات سے وہ اس بات پر مجبور ہوگا کہ ان امور کو اختیار کرے، اور اہتمام کے ساتھ انھیں اپنے معمولات زندگی میں داخل کرے؛ کیونکہ یہ چیزیں یا تو زیب وزینت کے قبیل سے ہیں، یا طہارت ونظافت سے متعلق ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے اختیار کرنے کا جذبہ ہر سلیم الفطرت انسان میں ہوا کرتا ہے، اور اگر کسی کی طبیعت ان امور کی طرف راغب نہ ہوتی ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی فطرت میں نقص ہے، اور اس کا یہ ذاتی جوہر خارجی اثرات سے اپنی تازگی اور آب وتاب کھو چکا ہے، اور اس قدر بے رونق ہو چکا ہے کہ اب اس پر مستقل محنت کی ضرورت ہے، تا کہ اس کی تر وتازگی اور خوبی وکمال دوبارہ واپس آجائے، کتاب میں درج شدہ فطری امور درج ذیل ہیں:

۱۔ڈاڑھی بڑھانا، ۲۔مونچھ کم کرنا، ۳۔مانگ نکالنا، ۴۔بغل کے بال اکھاڑنا، ۵۔انگلی کے جوڑوں کا دھونا، ۶،۷۔ناک میں پانی ڈال کر اس کی صفائی کرنا، ۸۔کلی کرنا، ۹۔مسواک کرنا، ۱۰۔جمعہ کے دن غسل کرنا، ۱۱۔زیر ناف بال کا مونڈنا، ۱۲۔ناخن تراشنا، ۱۳۔ختنہ کرنا، ۱۴۔پیشاب وپاخانہ سے فراغت کے بعد پاکی حاصل کرنا، ۱۵۔انتقاص ماء، ۱۶۔اور انتضاح۔

ان میں سے ابتدائی تین امور میں زیب وزینت کا پہلو غالب ہے، اور باقی دس چیزوں میں نظافت کا عنصر نمایاں ہے، اور آخری تین میں طہارت کا عنصر واضح ہے، جیسا کہ اس کا علم آئندہ صفحات میں پیش کردہ تفصیلات سے ہوگا، اس لئے ان سولہ امور کو تین ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، اس کے علاوہ دو عنوانات کا اضافہ بھی آپ اس کتاب میں پائیں گے، ایک عنوان تو ''خضاب'' کا ہے، جس کے تحت خضاب کے شرعی احکام اور بعض ضروری تفصیلات پیش کی گئی ہیں، اور دوسرا عنوان جسم کے دیگر اعضاء پر اگنے والے بالوں کے احکام سے متعلق ہے، ان دونوں پر احادیث میں اگرچہ فطرت کا اطلاق نہیں کیا گیا ہے؛ لیکن یہ بھی ان امور کے قبیل سے ہیں جن میں نظافت اور زیب وزینت کا پہلو نمایاں ہے، اس لئے ان کا ذکر بھی ضمناً کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ پہلے امور طہارت یعنی استنجاء، انتضاح اور انتقاص ماء کا بیان ہوگا، اس کے بعد پاکیزگی ونظافت سے متعلق امور: ختنہ، غسل جمعہ، مسواک، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالکر اسے صاف کرنا، انگلی کے جوڑوں کا دھونا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بال کا مونڈنا، کے احکام بالترتیب ذکر کئے جائیں گے، اور آخر میں زیب وزینت سے تعلق رکھنے والی چیزوں: ڈاڑھی بڑھانا، مونچھوں کو کم کرنا اور مانگ نکالنے کا ذکر ہوگا، پھر جسم کے دیگر حصوں کے بال اور خضاب کے احکام بیان کئے جائیں گے۔

اس کتاب کی ترتیب کے دوران ہمارے پیش نظر یہی بات رہی ہے کہ امور فطرت سے متعلق تمام ضروری باتیں واضح طور پر سامنے آجائیں، اور موضوع سے متعلق کوئی اہم بات پردۂ خفا میں نہ رہ جائے، اب ہم اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہو سکے ہیں، اس کا فیصلہ آپ کے ذمہ ہے!

اس کتاب کی ترتیب میں امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش حضرت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل ادام اللہ فیوضہ (۱) کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی مہمیز کا کام دیتی رہی، پھر جب

(۱) افسوس کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے، ۲۵/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۲/مارچ ۲۰۱۰ء شب جمعہ تقریباً 4:30 بجے وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

کتاب مکمل ہوئی تو اس پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، اور اپنی رائے گرامی سے سرفراز کیا، نیز کتاب کے موجودہ شکل میں آنے کا سہرا فقیہ وقت اور مشہور صاحب قلم حضرت مولانا خالدسیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کے سر جاتا ہے اس میں آپ کی توجہ کا خاص دخل ہے، آپ نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود مسودہ پر نظر ثانی فرمائی، مشورے دیئے، اور گرانقدر مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔

اسی طرح حضرت مولانا ہارون الرشید صاحب قاسمی سابق صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ (بہار) اور حضرت مولانا عبدالرب صاحب قاسمی استاد حدیث وادب مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ (بہار) جو ہمارے مشفق اساتذہ میں ہیں، ان حضرات نے بھی اس کتاب پر اپنی رائے عالی سے نوازا، میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں، اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ان کی حیات کو دراز کرے، اور علم کا قافلہ ان کی سرپرستی میں رواں دواں رہے۔ آمین

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر دارالعلوم حیدرآباد کے عالی ظرف معتمد جناب رحیم الدین انصاری صاحب کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، آپ نے جیسا صاف شفاف ماحول دیا، اور کتب خانہ کو جس انداز سے مرتب کیا ہے، اس سے اس کام میں بڑی مدد ملی، خدائے تعالی انتظامیہ کو جواں ہمت رکھے، اور ادارے کو مزید ترقیات سے نوازے آمین،

اس مجموعہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں حتی المقدور اہتمام سے کام لیا گیا ہے، پھر بھی اگر کسی مقام پر کوئی بات واضح نہ ہو پائی ہو، یا خلاف واقعہ بات زیر قلم آ گئی ہو تو اسے میری بے بضاعتی اور کم علمی پر محمول فرمائیں، اور اس کی نشاندہی کر کے ہمیں ممنون فرمائیں، تاکہ آئندہ اس کا ازالہ کیا جاسکے۔ **وباللہ التوفیق والھدایۃ وھو حسبی ونعم الوکیل .**

محمد جمال الدین قاسمی

(استاذ حدیث وفقہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد)

۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ

فطرت اور حدیث فطرت

فطرت کا مفہوم

پیدائشی خُو بُو کو فطرت کہا جاتا ہے، مگر شرع میں ''فطرت'' کسے کہا جاتا ہے؟ اس سلسلے میں شارحین حدیث کے اقوال بظاہر مختلف ہیں، بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ احادیث میں ''الفطرۃ'' سے مراد سنت انبیاء یعنی پیغمبروں کا طریقہ ہے، (۱) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''یہی تشریح اکثر علماء نے کی ہے'' (۲) اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جو صحیح مسلم (۳) میں ''عشر من الفطرۃ'' کے ساتھ ہے، بالکل یہی روایت مستخرج ابوعوانہ میں ''عشرۃ من السنۃ'' کے ساتھ مذکور ہے، (۴) ان حضرات کا کہنا ہے کہ مذکورہ احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو ''الفطرۃ'' اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے، اس تشریح کی بناء پر ''فطرت'' کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام نے اس طریقہ پر خود زندگی گذاری، اور اپنی اپنی امتوں کو اس پر چلنے کی ہدایت کی، گویا یہ چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم اور ان کے مشترکہ معمولات میں سے ہیں۔ (۵)

بعض شارحین نے ''الفطرۃ'' سے دین فطرت یعنی دین اسلام مراد لیا ہے، (۶) قرآن پاک میں بھی دین کو فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے؛ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

---

(۱) عمدۃ القاری ، باب الختان بعد البکر ونتف الإبط:۲۲/۲۷۲

(۲) بذل المجھود ، باب السواک من الفطرۃ :۱/۳۳

(۳) صحیح مسلم ،رقم الحدیث:۲۶۱،باب خصال الفطرۃ

(۴) مستخرج أبي عوانہ ، رقم الحدیث:۴۷۲،ایجاب حلق العانۃ الخ

(۵) نیل الاوطار:۱/۱۴۱،باب سنن الفطرۃ

(۶) حاشیہ نووی مع مسلم، رقم الحدیث:۲۵۷،باب خصال الفطرۃ

﴿ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ (۱)

''سوتو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہوکر، وہی تراش اللہ کی، جس پر تراشا لوگوں کو، بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو، یہی ہے دین سیدھا'' (ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت کی روشنی میں ''فطرت'' کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ امور دین فطرت یعنی اسلام کے اجزاء اور اس کے احکام میں سے ہیں۔

بعض شارحین نے ''الفطرۃ'' سے انسان کی اصل فطرت وجبلت ہی مراد لی ہے، اور اسی کو مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے زیادہ ظاہر قرار دیا ہے، اس صورت میں ''فطرت'' کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ امور انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں، گویا جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان اور نیکی وطہارت کو پسند کرتا ہے، اور کفر وفواحش اور گندگی وناپاکی کو ناپسند کرتا ہے، اسی طرح مذکورہ بالا امور ایسے ہیں کہ انسانی فطرت اگر کسی خارجی اثر سے خراب اور فاسد نہ ہوچکی ہو تو ان کو ضرور پسند کرتی ہے۔

بعض حضرات نے ''الفطرۃ'' سے دین ابراہیمی مراد لیا ہے، (۲) اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ امور دین ابراہیمی کے قبیل سے ہیں، جس کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾ (۳)

''چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا''

ان اقوال پر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ فطرت کی تشریح میں الفاظ اور تعبیر کا فرق ضرور ہے؛ لیکن مفہوم ومصداق کے اعتبار سے ان تشریحات میں کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے؛ کیونکہ ''فطرۃ'' کا مطلب خواہ سنت انبیاء ہو، یا دین اسلام، یا اس کی تشریح انسان کی اصل جبلت وفطرت سے کی جائے یا دین ابراہیمی سے، سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ چیزیں انبیاء کرام

---

(۱) الروم: ۳۰ (۲) بذل المجهود: ۳۳/۱، باب السواك من الفطرة
(۳) النحل: ۱۲۳

کے لائے ہوئے اس متفقہ طریقہ زندگی اوران کے اجزاءواحکام میں سے ہیں، جودراصل انسان کی فطرت وجبلت کا تقاضا ہیں، حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ فطرت کے شرعی معنی کی واضح تعبیر ہم اس طرح کر سکتے ہیں:

''فطرت انسان کے ان خصوصی صفات اور امتیازی نشانوں کا نام ہے جوانسانی جبلت وفطرت کے عین مطابق ہوں، اوراس سے فرد یاقوم کی ممتاز شخصیت بنتی ہو، اوراللہ پاک نے انبیاءکرام علیہم السلام کے ذریعہ امت مسلمہ کوحکم دیا ہو کہ تم اپنی شخصیت ان صفات کے ذریعہ بناکر دنیا کی دیگراقوام سے ممتاز ہوجاؤ''(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں دس امور فطرت کا ذکر ہے(۲)اس کی تشریح میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے (۳) جو چند سطریں لکھی ہیں، ان کا خلاصہ ہم ذیل میں مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے الفاظ میں درج کر کے اس بحث کوختم کرتے ہیں، مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ دس عملی باتیں جودراصل طہارت ونظافت کے باب سے تعلق رکھتی ہیں، ملت حنفیہ کے بانی ومورث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں اور ابراہیمی طریقہ پر چلنے والے حنفی امتوں میں عام طور سے ان کا رواج رہا ہے، اوران پران کا عقیدہ بھی رہا ہے، صدیوں تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اورمرتے رہے ہیں؛ اسی لئے ان کوفطرت کہا گیا ہے، اور یہ ملت حنفی کے شعائر ہیں، اور ہر ملت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقررہ ومعلوم شعائر ہوں، اوروہ واضح ہوں جن سے اس ملت والوں کو پہچانا جاسکے، اوران میں کوتاہی کرنے پران سے مواخذہ کیا جاسکے؛ تاکہ اس ملت کی فرمانبرداری اورنافرمانی

(۱) ڈاڑھی اورانبیاء کی سنتیں، ص: ۳۹
(۲) صحيح مسلم ، رقم الحديث:۲۶۱،باب خصال الفطرة
(۳) حجة الله البالغه :۳۰۸/۱،خصال الفطرة وما يتصل بها

احساس ومشاہدہ کی گرفت میں آسکے، اور یہ بھی قرین حکمت ہے کہ شعائر ایسی چیزیں ہوں جو نادر الوقوع نہ ہوں، اور ان میں اہم فوائد ہوں، اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کرلیں، اور ان دس چیزوں (جو حدیث عائشہ میں یکجا مذکور ہیں) میں یہ باتیں موجود ہیں، اس کو سمجھنے کے لئے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہئے۔

جسم انسانی کے بعض حصوں میں اگنے والے بالوں کے بڑھنے سے پاکیزگی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم فطرت اسی طرح منقبض اور مکدر ہوتی ہے جس طرح کہ حدث (یعنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے) سے ہوا کرتی ہے، بغل میں اور ناف کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا حال یہی ہے؛ اس لئے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے قلب اور روح میں ایک نشاط اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے، جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہے، اور بالکل یہی حال ناخنوں کا ہے۔

اور ڈاڑھی کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تمیز ہوتی ہے، اور وہ مردوں کے لئے شرف اور جمال ہے، اور اسی سے ان کی مردانہ ہیئت کی تکمیل ہوتی ہے، اور وہ سنت انبیاء ہے؛ اس لئے اس کا رکھنا ضروری ہے۔ اور اس کا صاف کرانا مجوس وہنود وغیرہ اکثر غیر مسلم قوموں کا طریقہ ہے، نیز چونکہ بازاری قسم کے اور نیچی سطح کے لوگ عموماً ڈاڑھیاں نہیں رکھتے؛ اس لئے ڈاڑھیاں نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھانے اور لمبا کرنے میں کھلا ہوا نقصان یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں، اور ناک سے خارج ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی وہی ہے؛ اس لئے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضہ یہی ہے کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ

ہونے پائیں، اس واسطے مونچھیں ترشوانے کا حکم دیا گیا، اور کلی اور پانی کے ذریعہ ناک کی صفائی اور مسواک اور پانی سے استنجاء اور اہتمام سے انگلیوں کے ان جوڑوں کو دھونا جن میں میل کچیل رہ جاتا ہے، صفائی اور پاکیزگی کے نقطۂ نظر سے ان سب چیزوں کی ضرورت واہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں‘‘(۱)

ذیل میں وہ احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن میں امورفطرت کی نشان دہی کی گئی ہے؛ تا کہ ان کی روشنی میں امورفطرت کی صحیح تعداد معلوم ہو سکے۔

حدیث فطرت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

" الفطرة خمس : الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الأظفار ونتف الآباط " (۲)

’’فطری باتیں پانچ ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال کا صاف کرنا، مونچھیں کترنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال اکھاڑنا‘‘

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں:

" عشر من الفطرة : قص الشارب وإعفاء اللحية والسواک واستنشاق الماء وقص الأظفار وغسل البراجم ونتف الإبط وحلق العانة وانتقاص الماء ، قال زكريا : قال مصعب : ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة " (۳)

’’دس چیزیں امورفطرت میں سے ہیں، مونچھیں تراشنا، ڈاڑھی کا چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن کاٹنا،

(۱) معارف الحدیث:۶۲/۳، کتاب الطهارة
(۲) صحيح البخاری، رقم الحديث:۵۸۵۱، باب قص الشارب
(۳) صحيح مسلم ، رقم الحديث:۲۶۱، باب خصال الفطرة

انگلیوں کے جوڑوں کا دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بال کی صفائی کرنا اور پانی سے استنجا کرنا، اس حدیث کے راوی زکریا رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے استاد مصعب رحمہ اللہ نے بس یہی چیزیں وثوق سے بیان کیں، اور فرمایا کہ دسویں بات مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہی؛ البتہ میرا خیال ہے کہ وہ ''کلی کرنا'' تھا''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں وہ ساری باتیں ختنہ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بھی ذکر کی گئی ہیں، اور مزید یہ باتیں ہیں: داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، جوڑوں کا دھونا، اور استنجا کرنا، ان دونوں احادیث کے مجموعہ سے امور فطرت کی مجموعی تعداد گیارہ ہو جاتی ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مستخرج ابوعوانہ میں جو روایت ذکر کی گئی ہے، اس میں بھی دس باتوں کا تذکرہ ہے؛ البتہ اس میں ''عشر من الفطرة ''(دس چیزیں امور فطرت سے ہیں) کے بجائے ''عشرة من السنة ''(دس چیزیں سنت کے قبیل سے ہیں) کی تعبیر ہے، اور ''استنشاق'' (ناک میں پانی ڈالنے) کے بجائے ''استنثار'' (ناک صاف کرنے) کا ذکر ہے، (۱) تو اب امور فطرت کی تعداد بارہ ہوگئی، اور مسند احمد بن حنبل، (۲) ابوداؤد (۳) اور ابن ماجہ (۴) میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بھی انہی دس امور کو فطرت میں شمار کیا گیا ہے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے؛ البتہ اس میں ''استنجاء'' کے بجائے ''انتضاح'' (پانی سے استنجا کرنے) اور ایک روایت میں ''انتقاص ماء'' کا ذکر ہے، (۵) اس طرح امور فطرت کی تعداد چودہ تک پہونچ جاتی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر طبری میں ﴿وَإِذِ ابْتَلٰى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ﴾ (۶) ''اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے

(۱) مستخرج أبي عوانة ، رقم الحديث :۴۷۲، باب ايجاب حلق العانة الخ
(۲) مسند أحمد ، رقم الحديث :۱۸۳۲۷، حديث عمار بن ياسر رضی اللہ عنہ
(۳) أبو داؤد ، رقم الحديث:۵۴، باب السواك من الفطرة
(۴) ابن ماجة، رقم الحديث :۲۹۴، باب الفطرة
(۵) أبو داؤد ، رقم الحديث :۵۳، باب السواك من الفطرة
(۶) البقرہ :۱۲۴

کئی باتوں میں، پھراس نے وہ پوری کیں'' کی تفسیر میں منقول ہے:

'' ابتلاه اللّٰه بالطهارة خمس في الرأس وخمس في الجسد '' (۱)

'' اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو امور طہارت کے ذریعہ آزمایا، جن میں سے پانچ امور سر سے متعلق ہیں، اور پانچ باتیں بقیہ جسم سے تعلق رکھتی ہیں''

پھر ان کی تفصیل بعینہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذکر کردہ روایت کے مطابق بیان کی گئی؛ البتہ اس میں ''اعفاء لحیه'' (ڈاڑھی بڑھانے) کے بجائے ''الفرق'' (مانگ نکالنے) کا ذکر ہے، (۲) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے ابن ابی حاتم نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے، اس میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور دس امور فطرت کو شمار کیا گیا ہے؛ البتہ اس میں استنجاء کے بجائے ''غسل جمعہ'' کا ذکر ہے۔ (۳)

امور فطرت کی تعداد

اس طرح احادیث میں مذکور امور فطرت کی مجموعی تعداد سولہ ہو جاتی ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱) ختنہ کرنا
۲) زیر ناف بال صاف کرنا
۳) مونچھیں کم کرنا
۴) ناخن تراشنا
۵) بغل کے بال اکھاڑنا
۶) ڈاڑھی بڑھانا
۷) مسواک کرنا

---

(۱) تفسیر طبری :۵۰۱/۲
(۲) حوالہ سابق
(۳) حوالہ سابق

۸) ناک میں پانی ڈالنا
۹) کلی کرنا
۱۰) جوڑوں کا دھونا
۱۱) استنجاء کرنا
۱۲) ناک صاف کرنا
۱۳) انتقاص ماء
۱۴) انتضاح
۱۵) مانگ نکالنا
۱۶) غسل جمعہ

ان میں سے صرف بارہ امور کا تذکرہ ابوشامہ نے اپنی کتاب ''**کتاب السواک وما أشبه ذالک**،،میں کیا ہے،اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے حاشیہ مسلم میں تیرہ امور کا ذکر کیا ہے؛ لیکن ابن عربی رحمہ اللہ نے شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ خصال فطرت کی تعداد تیس تک پہونچ جاتی ہے،مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان پر نقد کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اگر ان کی مراد یہ ہو کہ ان تیس احادیث پر فطرت کا اطلاق کیا گیا ہے تو دعوی محل غور ہے (کیونکہ ذخیرہ احادیث میں درج بالا سولہ امور کے علاوہ کسی اور پر فطرت کا اطلاق نہیں کیا گیا ہے) اور اگر ان کے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ امور فطرت میں سے ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہوں اور ادیان سابقہ میں ان کا رواج رہا ہو،اگر چہ ان پر لفظ فطرت کا اطلاق نہ کیا گیا ہو تو پھر اس صورت میں اس کی تعداد زیادہ ہو جائے گی،صرف تیس میں منحصر نہ ہوں گی،جیسا کہ تتبع احادیث سے واضح ہو جائے گا،بہر حال ابن عربی رحمہ اللہ کا دعوی ہر دو لحاظ سے قابل غور ہے؛(۱) اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ احادیث کی روشنی میں امور فطرت صرف سولہ ہیں۔**والعلم عند اللہ العلیم**

---

(۱) فتح الباری :۱۰/ ۳۳۷،باب قص الشارب

پہلا باب

طہارت وصفائی

اسلام طہارت و پاکیزگی والا مذہب ہے، ایک حدیث میں طہارت کو ''نصف ایمان'' کہا گیا ہے (۱) طہارت و پاکی کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ محدثین عظام جب سنن کے موضوع پر حدیث کی کوئی کتاب ترتیب دیتے ہیں تو سب سے پہلے طہارت ہی کا باب قائم فرماتے ہیں، اور فقہ کی جتنی کتابیں ہیں وہ عموماً ''کتاب الطهارة'' ہی سے شروع ہوتی ہیں، نیز اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی رکن نماز ہے، اس میں بھی جسم کی طہارت، لباس کی طہارت اور جگہ کی طہارت کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، (۲) پھر ہر نماز سے پہلے وضوء کا حکم ہے، (۳) پہلے سے وضو ہو تو دوبارہ وضو کرنے کی ترغیب، (۴) ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کی ترغیب، (۵) ریح خارج ہو تو وضو کرنے کا حکم، (۶) بدن کے کسی مقام سے بہنے والا خون نکل جائے (۷) یا قئے ہوجائے تو وضو کا حکم، (۸) ٹیک لگانے سے اگر نیند آجائے تو وضو کرنے کا حکم، (۹) یہ سارے احکام نہ صرف یہ کہ ہر مسلمان کو شعوری طور پر طہارت کے بارے میں حساس بناتے اور پاک صاف رہنے کی عادت ڈالتے ہیں؛ بلکہ ہر مسلمان کے ذہن میں طہارت کا ایک ایسا تصور قائم کرتے ہیں کہ طہارت کی حالت میں ہر مسلمان اپنے جسم وروح کی کیفیت کو عام حالت سے ممتاز اور ارفع سمجھنے لگتا ہے، اگر کہیں پانی

(۱) صحيح مسلم ، رقم الحديث :۲۲۳،باب فضل الوضوء
(۲) بدائع الصنائع :۱/۱۱۴،فصل في شرائط أركان الصلاة
(۳) المائدة :۶
(۴) أبو داؤد ، رقم الحديث :۶۲،باب الرجل يجدد الوضوء
(۵) بخارى ، رقم الحديث :۸۸۷،باب السواك يوم الجمعة
(۶) ترمذى ، رقم الحديث :۷۴،باب ما جاء في الوضوء من الريح
(۷) سنن الدار قطنى ، رقم الحديث :۵۸۱،باب الوضوء من الخارج من البدن الخ
(۸) مصنف عبد الرزاق ، رقم الحديث :۵۲۴،باب الوضوء من القيء
(۹) أبو داؤد ، رقم الحديث :۲۰۲،باب في الوضوء عن النوم

نہ ہو، یا پانی کے استعمال سے کسی ضرر شدید کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت مٹی یا اس کے ہم جنس اشیاء سے تیمّم کرنے کا حکم دیا گیا ہے(۱)؛ حالانکہ ان چیزوں سے چہرہ اور ہاتھ کچھ نہ کچھ گرد آلود ہو ہی جاتے ہیں، پھر بھی ان خاص حالات میں یہ حکم دیا گیا ہے تا کہ نفسیاتی طور پر طہارت کے اس احساس کو باقی رکھا جائے جو اللہ جل شانہ کے دربار میں حاضری دینے کے لئے ضروری ہے، حضور اکرم ﷺ پر جب دوسری مرتبہ وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کو نبوت کی بھاری ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے جو ہدایات دی گئیں ان میں سے ایک یہ تھی:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ٥ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ٥﴾ (۲)

''اور اپنے کپڑے پاک رکھ، اور گندگی سے دور رہ''

گویا دین اسلام کی تمام تر عبادات کا انحصار طہارت و پاکی پر ہے، اور یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ نجاستوں سے دور رہنا ہر سلیم الطبع انسان کا فطری جذبہ ہے، جس کی طبیعت میں جتنی سلامتی ہوتی ہے، اسی قدر وہ ان سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے۔

انبیاء کرام اور ان کی نفیس طبیعتیں

انبیاء کرام کی طبیعتیں چونکہ سلامتی کے اعلی مقام پر فائز ہوتی ہیں؛ اس لئے وہ اس معاملے میں بڑے حساس ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں خوشبو محبوب ہوتی ہے، احادیث میں خوشبو کو رسولوں کے مابین رائج امور میں شمار کیا گیا ہے۔ (۳)

فرشتوں کی نفاست

فرشتے بھی اس سلسلے میں بڑے حساس ہوتے ہیں، وہ تو معنوی نجاستوں سے بھی دور بھاگتے ہیں، ترمذی شریف میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''جو انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو (جو ایک معنوی بدبو ہے) سے فرشتے ایک میل دور بھاگ جاتے ہیں'' (۴)

---

(۱) الهداية في شرح بداية المبتدى :۲۸/۱، باب التيمم

(۲) المدثر :۴-۵

(۳) ترمذی ، رقم الحديث :۱۰۸۰، باب ما جاء في فضل التزويج الخ

(۴) ترمذی ، رقم الحديث :۱۹۷۲، باب ما جاء في الصدق والكذب

اس لئے فرشتوں اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے صفات کے حامل جو حضرات ہوتے ہیں، وہ ہر قسم کی گندگی سے دور رہتے ہیں، اور پاکی وصفائی اختیار کرنے میں کیف وسرور محسوس کرتے ہیں، اور اس سے انہیں انشراحِ قلب نصیب ہوتا ہے۔(۱)

طہارت و پاکیزگی کے فوائد

طہارت سے باطن منور ہوتا ہے، انس وسرور پیدا ہوتا ہے، تشویش و پراگندگی اور پریشانی افکار دور ہوتی ہے، گویا طہارت کی روح نور باطن، دل کا سرور اور اطمینان خاطر ہے، (۲) طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بدن کو پاک صاف رکھا کرو، اس کا اثر تمہارے باطن پر پڑے گا، اور اللہ اس کو بھی پاک کردے گا، جو مؤمن بندہ پاکی کی حالت میں رات گذارتا ہے تو اسے فرشتوں کی معیت حاصل ہوتی ہے، جب بھی وہ پہلو بدلتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں:

''اللهم اغفر لعبدک فإنه بات طاهرا ''(۳)

''اے اللہ تو اپنے اس بندہ کی مغفرت فرما؛ کیونکہ اس نے پاکی کی حالت میں رات گذاری ہے''

ایک حدیث میں ہے کہ جو عبادت گذار پاکی کا اہتمام کرتا ہے، وہ اللہ کا محبوب بندہ ہوتا ہے، (۴) دیلمی نے حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

''طہارت کی حالت میں سونے والا شخص ثواب کے لحاظ سے اس روزہ دار کی طرح ہے، جو عبادت میں مصروف ہو''(۵)

طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ

''اسلام صاف ستھرا مذہب ہے؛ اس لئے تم لوگ پاک وصاف رہا کرو، اللہ

---

(۱) حجة الله البالغه :۲۹۴/۱،من أبواب الطهارة

(۲) دیکھئے:المصالح العقليه ،ص:۳۷،حکمت طهارت صغری وکبری

(۳) المعجم الأوسط ، رقم الحديث :۵۰۵۷،باب من اسمه محمد

(۴) تاريخ بغداد للخطيب تحقيق بشار ، تذكره عبد الله بن على :۱۸۱/۱۱

(۵) الزهد والرقائق لابن المبارك ، رقم الحديث :۱۲۴۳،باب فضل ذكر الله الخ

تعالی جنت میں پاک وصاف رہنے والوں کو ہی داخل فرمائیں گے‘‘(۱)

مسلم شریف کی ایک روایت میں طہارت کو ایمان کا جزءقرار دیا گیا ہے،(۲) یہی نہیں بلکہ طہارت کو بعض احادیث میں جہنم سے نجات (۳) اور گناہوں کی معافی کا سبب بھی قرار دیا گیا ہے۔(۴)

یہ فضائل اس بات کے لئے کافی ہیں کہ انسان طہارت کو اہمیت کے ساتھ اپنے معمولات زندگی میں داخل کرلے اور اس وجہ سے بھی کہ بہت ساری عبادتیں ایسی ہیں جن میں طہارت شرط ہے، جس کے بغیر وہ عبادات ادا نہیں ہوتیں، اور بعض عبادتوں میں اس کی حیثیت اگر چہ شرط کی نہیں ہے؛ لیکن اس کی ادائیگی کے وقت بہر حال طہارت مطلوب ومحمود ہے، مثلاً روزہ ہی کو لے لیجئے، اس کی ادائیگی کے لئے طہارت شرط نہیں ہے، اگر کوئی روزہ دار پورا دن ناپاکی کی حالت میں گذار دے، پھر بھی اس کا روزہ ادا ہوجائے گا؛ لیکن جو انوار وبرکات اس روزہ سے اسے حاصل ہونے چاہئیں وہ اسے حاصل نہیں ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس کے اس فعل کو مکروہ قرار دیا ہے۔(۵)

اس کے علاوہ ہر مؤمن کے ساتھ رحمت کے فرشتوں کا ہونا بھی احادیث سے ثابت ہے، اور فرشتے فطرتاً نجاستوں سے دور رہا کرتے ہیں، اگر یہ مومن بندہ اپنے کو پاک نہیں رکھے گا اور اس کے کپڑے اور جسم نجاستوں سے آلودہ ہونگے تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ فعل ان فرشتوں کے لئے کس قدر تکلیف کا باعث ہوگا۔ پھر دوستوں، عزیز واقارب اور دیگر اہل تعلق سے ملنا جلنا آئے دن ہوتا ہی رہتا ہے، اگر وہ طہارت کا اہتمام نہیں کرتا، اور اپنے آپ کو نجاستوں سے دور نہیں رکھتا تو ان حضرات کو بھی اس سے جتنی تکلیف ہوگی ظاہر ہے، اس کا یہ فعل جہاں ایمانی بھائی چارگی کے منافی ہے، وہیں انسانی اقدار کے بھی خلاف ہے، اس لئے طہارت کا اہتمام کرنا ایک امر شرعی اور ایمانی بھائی چارگی اور مروت کا تقاضا ہے۔

---

(۱) المعجم الأوسط ، رقم الحديث :۴۸۹۳،باب من اسمه عيسىٰ
(۲) صحيح مسلم ، رقم الحديث :۲۲۳،باب فضل الوضوء
(۳) المعجم الأوسط ، رقم الحديث :۴۸۹۳،باب من اسمه عيسىٰ
(۴) بخاری ، رقم الحديث :۲۴۵،باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء
(۵) در مع الشامی :۴۰۰/۲،باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده

طہارت کا اہتمام نہ کرنے پر وعید

اسلام نے جہاں صفائی وستھرائی اور پاکیزگی کی ترغیب دی ہے، وہیں ان حضرات کے بارے میں وعیدیں بھی بیان کی ہیں، جونجاستوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے ہیں؛ تاکہ کاہل اورسست انسان بھی اس کی اہمیت کو پوری بصیرت کے ساتھ سمجھ لے، اوراس میں ذرہ برابرغفلت نہ برتے ، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ'' پیشاب سے بچا کرو؛ کیوں کہ قبر میں سب سے پہلے اسی کے بارے میں حساب ہوگا''،(۱) ایک دوسری حدیث میں ارشادنبوی ﷺ ہے کہ'' قبر میں عام طور پرعذاب پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے''،(۲) علامہ ہیثمیؒ نے لکھا ہے:

> ''بنی اسرائیل کوحکم تھا کہ جب ان کے کپڑوں پر پیشاب وغیرہ لگ جایا کرے تو اسے کاٹ کر جدا کردیں ؛ چنانچہ وہ لوگ اس حکم کو بجالاتے رہے،مگران میں سے ایک شخص نے ان لوگوں کواس عمل سے روک دیا، جب اس شخص کا انتقال ہوگیا تو (اس جرم کی پاداش میں) اسے قبر میں عذاب دیا گیا''(۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

> ''ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر کررہے تھے کہ دوقبروں کے پاس سے ہم لوگوں کا گذر ہوا، آپ ﷺ وہاں ٹھہرے تو ہم لوگ بھی ٹھہر گئے ، ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہورہا ہے، اورآپ ﷺ جو قمیص زیب تن کئے ہوئے تھے، اس پر بھی کپکپی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، ہم لوگوں نے جب آپ ﷺ سے حقیقت حال دریافت کیا، توآپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں جوسن رہا ہوں وہ تمہیں سنائی نہیں دے رہا

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی ، رقم الحدیث :۷۶۰۵،مکحول الشامی عن أبی أمامة
(۲) سنن دار قطنی ، رقم الحدیث :۴۶۴،باب نجاسة البول الخ
(۳) سنن نسائی ، رقم الحدیث :۳۰،البول إلی السترة یستتر بھا

ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: حضور! وہ کیسی آواز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں مردوں کو قبر میں سخت عذاب ہو رہا ہے، اور یہ عذاب ایسے گناہ کی وجہ سے ہو رہا ہے جس سے ان کو بچنا آسان تھا، ہم لوگوں نے عرض کیا: حضور! وہ گناہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک تو پیشاب سے احتراز نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغلخوری کیا کرتا تھا‘‘(۱)

ایک روایت میں ہے:

’’جہنم میں چار طرح کے لوگوں سے خود جہنمی پریشان ہوں گے، اور انھیں تکلیف واذیت پہنچے گی، جب جہنمی لوگ ان لوگوں سے کافی پریشان ہو جائیں گے تو کہیں گے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ ہم جس پریشانی سے دوچار تھے وہی کیا کم تھی، اب ان لوگوں نے تو میری تکلیف میں اور سنگینی پیدا کردی ہے، تو ان میں سے ایک شخص کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا، اور پیشاب لگ جانے کے بعد اسے دھلتا نہیں تھا‘‘(۲)

انہی وعیدوں کے پیش نظر پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’عدم التنزہ عن البول کبیرۃ‘‘ (۳)

’’پیشاب سے نہ بچنا گناہ کبیرہ ہے‘‘

ان احادیث میں اگرچہ خاص طور پر پیشاب کے بارے میں وعیدیں مذکور ہیں؛ لیکن یہی ساری وعیدیں پاخانہ یا دیگر نجاستوں سے احتراز نہ کرنے پر بھی ہیں، چنانچہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ ہی نے صراحت کی ہے:

---

(۱) صحیح ابن حبان تحقیق شعیب ارنؤوط رقم الحدیث :۸۲۴،ذکر الخبر الدال علی أن الأشیاء النامیة الخ

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث :۷۲۲۶،شفی بن ماتع الأصبحی الخ

(۳) الزواجر عن اقتراف الکبائر :۲۰۸/۱،الکبیرۃ الحادیة والسبعون

’’ إذا تـرتـب عـلـى البول فلأن يترتب على الغائط من باب أولى لأنه أقذرو أفحش ‘‘ (۱)

’’جب پیشاب سے احتیاط نہ کرنے پر یہ ساری وعیدیں بیان کی گئی ہیں تو پاخانہ (وغیرہ) سے احتیاط نہ کرنے پرتو یہ وعیدیں بدرجۂ اولی ہوں گی؛ کیوں کہ یہ تو پیشاب کے مقابلہ میں زیادہ نجس اور گندے ہیں‘‘

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ہر قسم کی نجاستوں سے دور رہنا مطلوب ہے؛لیکن ذیل میں ان تمام نجاستوں کے احکام اوران سے طہارت حاصل کرنے کی تفصیلات پیش کرنے کے بجائے ہم صرف اس نجاست کے بارے میں گفتگو کریں گے جس کا تعلق پیشاب و پاخانہ کے راستے سے نکلنے والی نجاستوں سے ہے، اوراس تعلق سے اسلام نے جو رہنمائی کی ہے آئندہ صفحات میں ہم صرف اسے پیش کریں گے۔

(۱) الزواجر عن اقتراف الكبائر :۲۰۹/۱،الكبيرة الثانية والسبعون

پہلی فصل

استنجاء کا بیان

امور طہارت میں سے استنجاء بھی ہے، حدیث پاک میں اسے امور فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے، (۱) تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے پانی سے استنجاء کیا تھا، (۲) پیشاب و پاخانہ کے راستے سے نکلنے والی نجاستوں سے پاکی حاصل کرنے کا نام استنجاء ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"الاستنجاء طلب طهارة القبل والدبر من النجو "(۳)

"پیشاب و پاخانہ کے راستوں کو نجاستوں سے پاک کرنے کو استنجاء کہتے ہیں"

استنجاء کب کیا جائے؟

شریعت نے درج ذیل صورتوں میں استنجاء کرنے کا حکم دیا ہے:

(الف) پیشاب

پیشاب چونکہ ایک ناپاک چیز ہے؛ (۴) اس لئے پیشاب کرنے کے بعد استنجاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" رأيت عمر بن الخطاب بال فمسح ذكره بالتراب ثم التفت إلينا، فقال : هكذا علمنا " (۵)

---

(۱) مسلم رقم الحديث :۲۶۱، باب خصال الفطرة

(۲) تفسير ابن كثير :۱/۲۸۷، تحت قوله تعالىٰ وإذا ابتلى إبراهيم ربه الخ

(۳) بدائع :۱/۱۸، فصل سنن الوضوء

(۴) در مع الشامي:۱/۱۳۴، سنن الوضوء

(۵) المعجم الأوسط رقم الحديث :۴۵۸۴، من اسمه عبدان

''میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے پیشاب کرنے کے بعد شرمگاہ کو مٹی سے پاک کیا، پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہم کو ایسا ہی معلوم ہے''

اس اثر کے ذیل میں علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ''**هكذا علمنا**'' صراحۃً اس بات کو بتاتا ہے کہ پیشاب کے بعد پتھر وغیرہ سے استنجاء کرنا سنت ہے۔(۱)

(ب) پاخانہ

پاخانہ بھی ایک ناپاک شئ ہے، جس سے پاکی حاصل کرنے کی تاکید مختلف احادیث میں آئی ہے؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ:

'' **إذا ذهب أحدكم إلى الغائط فليذهب معه بثلاثة أحجار يستطيب بهن ؛ فإنها تجزئ عنه** '' (۲)

''جب کوئی بیت الخلاء جائے تو تین پتھر ساتھ لے جایا کرے اور ان سے استنجاء کرے؛ کیوں کہ یہ استنجاء کے لئے کافی ہے''

آپ ﷺ کا بھی معمول تھا کہ جب قضاء حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو استنجاء کے واسطے کوئی چیز ضرور اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

'' **ابغني أحجارا استنفض بها** '' (۳)

''استنجاء کرنا ہے، چند پتھر تلاش کر کے لاؤ''

اور حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

'' **مرن أزواجكن أن يغسلوا أثر الغائط والبول فإن رسول**

---

(۱) إعلاء السنن :۳۰۱/۱،باب كون الاستنجاء سنة بالماء إذا طهر الخ

(۲) ابوداؤد رقم الحديث :۴۰،باب الاستنجاء بالحجارة

(۳) بخاری رقم الحديث :۳۸۶۰،باب ذكر الجن

الله ﷺ يفعله و أنا أستحييهم " (۱)

''اے عورتو! تم سب اپنے اپنے شوہروں کو بتلادو کہ پاخانہ وپیشاب سے فارغ ہونے کے بعد اس مقام کو دھولیا کریں، آپ ﷺ کا عمل بھی یہی تھا ، میں خود ان حضرات سے کہنے میں شرم محسوس کرتی ہوں''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ پاخانہ وپیشاب سے فراغت کے بعد استنجاء کرنا شرعاً مطلوب ہے۔

(ج) مذی

ایک لیس دار، پتلا اور سفید مادہ جو شہوت کے وقت نکلتا ہے، بسا اوقات اس کے نکلنے کا احساس بھی نہیں ہوتا، اور اس کے نکلنے کے بعد شہوت میں اور اضافہ ہوتا ہے، اسے مذی کہتے ہیں، (۲) یہ بھی ناپاک ہے، (۳) اگر یہ نکلے تو استنجاء کرنا ضروری ہوگا، چنانچہ نسائی کی ایک روایت میں ہے:

" أرسل علي بن أبي طالب المقداد إلى رسول الله ﷺ يسأله عن الرجل يجد المذى ، فقال رسول الله ﷺ : يغسل ذكره ثم ليتوضأ " (۴)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقداد رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں مذی کے بارے میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا ، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مذی نکلنے کے بعد اس مقام کو دھولے، اور اس کے بعد وضو کرلے (پاک ہوجائے گا)''

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه رقم الحدیث :۱۶۱۸،من كان يقول إذا خرج من الغائط فليستنج بالماء

(۲) شامی :۱/۱۶۵، باب سنن الغسل ، طحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۱۰۰،فصل عشرة أشياء لا يغتسل منها،

(۳) حوالہ سابق:۱/۱۵۵،باب الأنجاس والطهارة عنها

(۴) نسائی رقم الحدیث :۴۳۹،الاختلاف على بكير

(د) خون و پیپ

اگر سبیلین (پیشاب و پاخانہ کے راستے) سے پاخانہ و پیشاب کے علاوہ خون یا پیپ نکل جائے تو یہ بھی چونکہ ناپاک ہیں، اس لئے اس کے بعد بھی استنجاء کرنا ہوگا، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

" لو خرج من السبيلين دم أو قيح يطهر بالحجارة ونحوها "(۱)

''اگر سبیلین سے خون یا پیپ نکلے تو پتھر وغیرہ سے پونچھ دینے سے بھی پاکی حاصل ہو جائے گی''

(ہ) ودی و منی

پیشاب کے بعد اور کبھی کبھی پیشاب سے پہلے بھی گاڑھا اور مٹیلے رنگ کا مادہ نکلا کرتا ہے جس میں عموماً بو نہیں ہوتی ہے، اسے ودی کہتے ہیں (۲) اور جماع کے وقت جو سفید اور گاڑھا مادہ نکلتا ہے، جس کے بعد شہوت میں کمی آجاتی ہے، اس مادہ کے نکلتے وقت اس میں کھجور کے گابھے جیسی بو ہوتی ہے، اور خشک ہو جانے کے بعد اس میں انڈے جیسی بو ہوتی ہے، اسے منی کہتے ہیں، (۳) یہ دونوں بھی ناپاک ہیں؛ (۴) لہٰذا ان کے نکلنے کے بعد بھی استنجاء کرنے کا حکم ہے؛ چنانچہ علامہ عینیؒ شرح ہدایہ میں مبسوط کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

" استنجى من الغائط والبول والمذي والودي والمني والدم الخارج من السبيلين " (۵)

''سبیلین سے پیشاب نکلے یا پاخانہ، مذی و ودی نکلے یا منی و خون، ہر صورت میں استنجاء کرے''

---

(۱) عالمگیری: ۴۸/۱، الفصل الثالث في الاستنجاء

(۲) مراقی الفلاح مع حاشية طحطاوی، ص: ۱۰۱، عشرة أشياء لا يغتسل

(۳) مراقی وحاشية طحطاوی، ص: ۹۶، فصل ما يوجب الاغتسال

(۴) حاشية طحطاوی على مراقی الفلاح: ۱۵۵/۱، باب الأنجاس والطهارة عنها

(۵) بنايه: ۷۵۶/۱، ما يكون به الاستنجاء

(و) کیڑا وغیرہ

اگر آگے اور پیچھے کی شرمگاہ سے مذکورہ نجاست کے علاوہ کیڑا، کنکری یا بال وغیرہ نکلیں تو ان سب سے استنجاء کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ ساری چیزیں خشک ہوں، اور سبیلین پر بھی تری وغیرہ ظاہر نہ ہو تو استنجاء کرنا لازم نہیں ہے، اور اگر یہ سب تر ہوں اور تری محل پر بھی ظاہر ہوگئی ہو تو استنجاء کرنا ضروری ہوگا،(۱) علامہ شامیؒ نے بھی یہی تفصیل بیان کی ہے۔(۲)

(ز) خارجی نجاست

اگر پیشاب و پاخانہ کے راستے سے تو کوئی چیز نہیں نکلی؛ لیکن کوئی ناپاک شئ اس جگہ پر لگ گئی، مثلاً خون، یا پیپ لگ گیا، یا کوئی اور ناپاک چیز لگ گئی تو اس صورت میں بھی استنجاء کرنا ضروری ہوگا،(۳) تبیین میں ہے :

" لو أصاب موضع الاستنجاء نجاسة من الخارج يطهر بالاستنجاء بالحجارة أو نحوها " (۴)

’’اگر سبیلین پر خارج سے کوئی نجاست لگ جائے تو پتھر وغیرہ سے استنجاء کرنے سے محل پاک ہوجائے گا‘‘

بعض صورتوں میں استنجاء کا حکم

درج بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سبیلین سے نجاست نکلنے پر شریعت نے استنجاء کرنے کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شئی ناپاک نہ ہو اور وہ سبیلین سے نکلے تو استنجاء کرنا لازم نہ ہوگا، مثلاً:

ریح: اس کا خارج ہونا اگرچہ ناقض وضوء ہے؛ لیکن وہ ناپاک نہیں ہے(۵)؛ لہٰذا ریح کے خارج ہونے پر استنجاء کرنا نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں؛ بلکہ ممنوع بھی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) موسوعه فقهيه :۱۱۶/۴،الخارج غير المعتاد

(۲) شامی :۳۳۵/۱،فصل في الاستنجاء

(۳) مراقی الفلاح ،ص:۲۴،فصل في الاستنجاء

(۴) تبيين الحقائق :۷۷/۱،الاستنجاء

(۵) شامی :۱۳۶/۱،سنن الوضوء

'' من استنجی من الریح فلیس منا '' (۱)

''جوریح کے خارج ہونے کے بعد استنجاء کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے''

اسی لئے فقہاء نے بھی اس عمل کو بدعت قرار دیا ہے، (۲) اسی طرح سو کر اٹھنے یا پچھنا لگانے کے بعد بھی استنجاء کرنا درست نہیں ہے، علماء نے اس کو بدعت کہا ہے۔ (۳)

استنجاء کن چیزوں سے کیا جائے؟

استنجاء کے لئے جن چیزوں کا استعمال کرنا جائز ہے اسے بھی شریعت نے متعین کر دیا ہے، ذیل میں ہم ان چیزوں کی تفصیلات پیش کریں گے:

(الف) پانی

پانی کائنات کی عظیم ترین نعمت ہے، یہ ہر گندی چیز کو پاک کر دیتی ہے اور اس سے طہارت کے ساتھ نظافت و پاکیزگی بھی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اس امر کے باوجود کہ ملک عرب میں پانی کی قلت تھی، اور ہر جگہ پانی دستیاب نہیں تھا، آپ ﷺ نے اس کا استعمال فرمایا ہے؛ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'' کان رسول اللہ ﷺ یدخل الخلاء فأحمل أنا وغلام إداوة من ماء وعنزة یستنجی بالماء '' (۴)

''جب آپ ﷺ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو ہم اور ایک انصاری لڑکا پانی اور چھڑی لے لیتے تھے، اور آپ ﷺ پانی سے استنجاء کرتے تھے''

علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :

'' والحدیث یدل علی ثبوت الاستنجاء بالماء '' (۵)

''اس حدیث سے پانی سے استنجاء کرنے کا ثبوت ملتا ہے''

(۱) الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:۵/۵۵،ترجمہ شرقی بن قطامی
(۲) مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی،ص:۴۴،فصل فی الاستنجاء
(۳) حوالہ سابق
(۴) بخاری رقم الحدیث :۱۵۲،باب حمل العنزة مع الماء
(۵) نیل الأوطار:۱/۱۲۹،باب الاستنجاء بالماء

(ب) سیال چیزیں

سیال چیزوں سے بھی استنجاء کرنا درست ہے، بشرطیکہ اس میں چکناہٹ اور چپچپاہٹ نہ ہو، چنانچہ تیل اور دودھ میں چونکہ چکناہٹ اور چپچپاہٹ ہوتی ہے، جس سے نجاست کے اثرات ختم ہونے کے بجائے اس کے مزید پھیل جانے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے ان سے استنجاء کرنا درست نہ ہوگا، ہاں جن رقیق اور سیال چیزوں میں چکناہٹ اور چپچپاہٹ نہ ہو، مثلاً سرکہ اور گلاب کا پانی وغیرہ تو ان سے استنجاء کیا جاسکتا ہے؛ (۱) لیکن علامہ ابن عابدین نے حلیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس صورت میں چونکہ اضاعت مال لازم آتا ہے جو شرعاً مکروہ ہے؛ لہٰذا بلاضرورت سیال چیزوں سے استنجاء نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (۲)

(ج) پتھر

استنجاء کے لئے استعمال کی جانے والی اشیاء میں سے ایک پتھر بھی ہے، اہل عرب عام طور پر استنجاء کے لئے اسی کا استعمال کرتے تھے؛ کیوں کہ یہ انھیں ہر جگہ بلاتکلف مل جاتا تھا، اوراس کے حاصل کرنے میں پانی کی طرح دشواری نہیں ہوتی تھی؛ اس لئے اکثر احادیث میں پتھر کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ:

"أن رسول الله ﷺ قال إذا ذهب أحدكم إلى الغائط فليذهب معه بثلاثة أحجار يستطيب بهن فإنها تجزئ عنه " (۳)

''نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تم میں سے کوئی جب قضاء حاجت کے لئے جائے تو تین پتھر اپنے ساتھ لے جائے اور ان سے طہارت حاصل کرے؛ کیوں کہ اس سے عام طور پر طہارت حاصل ہوجاتی ہے''

ایک اورحدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

---

(۱) بحر :۲۳۳/۱، باب الأنجاس
(۲) شامی:۳۰۹/۱، باب الأنجاس
(۳) ابوداؤد رقم الحديث :۴۰، باب الاستنجاء بالحجارة

" من استجمر فليوتر من فعل فقد أحسن ومن لا فلا حرج " (۱)

''جو بغرض استنجاء پتھر استعمال کرنا چاہے تو طاق عدد کی رعایت کرے، اور جس سے طاق عدد کی رعایت نہ ہو سکے تو اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہے''

احادیث کی روشنی میں جمہور علماء کا کہنا ہے کہ استنجاء کے لئے پتھر کا استعمال کرنا درست ہے، اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(د) پتھر کے علاوہ دیگر ٹھوس چیزیں

پتھر کے علاوہ دیگر جامد اور ٹھوس اشیاء کو بغرض استنجاء استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں امام احمدؒ سے ایک روایت ہے کہ احادیث میں ٹھوس اشیاء کے قبیل سے صرف پتھر کا ذکر ہے، کسی دوسری ٹھوس چیز کا حدیث پاک میں ذکر نہیں ہے؛ اس لئے پتھر کے علاوہ کسی دوسری ٹھوس چیز کو بغرض استنجاء استعمال کرنا درست نہ ہوگا، نیز وہ فرماتے ہیں کہ استنجاء کے واسطے ٹھوس چیز کا استعمال کرنا گویا ایک قسم کی رخصت ہے، اور اس کے لئے پتھر کی تعیین کر دی گئی ہے؛ لہٰذا اسی پر اکتفاء کرنا ضروری ہوگا، اسی کو امام ابوبکرؒ نے بھی اختیار کیا ہے اور داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے؛ (۲) لیکن جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ پتھر کے علاوہ دیگر ٹھوس چیزوں سے بھی استنجاء کرنا جائز ہے، احادیث میں بھی کچھ ایسے قرائن ہیں جن سے پتھر کے علاوہ دیگر ٹھوس اور جامد اشیاء سے استنجاء کرنے کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً: ایک مرتبہ جب آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ استنجاء کن چیزوں سے کیا جائے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" بثلاثة أحجار ليس فيها رجيع "(۳)

''تین پتھر کو استعمال کرو، اس میں گوبر نہ ہو''

اس حدیث میں آپ ﷺ نے صرف '' رجیع '' (گوبر) کا استثناء فرمایا ہے، اگر

---

(۱) أبو داؤد رقم الحديث :۳۵، باب الاستتار في الخلاء

(۲) المغني لابن قدامة : ۱/۱۱۵، مسألة الاستنجاء بالخشب

(۳) أبوداؤد رقم الحديث :۴۱، باب الاستنجاء بالحجارة

''احجار'' کا مقصود پتھر اور اس کے مثل دیگر ٹھوس چیزیں نہ ہوتیں تو یہ کہنے کی کوئی حاجت نہ تھی کہ ''گوبر نہ ہو'' نیز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب ان سے بطور اعتراض کفار و مشرکین نے کہا کہ تمہارے یہ نبی کیسے ہیں کہ وہ قضاء حاجت کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں؛ حالاں کہ یہ چیزیں گھن والی ہیں اور طبیعت کو ان کے ذکر سے کراہت ہوتی ہے، مجلسوں میں ان کا تذکرہ کسی طرح مناسب نہیں، تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کے اعتراض سے مرعوب ہونے کے بجائے اس سلسلے میں دی گئی ہدایت کو نہایت پر اعتماد لہجے میں بتانا شروع فرمادیا:

'' أجل ، لقد نهانا أن نستقبل القبلة لغائط أو بول أو أن نستنجي باليمين أو أن نستنجي بأقل من ثلثة أحجار أو أن نستنجي برجيع أو عظم '' (۱)

''بالکل صحیح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو قضاء حاجت کے وقت قبلہ رو ہونے سے منع فرمایا، دائیں ہاتھ اور تین پتھر سے کم استعمال کرنے سے منع فرمایا، اور گوبر و ہڈی سے بھی استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے''

اس حدیث میں بھی بغرض استنجاء پتھر کے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے؛ لیکن ساتھ ہی گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع کیا گیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں صرف پتھر ہی مراد نہیں ہے؛ بلکہ پتھر کے علاوہ جو بھی جامد اور ٹھوس چیزیں ہوں ان کا استعمال بغرض استنجاء شرائط (۲) کے ساتھ درست ہے (۳) صاحب ہدایہ رقمطراز ہیں:

'' والاستنجاء سنة ويجوز فيه الحجر وما قام مقامه '' (۴)

''استنجاء کرنا سنت ہے، اس کے لئے پتھر اور اس کے مثل دوسری چیزیں بھی استعمال کرنا جائز ہے''

اور علامہ عینی رحمہ اللہ مبسوط شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

(۱) مسلم رقم الحديث :۲۶۲،باب الاستطابة

(۲) یہ شرائط بعد میں مفصل آرہی ہیں۔

(۳) المغني لابن قدامة : ۱/۱۱۵،مسألة الاستنجاء بالخشب

(۴) هدايه :۱/۳۸،فصل في الاستنجاء

"والاستنجاء بالحجر أو ما يقوم مقامه كالأعيان الظاهرة والعود والخرقة سنة" (۱)

"استنجاء کرنا پتھر یا اس کے ہم مثل پاک اشیاء مثلاً لکڑی اور (غیر استعمالی) کپڑے سے سنت ہے"

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ پتھر کے علاوہ دیگر ٹھوس چیزوں سے بھی استنجاء کرنا جائز ہے۔

ٹھوس چیزوں کے شرائط

لیکن پتھر کے علاوہ دیگر ٹھوس چیزوں کو بغرض استنجاء استعمال کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے، فقہاء نے پانچ شرطیں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱) وہ شئی خشک اور ٹھوس ہو، کیونکہ استنجاء کا مقصد ہے نجاست کا ازالہ، اور جب استنجاء کے لئے استعمال کی جانے والی شئی تر ہوگی یا ٹھوس نہ ہوگی تو اس کے استعمال سے نجاست مزید پھیل جائے گی، ازالہ نہ ہو سکے گا، اس لئے صاحب بحر نے لکھا ہے کہ تر اشیاء سے استنجاء درست نہیں ہے۔(۲)

۲) پاک ہو، نجس نہ ہو، کیونکہ اگر وہ شی ناپاک ہوگی تو محل کو مزید ناپاک کردے گی، خصوصاً جبکہ وہ تر ہو، اور اگر وہ تر نہ ہو تو اس کے استعمال سے محل اگرچہ ناپاک نہ ہوگا تاہم ناپاک شئی کو بلا ضرورت استعمال کرنا لازم آئے گا جو ممنوع ہے، صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"السنة هو الاستنجاء بالأشياء الطاهرة" (۳)

"پاک اشیاء کے ذریعہ استنجاء کرنا سنت ہے"

یہی وجہ ہے کہ صاحب فتح القدیر نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جس پتھر

---

(۱) البناية شرح الهداية :۷۴۸/۱،حكم الاستنجاء

(۲) شامی :۳۴۰/۱،فصل في الاستنجاء

(۳) بدائع :۱۸/۱،فصل في سنن الوضوء

سے ایک بار استنجاء کرلیا گیا ہو، پھر اسے دوسری بار استنجاء کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے،(۱) حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے،(۲) نیز لید اور گوبر سے بھی استنجاء کرنا اسی بنیاد پر مکروہ ہے۔(۳)

۳) اس شئ میں نجاست دور کرنے کی صلاحیت ہو، مثلا وہ چکنی لکڑی وغیرہ نہ ہو؛ کیوں کہ اس کی چکناہٹ کی وجہ سے نجاست دور نہ ہو سکے گی، (۴) اور جامع الجوامع سے علامہ ابراہیم حلبی نے نقل کیا ہے کہ بغرض استنجاء بانس کی لکڑی کے استعمال سے بواسیر پیدا ہونے کا خوف ہے، (۵) یہی حکم پالش شدہ پتھر (جس میں کھردرا پن بالکل نہ ہو) کا ہے؛ کیونکہ اس سے بھی نجاست دور نہیں ہو پائے گی؛ بلکہ محل کو مزید گندہ کردے گا، کوئلہ کا بھی یہی حکم ہے (۶) علامہ بغویؒ کوئلہ سے استنجاء کرنے کے ناجائز ہونے کی وجہ تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" النهي عن الاستنجاء بالفحم لأنه رخو يتفتت إذا ناله غمز ويتعلق بالمحل ولا يقلع الأذى " (۷)

" کوئلہ سے استنجاء کرنا اس لئے ممنوع ہے کہ وہ نرم ہونے کی وجہ سے انگلی سے دباتے ہی چورا چورا ہو جاتا ہے، محل نجاست سے چمٹ جاتا ہے، اور گندگی کو دور نہیں کرتا"

علامہ حلبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۱) فتح القدير:۲۱۶/۱،فصل في الاستنجاء

(۲) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۱۶۵۳،۱۶۵۴،باب ما كره أن يستنجى به ولم يرخص فيه

(۳) هدايه :۳۹/۱،فصل في الاستنجاء

(۴) موسوعه فقهية:۱۲۲/۴،ما يستجمر به

(۵) غنية المتملى ص:۳۹،مطلب استقبال القبلة عند الاستنجاء مكروه كراهة تحريم

(۶) حوالہ سابق

(۷) شرح السنة:۳۶۶/۱،باب أدب الخلاء

''درخت کے پتوں سے بھی استنجاء نہ کرے؛ کیوں کہ اس میں بھی چکناہٹ ہوتی ہے''(۱)

۴) ضرر رساں نہ ہوں، مثلاً: نوکدار ٹھیکرے، یا پکی ہوئی اینٹ جس کے نوک نکلے ہوئے ہوں یا شیشہ وغیرہ، کہ یہ ساری چیزیں محل کو زخمی کردیں گی، اس لئے ان کا استعمال کرنا بھی بغرض استنجاء درست نہ ہوگا، (۲) اسی حکم میں دھاردار اشیاء، مثلا: چاقو وغیرہ ہے۔(۳)

۵) قابل احترام نہ ہو؛ کیوں کہ قابل احترام چیز کو بلا وجہ ناپاکی سے ملوث کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

شئ کے محترم ہونے کے اسباب

کسی شئے کا محترم ہونا اور قابل تعظیم ہونا تین اسباب سے ہوا کرتا ہے،

(الف): وہ شی غذا کے قبیل سے ہو، کسی شئ کا غذا کے جنس سے ہونا اس کے قابل احترام ہونے کی علامت ہے؛ کیوں کہ غذا کے جنس کی کسی بھی چیز سے استنجاء کرنے سے اس کا ضیاع لازم آئے گا، (۴) اور اس کی اہانت ہوگی (۵) علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جب پیالہ وغیرہ کاغذ پر رکھنا ناپسند اور مکروہ خیال کیا جاتا ہے تو غذائی اشیاء کا بغرض استنجاء استعمال کرنا بدرجہ اولی مکروہ ہوگا (۶) اسی لئے آپ ﷺ نے ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے سے منع کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ جناتوں کی غذا ہے، چنانچہ ترمذی کی روایت ہے:

''لاتستنجوا بالروث ولا بالعظام فإنه زاد إخوانكم من الجن''(۷)

---

(۱) غنية المتملى، ص:۳۹، مطلب استقبال القبلة عند الاستنجاء مكروه كراهة تحريم

(۲) حوالہ سابق

(۳) موسوعه فقهية:۱۲۲/۴، ما يستجمر به

(۴) ہدایہ:۳۹/۱، فصل في الاستنجاء

(۵) مراقى الفلاح مع حاشية طحطاوى، ص:۵۵، فصل فيما يجوز به الاستنجاء

(۶) فتح القدیر ۲۱۶/۱، فصل في الاستنجاء

(۷) ترمذى رقم الحديث :۱۸، باب كراهية ما يستنجى به

”گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کیا کرو؛ کیونکہ یہ تمہارے بھائی جنات کی غذا ہیں“

علامہ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ حدیث مذکور کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وإذا نهي عن الاستنجاء بزاد الجن فزاد الإنس أولى بالنهي “(١)

”جب جنات کی غذا سے استنجاء کرنا ممنوع ہے تو انسان کی غذا سے استنجاء کرنا بدرجۂ اولی ممنوع ہوگا“

یہی حکم جانوروں کی خوراک کا بھی ہے کہ اس سے استنجاء کرنا درست نہیں ہے (٢)؛ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ مینگنی اور گوبر سے استنجاء نہ کیا کرو، کیونکہ یہ جنات کے چوپایوں کی خوراک ہے۔ (٣)

(ب): وہ شی بذات خود قیمتی ہو یا کسی محترم چیز کے لئے بطور آلہ استعمال ہوتی ہو، مثلاً کاغذ کہ وہ آلۂ علم ہے، اور علم کا محترم ہونا ظاہر ہے؛ اس لئے استنجاء کے لئے کاغذ کا استعمال کرنا بھی درست نہ ہوگا، اسی طرح ریشم کا کپڑا یا دیگر قیمتی اشیاء کہ ان کا بھی بغرض استنجاء استعمال کرنا درست نہ ہوگا، علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”إن كان للمزال به حرمة أو قيمة كره كقرطاس وخرقة وقطنة الخ “(٤)

”جس چیز کو استنجاء کی غرض سے استعمال کیا جارہا ہو اگر وہ محترم اور قیمتی شیٔ ہو مثلاً کاغذ، کپڑے کا قیمتی ٹکڑا اور روئی وغیرہ تو مکروہ ہے“

غنیۃ وغیرہ میں یہ بھی ہے کہ اس سے فقر کا اندیشہ ہے (٥) البتہ اگر پھٹا پرانا ناقابل

(١) غنية المتملی ص:٣٩،مطلب استقبال القبلة عند الاستنجاء مكروه كراهة تحريم
(٢) مراقی الفلاح ص:٥٠،فصل فيما يجوز به الاستنجاء
(٣) ترمذی رقم الحديث :٣٢٨،باب ومن سورة الأحقاف
(٤) فتح القدير :٢١٢/١،فصل في الاستنجاء
(٥) غنية المتملی ص:٣٩،مطلب استقبال القبلة عند الاستنجاء مكروه كراهة تحريم و مراقی الفلاح ص:٥٠،فصل فيما يجوز به الاستنجاء

استعمال ٹکڑا ہو، یا غیر کارآمد روئی ہو تو اس سے استنجاء کرنا درست ہے(١) یہی حکم اس کاغذ کا بھی ہے جو خاص اسی مقصد کے لئے تیار کئے جاتے ہیں اور اس قابل نہیں کہ ان پر لکھا جائے تو اس کے استعمال میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔(٢)

(ج): وہ شئ ایسی ہو کہ اس سے کسی دوسرے کا حق متعلق ہو، اس سے بھی شئ قابل احترام ہو جاتی ہے، مثلاً کسی دوسرے کا پانی یا پتھر وغیرہ رکھا ہوا ہو، تو مالک کی اجازت کے بغیر اس کا استعمال کرنا درست نہ ہوگا۔(٣)

ممنوع اشیاء سے استنجاء

جن چیزوں سے استنجاء کرنا شرعاً ممنوع ہے، اگر ان چیزوں سے کوئی استنجاء کرلے تو اس سے پاکی حاصل ہوگی یا نہیں؟ فقہاء احناف کے یہاں چونکہ اصل مقصود محل کی صفائی ہے، لہذا اگر ان چیزوں کے استعمال سے نجاست زائل ہو جاتی ہے، اور محل صاف ہو جاتا ہے تو استنجاء معتبر مانا جائے گا، اگر چہ گنہگار رہوگا، چنانچہ علامہ حلبیؒ ممنوع اشیاء کی تفصیل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"لو استنجى بهذه الأشياء يكره ولكن يجزيه لأن المعتبر الإنقاء وقد حصل "(٤)

"ممنوع اشیاء سے استنجاء کرنا تو مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی ان چیزوں سے کرلے تو استنجاء ہو جائے گا، کیونکہ استنجاء کا مقصد تو محل کی صفائی ہے اور یہ ان اشیاء سے بھی حاصل ہو جاتی ہے"

علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے(٥) پتھر کے علاوہ دیگر ٹھوس اور جامد اشیاء کا استعمال استنجاء کے واسطے جن شرائط کے ساتھ جائز ہے، اسکی تعبیر نہایت مختصر الفاظ میں شرح نقایہ میں یوں ہے:

---

(١) شامی:١/٣٤٠، فصل في الاستنجاء
(٢) جدید فقہی مسائل:١/٨٦، پاکی وناپاکی
(٣) غنية المتملى ،ص:٣٩، مطلب استقبال القبلة عند الاستنجاء مكروه كراهة تحريم
(٤) غنية المتملى ،ص:٣٩، مطلب استقبال القبلة عند الاستنجاء مكروه كراهة تحريم
(٥) بنایہ١/٧٥٩، الاستنجاء بالعظم والروث

"یجوز الاستنجاء بکل جامد طاهر منق قلاع للأثر غير موذ
ليس بذی حرمة ولا شرف ولا يتعلق به حق الغير "(۱)

''استنجاء کرنا ہر ایسی ٹھوس اور پاک شئی سے جائز ہے، جس سے محل کی صفائی ہوجائے، نجاست کے اثر کو دور کردینے والی ہو، ضرر رساں نہ ہو، محترم اور قابل تعظیم نہ ہو، اوراس سے غیر کا حق بھی متعلق نہ ہو''

حدیث میں صرف پتھر کا ذکر کیوں؟

ان تصریحات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوچکی کہ پتھر اوراس کے قائم مقام دیگر ٹھوس چیزوں سے بھی بعض شرائط کے ساتھ استنجاء کرنا درست ہے، لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر عام طور پر احادیث میں صراحت کے ساتھ صرف پتھر ہی کا ذکر کیوں ہے؟ اور دوسری چیزوں سے خاموشی کیوں برتی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ان الفاظ میں دیا ہے :

''لعل ذكر الأحجار جرى لغلبتها والقدرة عليها فی عامة الأماكن ''(۲)

''حدیث میں صرف پتھر کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ اس دیار میں پتھر کی کثرت تھی، اور عام جگہوں پر بلا تکلف دستیاب ہوجاتا تھا''

کتنے پتھروں کا استعمال کیا جائے؟

استنجاء کے لئے جو پتھر استعمال کیا جاتا ہے، اس کی غرض محل کی صفائی ہوتی ہے؛ لہٰذا جتنے پتھر سے صفائی ہوجائے کافی ہے، اس میں کوئی متعین عدد کی شرط نہیں ہے، اور نہ ہی وتر یعنی طاق عدد کی رعایت ضروری ہے۔ البتہ طاق عدد کی رعایت کرنا افضل وبہتر ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''من استجمر فليوتر من فعل فقد أحسن ومن لا فلا حرج ''(۳)

---

(۱) فتح الملهم :۳۱۵/۱،باب الاستطابة
(۲) حوالہ سابق
(۳) أبو داؤد رقم الحديث :۳۵،باب الاستتار في الخلاء

''جو پتھر کا استعمال بغرض استنجاء کرے اسے چاہئے کہ طاق عدد کی رعایت کرے، ایسا کرنے والا ایک بہتر کام کرنے والا ہوگا، اور جو نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہے''

اسی حدیث کے پیش نظر علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر طاق عدد پتھر کے استعمال سے پہلے ہی محل کی صفائی ہوجائے تو بھی استنجاء کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ طاق عدد پتھر کا استعمال کرے(۱) اور چونکہ عموماً تین پتھر کے استعمال کرنے سے محل صاف ہوجایا کرتا ہے؛ لہٰذا اس عمومی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے حدیث میں تین پتھر سے کم استعمال کرنے کو منع کیا گیا ہے۔(۲)

تین پتھر کی تعیین میں حکمت

اس تعلق سے حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''استنجاء کے لئے تین ڈھیلے اس لئے مقرر فرمائے کہ صفائی کے لئے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری تھا، ورنہ وہمی آدمی سارا سارا دن استنجاء ہی کرنے میں گذار دیتا، باوجود اس قدر تاکید کے بعض وہمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی استنجاء کے لئے ڈھیلوں کا ڈھیر لگا لیتے ہیں، اور پانی کے کئی کئی مٹکے خالی کردیتے ہیں، اور تین سے کم ڈھیلوں میں بخوبی صفائی اور پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی، اور تین میں صفائی ہوجاتی ہے، اور تین سے زیادہ میں تضیع اوقات اور وہم کا بڑھانا ہے''(۳)

عورت کے لئے پتھر کا استعمال

پاخانہ سے فراغت کے بعد عورتوں کے لئے پتھر سے استنجاء کرنے پر اکتفاء کرنا تو بالاتفاق جائز ہے؛(۴) البتہ پیشاب سے فراغت کے بعد ان کے لئے صرف پتھر کا استنجاء کی

(۱) البحر الرائق:۲۳۵/۱،الاستنجاء بحجر منق
(۲) فتح الملهم :۳۱۵/۱،باب الاستطابة
(۳) المصالح العقلية ،ص:۶۲،تین ڈھیلوں سے امر استنجاء کی وجہ
(۴) موسوعة فقهية:۱۲۲/۴،ما يستجمر به

غرض سے استعمال کرنے کی صراحت مجھے کتب احناف میں نہ مل سکی، مگر استنجاء کے باب میں احناف کا جو ضابطہ ہے کہ اگر نجاست اپنے مخرج ہی تک محدود ہو تو استنجاء کرنا سنت ہے، اور اگر مخرج سے تجاوز کر جائے تو پانی سے استنجاء کرنا واجب ہو جائے گا، (۱) اس ضابطہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر پیشاب مخرج سے تجاوز نہ کیا ہو، جیسا کہ عام طور پر ایسا کنواری لڑکیوں میں ہوا کرتا ہے تو اس کے لئے صرف پتھر کا استعمال کرنا درست ہے، اور اگر پیشاب مخرج سے تجاوز کر کے نچلے حصہ کو بھی ملوث کر دے تو صرف پتھر کا استعمال کرنا کافی نہ ہوگا، بلکہ پتھر کے ساتھ پانی کا استعمال کرنا بھی ضروری ہوگا۔ غرض شوہر دیدہ عورتوں کے لئے استنجاء میں پتھروں کے استعمال پر اکتفا کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ مالکیہ کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے۔ (۲)

پتھر سے محل استنجاء پاک ہو جاتا ہے؟

ایک بات یہ رہ جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص استنجاء کرنے میں صرف پتھر پر اکتفاء کرے، اور پانی کا استعمال نہ کرے تو کیا اس سے محل استنجاء پاک ہو جائے گا؟ علامہ ابن نجیمؒ نے اس سلسلے میں صاحب تبیین کے حوالے سے لکھا ہے :

''زیلعی کی عبارت سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پتھر سے استنجاء کرنے میں محل پاک نہیں ہوتا ہے'' (۳)

مطلب یہ ہے کہ محل تو ناپاک ہی رہتا ہے، البتہ مشقت کی وجہ سے معاف قرار دے دیا گیا ہے (۴) یہی وجہ ہے کہ اگر یہ شخص تھوڑے پانی (ماء قلیل) میں بیٹھ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا (۵) لیکن احناف کا صحیح مذہب یہ ہے کہ صرف پتھر کے استعمال سے بھی محل استنجاء پاک ہو جاتا ہے، اور اس پر دار قطنی کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے، جس میں یہ ذکر ہے:

(۱) طحطاوی علی المراقی ،ص:۴۳،فصل في الاستنجاء
(۲) موسوعة فقهية:۱۲۲/۴،ما يستجمر به
(۳) البحر الرائق :۲۵۴/۱،الاستنجاء بحجر منق
(۴) موسوعة :۱۲۰/۴،الاستجمار هل هو مطهر للمحل
(۵) فتح القدير :۲۰۲/۱،باب الاستنجاء وتطهيرها

”نھی رسول اللہ ﷺ أن یستنجی بروث أوعظم وقال إنھما لا تطھران “(۱)

”نبی کریم ﷺ نے گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرمایا ہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ ان دونوں میں محل استنجاء کے پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی“

یہ جملہ ”**إنھما لا تطھران** “اس پر دلیل ہے کہ اس کے علاوہ جن پاک اور مباح چیزوں کا استعمال بغرض استنجاء کیا جائے گا تو اس سے محل پاک ہو جائے گا، ورنہ اس علت کے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، اس کے علاوہ اس مسئلہ کو اس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے کہ جوتا جب ناپاک ہو جائے اور اسے مٹی سے پونچھ دیا جائے تو اسے پاک قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح نجس زمین اگر خشک ہو جائے تو اس پر پاکی کا حکم لگا دیا جاتا ہے، کپڑے میں لگی ہوئی منی کو اگر کھرچ دیا جائے، حالانکہ کھرچ دیے جانے کے باوجود منی کے کچھ نہ کچھ اجزاء کپڑے پر باقی رہ جاتے ہیں، لیکن شریعت اسے پاک قرار دیتی ہے، اور اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اسی طرح متاخرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر پسینہ سے محل استنجاء (جسے صرف پتھر سے صاف کیا گیا ہو) تر ہو جائے، اور وہ پسینہ کپڑوں سے لگ جائے تو بھی کپڑا ناپاک نہ ہوگا، خواہ پسینہ کی مقدار درہم کے بقدر یا اس سے زائد ہی کیوں نہ ہو، اور جہاں تک بات ہے ”ماءِ قلیل“ کا اس محل سے متصل ہو جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جانا تو یہ متفق علیہ قول نہیں ہے۔ جو حضرات صرف پتھر کے استعمال کے بعد محل استنجاء کو پاک قرار دیتے ہیں ان کے یہاں ماءِ قلیل ناپاک نہ ہوگا، علامہ ابن ہمامؒ نے اسی کو احناف کا مختار مذہب قرار دیا ہے۔(۲)

استنجاء کا افضل طریقہ

استنجاء خواہ پیشاب سے فراغت کے بعد کرنا ہو یا پاخانہ کر چکنے کے بعد، اس کا افضل

(۱) سنن دار قطنی رقم الحدیث :۱۵۲، باب الاستنجاء
(۲) فتح القدیر :۲۰۲/۱، باب الأنجاس وتطھیرھا

طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے پتھر اور پانی دونوں استعمال کرے، پتھر کے استعمال سے تو عین نجاست دور ہوگی ، اور پانی کے استعمال سے نجاست کے اثرات بھی پورے طور پر زائل ہوجائیں گے؛(۱) اس لئے علامہ قسطلانی نے یہ تصریح کی ہے :

"والذی اتفق علیه جمهور السلف والخلف أن الجمع بين الماء والحجر أفضل "(۲)

''سلف وخلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پانی اور پتھر دونوں سے استنجاء کرنا افضل ہے''

اور علامہ عینی رحمہ اللہ شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"الغسل بالماء بعد استعمال الحجر أو المدر أدب"(۳)

''پتھر یا ڈھیلا کے استعمال کے بعد محل استنجاء کو پانی سے دھونا ادب میں داخل ہے''

اور اگر پانی و پتھر دونوں دستیاب ہوں ، اور کوئی ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا چاہے تو پانی پر اکتفاء کرے، کیونکہ پتھر سے صرف عین نجاست کا ازالہ ہوتا ہے، جبکہ پانی سے عین اور اس کے اثرات دونوں زائل ہوجاتے ہیں، اس لئے اس کا استعمال کرنا بہتر ہوگا ، اور اگر پانی کو نہ استعمال کر کے صرف پتھر کا استعمال کرلے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن خلاف افضل ہے علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الجمع أفضل ثم الماء ثم غيره " (۴)

پانی و پتھر دونوں سے استنجاء کرنا افضل ہے، پھر صرف پانی کا استعمال کرنا، اس کے بعد پھر کسی اور چیز سے استنجاء کرنے کا درجہ ہے۔

---

(۱) فتح الملهم :۳۲۱/۱،باب النهي عن الاستنجاء باليمين
(۲) حوالہ سابق
(۳) بنايه :۷۵۶/۱،ما يكون به الاستنجاء
(۴) فتح القدير:۲۱۵/۱،فصل في الاستنجاء

حضور ﷺ کا عمل

آپ ﷺ سے مذکورہ تینوں طریقے ثابت ہیں، آپ ﷺ کبھی صرف پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے، کبھی صرف پتھر سے، اور کبھی پانی اور پتھر دونوں استنجاء کے لئے استعمال کیا کرتے، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"وكان يستنجي بالماء ويستجمر بالأحجار تارة ويجمع بينهما تارة "(۱)

"استنجاء کے لئے کبھی آپ ﷺ صرف پانی کا استعمال کرتے تھے، اور کبھی صرف پتھر کا، اور کبھی پانی اور پتھر دونوں کا استعمال فرماتے تھے"

آج کل پتھر کے ساتھ پانی کا استعمال سنت ہے

پتھر سے استنجاء کر لینے کے بعد پانی کے استعمال کو جو افضل اور ادب قرار دیا گیا ہے وہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ کے اعتبار سے ہے کہ وہ حضرات سادہ کھانا کھاتے تھے، کھجور، روٹی اور کبھی کبھی فاقے اور کبھی پتوں کو چبا کر گذارا کر لیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے مینگنی کی طرح ان کا پاخانہ ہوا کرتا تھا، اور نجاست ادھر ادھر نہیں لگتی تھی۔ اسی لئے ان کے حق میں پتھر کے استعمال کے بعد پانی سے استنجاء کرنا ادب قرار دیا گیا ہے، مگر آج کل جبکہ غذا میں تنوع ہو گیا، مرغن چیزوں کی کثرت ہوگئی ہے تو مینگنی کی طرح پاخانہ ہونے کے بجائے پتلا ہونے لگا؛ لہٰذا آج کل پتھر کے استعمال کے بعد پانی کا استعمال کرنا ادب نہیں بلکہ سنت ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال مشائخنا إنما كان ذلک أدبا في الزمان الأول وأما في زماننا سنة "(۲)

"ہمارے مشائخ کا کہنا ہے کہ پتھر کے ساتھ پانی کا استعمال کرنا صحابہ ﷺ کے زمانہ میں ادب میں داخل تھا، ہمارے زمانہ میں تو پتھر کے ساتھ پانی کا استعمال کرنا سنت ہے"

(۱) زاد المعاد: ۱/۱۶۴، فصل في هديه ﷺ عند قضاء الحاجة
(۲) البناية: ۱/۷۴۸، حكم الاستنجاء

حسن بصری رحمہ اللہ نے جب اپنے زمانہ میں استنجاء کے لئے پانی کے استعمال پر زور دیا، تو بعض حضرات نے حضور ﷺ وصحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کو پیش کر کے اعتراض کیا، تو حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"إنهم يبعثرون بعرا وأنتم تثلطون" (۱)

''وہ حضرات مینگنی کی طرح پاخانہ کرتے تھے، اور تم لوگ پتلا پاخانہ کرتے ہو''

پانی اور پتھر میں ترتیب

جب استنجاء کے لئے پانی اور پتھر دونوں کو استعمال کرنا ہو تو پہلے پتھر سے استنجاء کرے، اس کے بعد پانی استعمال کرے، چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

"الغسل بالماء بعد استعمال الحجر أو المدر أدب" (۲)

''پتھر یا ڈلا استعمال کرنے کے بعد پانی سے دھونا ادب میں داخل ہے''

پتھر اور دیگر ٹھوس چیزوں میں ترتیب

استنجاء کے لئے پتھر، ڈھیلا، اور دیگر جامد چیزیں موجود ہوں تو مٹی کے ڈلے کو دیگر چیزوں پر ترجیح حاصل ہے، اس کے بعد پتھر کو، یہ بھی نہ ہو تب کسی دوسری جامد چیز کا استعمال کرے، چنانچہ صاحب کفایہ لکھتے ہیں :

"ويستنجى بثلاثة أمدار فإن لم يجد فبالأحجار فإن لم يجد فبثلاثة أكف من تراب "(۳)

''تین ڈھیلوں سے استنجاء کرے، اگر ڈھیلا نہ ملے تو پتھروں کو استعمال کرے، اگر وہ بھی نہ مل سکے تو تین لپ ریت لے کر استنجاء کر لے''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"الاستنجاء بثلثة أحجار وبالتراب إذالم يجد حجرا "(۴)

---

(۱) حوالہ سابق (۲) بناية :۱/۷۵۶،ما يكون به الاستنجاء

(۳) شامی :۱/۳۴۱،فصل الاستنجاء

(۴) سنن كبرى للبيهقى رقم الحديث :۵۸۱،باب ما ورد في النهي عن الاستنجاء بشيء الخ

''استنجاء تین پتھروں سے کیا جائے، پتھر نہ ملے تو مٹی سے کیا جائے''

اس حدیث سے بھی پتھر اور مٹی میں ترتیب ثابت ہورہی ہے۔

پانی سے کتنی بار استنجاء کرے ؟

پتھر کے استعمال کرنے میں جس طرح طاق عدد کی رعایت کرنا احناف کے یہاں مستحب ہے، کیا اسی طرح پانی سے استنجاء کرتے وقت کوئی خاص تعداد متعین ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کی صراحت یہ ہے کہ اس کیلئے کوئی تحدید نہیں ہے، اتنا پانی استعمال کیا جاسکتا ہے، جس سے محل کے پاک وصاف ہونے کا غالب گمان ہوجائے، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ:

''ویستعمل الماء إلی أن یقع فی غالب ظنه أنه قد طهر ولا یقدر بالمرات ''(۱)

استنجاء کے لئے اتنا پانی استعمال کیا جاسکتا ہے کہ اس سے پاکی کا گمان غالب ہوجائے، کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے۔

لیکن اگر کوئی شکی مزاج ہو، اور بار بار پانی استعمال کرنے کے باوجود اسے یہ اطمینان ہی نہ ہوتا ہو کہ ہم پاک ہوگئے ہیں تو اس کے حق میں تین بار دھونا متعین ہوگا (۲) صاحب عنایہ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ وہ شخص مقام نجاست کو دیکھ نہیں رہا ہے، اس لئے اس کے حق میں ضرورۃً وہ نجاست غیر مرئیہ کے درجے میں ہوگئی، اور نجاست غیر مرئیہ کو تین بار دھویا جاتا ہے، اس لئے یہ شخص بھی تین مرتبہ دھوئے گا، (۳) نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا یہ عمل نقل کرتی ہیں: ''**کان یغسل مقعدته ثلاثا** '' (۴) ''آپ ﷺ مقام براز کو تین بار دھویا کرتے تھے''۔

استنجاء کی اقسام

بعض فقہاء نے استنجاء کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں:

---

(۱) هدایه :۳۹/۱،فصل في الاستنجاء

(۲) در مع الشامی :۳۳۸/۱،فصل في الاستنجاء

(۳) عنایه مع فتح القدیر :۲۱۵/۱،فصل في الاستنجاء

(۴) سنن ابن ماجة رقم الحدیث :۳۵٦،باب الاستنجاء

۱۔ **فرض:** جبکہ جنابت یا حیض ونفاس کا غسل ہو، ایسی حالت میں پہلے ان نجاستوں کا دھونا فرض ہے، تاکہ بدن کے دیگر اعضاء پر یہ نجاستیں نہ پھیل سکیں۔

۲۔ **واجب:** جبکہ پیشاب پاخانہ، نکلنے کی جگہ سے تجاوز کر کے ادھر ادھر لگ گئے ہوں۔

۳۔ **سنت:** جب کہ پیشاب پاخانہ، نکلنے کے راستہ سے اِدھر اُدھر پھیلی نہ ہو، بلکہ اپنے مقام تک محدود ہوں۔

۴۔ **مستحب:** جبکہ صرف پیشاب کیا ہو، پاخانہ نہ کیا ہو، تو پیشاب سے فراغت کے بعد استنجاء کرنا مستحب ہے۔

۵۔ **بدعت:** ریح خارج ہونے کے بعد استنجاء کرنا بدعت ہے۔(۱)

عام حالت میں استنجاء کا حکم

سبیلین سے نکلنے والی نجاست چونکہ عام حالات میں ادھر ادھر پھیلتی نہیں ہے، بلکہ وہ مخرج ہی پر لگی رہتی ہے، اس لئے اس صورت میں استنجاء کرنا سنت موکدہ ہے (۲) لیکن فتاوی ہندیہ میں مختار کی شرح الاختیار سے نقل کیا گیا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد استنجاء کرنا مستحب ہے (۳) مگر حاشیہ طحطاوی علی المراقی میں اس قول کو "قیل" سے نقل کیا ہے، جو اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہے (۴) گویا مفتی بہ قول یہی ہے کہ پیشاب کے بعد استنجاء کرنا ہو یا پاخانہ کے بعد، دونوں سنت موکدہ ہیں (۵) آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی تعلیم دی تھی۔(۶)

استنجاء اور وضو

وضو کرنے سے پہلے استنجاء کر لینا یعنی مخرج پر پہلے سے لگی ہوئی نجاست کا دور کر لینا سنت ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**وأما سنن الوضوء فكثيرة بعضها قبل الوضوء ... أما**

---

(۱) هنديه :۱/۵۰،الاستنجاء على خمسة أوجه ،وبنايه:۱/۷۴۸،حكم الاستنجاء

(۲) مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى ،ص:۴۳،فصل في الاستنجاء

(۳) هنديه :۱/۵۰،الاستنجاء على خمسة أوجه

(۴) حاشية الطحطاوى ،ص:۴۳،فصل في الاستنجاء

(۵) مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى ،ص:۴۳،فصل في الاستنجاء

(۶) المعجم الأوسط رقم الحديث :۴۵۸۴،باب من اسمه عبدان

الـذی هـو قبـل الـوضـوء فمنها الاستنجاء بالأحجار أو ما یقوم مقامهما " (۱)

''وضو کی سنتیں بہت ہیں ،بعض سنتیں تو وضو سے پہلے ہیں، ان میں سے ایک استنجاء کرنا ہے خواہ پتھر سے ہو یا اس کے قائم مقام کسی اور چیز سے''

بلکہ صاحب عنایہ نے تو استنجاء کو وضو کی اہم سنت قرار دیا ہے(۲) لہٰذا اگر کوئی شخص استنجاء کرنے سے پہلے ہی وضوء کرلے تو اس کا یہ عمل سنت کے خلاف ہوگا، وضوء سے پہلے استنجاء کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ استنجاء کا مطلب ہے مقام مخصوص پر لگی ہوئی نجاست کا دور کرنا؛ لہٰذا اس کا حکم جسم کے دیگر اعضاء پر لگی ہوئی نجاست کا ہوگا، وضو کے درست ہونے کے لئے جس طرح اس نجاست کا دور کرنا شرط نہیں ہے، اسی طرح استنجاء کرنا بھی وضو کے درست ہونے کے لئے شرط نہیں ہے۔(۳)

مصنوعی راستہ سے پیشاب و پاخانہ ہو تو؟

بول و براز کا ایک فطری مقام ہے، جس سے لوگ قضاء حاجت کرتے ہیں، مگر بعض مرتبہ سرجری کے ذریعہ کسی اور مقام کو نجاست نکلنے کا راستہ بنادیا جاتا ہے، اور اسی سے وہ پیشاب و پاخانہ کرتا ہے، تو اس نئے راستے کا حکم بھی فطری مقام جیسا ہی ہوگا، یا حکم میں کچھ فرق ہوگا؟ اس سلسلے میں مالکیہ کا مسلک تو بالکل واضح ہے کہ یہ مقام اس شخص کے حق میں فطری مقام ہی کی طرح ہوگا، لہذا فطری مقام سے نکلنے والی نجاست کے جو احکام ہیں وہی سارے احکام اس مصنوعی مقام کے لئے بھی ہونگے حنابلہ کے اس سلسلے میں دو قول ہیں، لیکن احناف وشوافع کا کوئی قول اس سلسلے میں نہ مل سکا (۴) مگر احناف نے استنجاء کے متعلق جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کی روشنی میں اس مصنوعی مقام کا حکم بھی فطری مقام جیسا ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم

(۱) بدائع :۱۸/۱،فصل سنن الوضوء
(۲) عنایه شرح الهدایة :۲۱۲/۱،فصل في الاستنجاء
(۳) موسوعة فقهیة :۱۱۷/۴،ما خرج من مخرج بدیل عن السبیلین
(۴) موسوعة فقهیة :۱۱۵/۵،علاقة الاستنجاء بالوضوء

قضائے حاجت کے لئے ممنوع مقامات

وہ مقامات جن سے عام لوگوں کی ضرورت متعلق ہو، انھیں بول وبراز سے گندہ کردینا اور ناپاک وبدبودار بنادینا شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے لوگوں کو گھن محسوس ہوتی ہے، اور تکلیف واذیت لاحق ہوتی ہے، یہ عمل جہاں اخلاق ومروت کے خلاف ہے وہیں انسانی جذبات کے بھی منافی ہے، اس لئے شریعت نے اسے ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا ہے، ذیل میں نمبروار ممنوع مقامات کو ذکر کیا جاتا ہے:

ا۔ راستہ

اگر بیچ راستہ یا اس کے کنارہ کو بول وبراز سے گندہ اور بدبودار کردیا جائے تو ہر گذرنے والا گھن محسوس کرے گا، اس کو کبیدگی اور اذیت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نہایت سختی سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"من سل سخيمته على طريق عامر من طريق المسلمين فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين "(۱)

''جو مسلمانوں کی گذرگاہ پر قضاء حاجت کرے، اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت برستی ہے''

۲۔ جن جگہوں سے عام حضرات کی ضرورت متعلق ہو

یہی حکم ان تمام جگہوں کا ہے جن سے عام لوگوں کی ضروریات متعلق ہوں، مثلاً نہر، کنواں، حوض، عیدگاہ وغیرہ کہ ان سب جگہوں سے قریب قضاء حاجت کرنا مکروہ ہے (۲) اسی

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي رقم الحديث :۴۷۰، باب النهي عن التخلي في طريق الخ

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ،ص:۵۳، فصل فيما يجوز به الاستنجاء

طرح مسجد کے دروازہ پر اوراس کے قبلہ والی دیوار کی طرف بھی مکروہ ہے(١) قبرستان بھی ان ہی جگہوں میں سے ہے جس سے عام مسلمانوں کی ضرورت متعلق ہے، لہذا وہاں یا اس کے قرب وجوار میں بول و براز کرنا مکروہ ہوگا، خصوصاً کسی قبر پر بول و براز کرنا اور زیادہ ناشائستہ اور مذموم حرکت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"من جلس على قبر يبول عليه أو يتغوط فكأنما جلس على جمرة نار" (٢)

"جو کسی قبر پر بیٹھ کر بول و براز کرے تو گویا وہ انگارے پر بیٹھ کر یہ عمل کر رہا ہے"

٣۔سایہ دار جگہ

گرمی کے موسم میں لوگ دھوپ سے پریشان ہو کر کسی سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرتے ہوں، یا راستہ گذرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے اس جگہ ٹھہر جایا کرتے ہوں ایسی جگہ پر بھی پیشاب و پاخانہ کرنا مکروہ ہے، کیونکہ لوگوں کو اس سے بھی تکلیف ہوگی، اور یہ تکلیف راستہ پر کئے جانے والے بول و براز سے زیادہ ہوگی، کیونکہ راستہ ٹھہرنے کا مقام نہیں ہوتا، اس پر سے تو صرف گذرنا ہوتا ہے، اور سایہ دار درخت کے نیچے تو لوگ آرام کرتے ہیں اور وہاں ٹھہر کر ٹھنڈی سانس لیتے ہیں، اگر اس جگہ پر بول و براز کیا گیا تو لوگوں کو کافی اذیت ہوگی؛ اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إتقوا اللعانين قالوا : وما اللعانان يا رسول الله ؟ قال: الذى يتخلى فى طريق الناس أوفى ظلهم "(٣)

"ایسی دو چیزں سے بچو جو سبب لعنت ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور ﷺ! وہ دونوں سبب لعنت کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! لوگوں کے راستہ یا ان کی سایہ دار جگہوں پر قضاء حاجت کرنا"

(١) بنایہ/٤٧٥، حكم الاستنجاء
(٢) شرح معانى الآثار رقم الحديث :٢٩٥١، باب الجلوس على القبور
(٣) مسلم رقم الحديث :٢٦٩، باب النهي عن التخلي في الطرق والظلال

راستہ اور سایہ دار جگہ پر بول و براز کرنے سے منع کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، راستہ گندہ ہوگا، بدبو پیدا ہوگی، اور لوگوں کو اس سے گھن بھی محسوس ہوگی (۱) علامہ خطابی کا کہنا ہے کہ حدیث بالا میں جو سایہ دار درخت کے نیچے بول و براز کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس سے عام سایہ دار جگہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ سایہ دار جگہ ہے جہاں لوگ عام طور پر ٹھہرتے ہوں، آرام کرتے ہوں اور ٹھنڈی سانس لیتے ہوں، اور جس سایہ دار جگہ سے لوگ فائدہ نہ اٹھاتے ہوں، وہاں قیام نہ کرتے ہوں اور گرمی اور دھوپ سے بچنے کے لئے اس جگہ ٹھہرتے نہ ہوں تو ایسی جگہ پر بول و براز کرنا مکروہ نہ ہوگا، کیونکہ خود آپ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ کھجور کے درخت کے نیچے قضاء حاجت کیا کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ اس کا سایہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا، اس لئے ہر سایہ دار جگہ پر قضاء حاجت کرنا ممنوع و مکروہ نہ ہوگا۔ (۲)

۴۔ دھوپ والی جگہ

سرما کے موسم میں عام طور پر لوگوں کو دھوپ اچھی لگتی ہے، اور دھوپ کی گرمی حاصل کرنے کی خواہش بھی ہوتی ہے، لوگ سایہ دار جگہوں کو چھوڑ کر دھوپ والی جگہ پر آ کر بیٹھتے ہیں، لہذا ایسی جگہ پر بھی قضاء حاجت کرنا مکروہ ہوگا، کیونکہ سایہ دار جگہ پر بول و براز کے ممنوع ہونے کے جو اسباب تھے، وہ سب یہاں پر بھی پائے جاتے ہیں، اسی لئے علامہ ابہریؒ فرماتے ہیں:

"موضع الشمس فی الشتاء کالظل فی الصیف" (۳)

"سرما میں دھوپ والی جگہ کا حکم گرما کی سایہ دار جگہ کی طرح ہے"

یعنی جس طرح موسم گرما میں سایہ دار جگہ پر بول و براز کرنا مکروہ ہے اسی طرح موسم سرما میں دھوپ والی جگہ پر بھی بول و براز کرنا مکروہ ہے۔

۵۔ پانی

پانی میں بھی بول و براز کرنا مکروہ ہے، آپ ﷺ نے صراحۃً اس سے منع فرمایا ہے (۴)؛

(۱) نیل الاوطار :۱/۱۱۲، باب ارتیاد المکان الرخو وما یکرہ التخلی فیہ

(۲) الزواجر :۱/۲۰۶، الکبیرۃ السبعون : التغوط فی الطرق

(۳) حاشیۃ طحطاوی علی مراقی الفلاح ، ص:۵۳، فصل فیما یجوز بہ الاستنجاء

(۴) ترمذی رقم الحدیث :۶۸، باب کراہیۃ البول فی الماء

کیونکہ اس سے بلاضرورت ایک پاک چیز کو ناپاک کرنا لازم آتا ہے،(۱) خاص طور سے رات میں پانی کے اندر قضاء حاجت کرنے سے ضرور بچنا چاہئے ؛ کیونکہ مذکورہ خرابی کے ساتھ اس میں اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اسے جنات کی جانب سے کوئی گزند پہونچ جائے، اس لئے کہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ راتوں میں جنات پانی میں رہا کرتے ہیں، اور اسی میں رات گذارتے ہیں(۲)
حکیم محمد طارق محمود چغتائی طبی نقصانات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''کنواں ، تالاب ، جوہڑ ، جھیل جیسے کھڑے پانی میں اگر قضاء حاجت کی جائے گی تو پانی میں جراثیموں کے پڑنے سے تمام پانی آلودہ اور خطرناک امراض سے پر ہوجائے گا، اب اگر کوئی ذی روح اس پانی کو پیئے گا تو اس کے اندر مندرجہ ذیل امراض داخل ہوسکتے ہیں : تپ محرقہ ، ٹائی فائڈ، جراثیمی یرقان ، آنتوں کے کیڑے، پیراسائٹ، یا طفیلی کیڑے''(۳)

۶۔سوراخ

زمین یا دیوار میں جو شگاف (سوراخ) ہو اس میں بھی قضاء حاجت سے منع کیا گیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:''**لا يبولن أحدكم في جحر** '' (۴)''کوئی سوراخ میں پیشاب نہ کرے''؛ کیونکہ عموماً سوراخوں میں کیڑے مکوڑے اور سانپ وغیرہ موجود رہتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ وہ جانور نکل کر ڈس لے، یا کوئی اور گزند پہونچا دے(۵) اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں جنات بھی رہتے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نهى رسول الله ﷺ أن يبال في الجحر قالوا لقتادة : ما يكره

---

(۱) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۵۳،فصل فيما يجوز به الاستنجاء
(۲) حوالہ سابق
(۳) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۱۹۷، ممنوعات قضائے حاجت
(۴) نسائی رقم الحدیث :۳۴،كراهية البول في الجحر
(۵) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی ،ص:۵۳،فصل فيما يجوز به الاستنجاء

من البول فی الجحر قال : یقال إنها مساکن الجن "(۱)

"نبی کریم ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے ، حضرت قتادہ سے جب ان کے شاگردوں نے اس ممانعت کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ وہ جنات کے گھر ہیں"

ایسی صورت میں اگر سوراخ میں قضاء حاجت کی جائے گی تو جنات کو تکلیف ہوگی ، اوران میں چونکہ شرارت کا مادہ غالب ہے اس لئے ان کی طرف سے غیر معمولی ضرر پہو نچنے کا اندیشہ ہے ،قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ ملک شام تشریف لے گئے تھے ، وہاں مقام حوران پر انہوں نے ایک سوراخ میں پیشاب کردیا تھا ، وہ جناتوں کا گھر تھا ،بس جناتوں نے طیش میں آ کر انھیں شہید ہی کر ڈالا ۔(۲)

حکیم محمد طارق محمود چغتائی سائنسی نقطہ نظر سے سوراخ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کی وجہ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بعض زمینیں کلرزدہ شورزدہ ہوتی ہیں،اوران کے بلوں اورسوراخوں میں تیزاب اورشورہ کے مادے جمع ہوتے ہیں،اگران میں پیشاب کیا گیا تو پیشاب چونکہ خود ایک تیزاب ہے،اب ان دونوں تیزابوں کے ملنے سے زہریلے بخارات اٹھ کر جسم انسانی کونقصان پہونچا سکتے ہیں "(۳)

۷۔غسل خانہ

غسل خانہ میں بھی قضاء حاجت کرنا ممنوع ہے، نبی کریم ﷺ نے خود اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے:

"لا یبولن أحدکم فی مستحمه ثم یغتسل فیه قال أحمد ثم یتوضأ فیه فإن عامة الوسواس منه " (۴)

---

(۱) أبو داؤد رقم الحدیث :۲۹،باب النهي عن البول في الجحر

(۲) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۵۳،فصل فیما یجوز به الاستجاء

(۳) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۱۹۸،ممنوعات قضائے حاجت

(۴) ابوداؤد رقم الحدیث :۲۷،باب في البول في المستحم

''کوئی غسل خانہ میں پیشاب کر کے وضوء وغسل نہ کیا کرے کیونکہ اس
سے عام طور پر وسوسہ پیدا ہوتا ہے''

ابن ملک رحمہ اللہ حدیث مذکور کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی وجہ سے وہ جگہ چونکہ ناپاک ہوجاتی ہے، اب اگر اس پر وضوء یا غسل کا پانی گرے گا اور چھینٹیں اڑیں گی تو یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ شاید جسم پر وہی ناپاک چھینٹیں پڑی ہیں(۱) اگر وہاں پیشاب نہ کیا جائے تو یہ وسوسہ لاحق نہ ہوگا، البتہ اگر غسل خانہ پختہ فرش کا ہو، اور اس میں پانی ٹھہرتا نہ ہو، بلکہ فوراً نکل جاتا ہو تو ایسے غسل خانہ میں اگر کوئی شخص پیشاب کردے اور اس پر پانی بہادے، پھر وضو یا غسل کرے تو چونکہ ناپاک چھینٹیں پڑنے کا خطرہ نہیں رہے گا اس لئے مکروہ نہیں(۲) حکیم محمد طارق محمود چغتائی سائنس میگزین کے ایک قاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے شہوت نفسانیہ کی زیادتی ہوتی ہے،
اور اس سے معاشرتی مہلکات پیدا ہوتے ہیں، نیز غسل کی جگہ پیشاب
کرنے سے انسان نفسیاتی امراض کا شکار ہوتا ہے، اور اس سے گردے
میں پتھری پیدا ہوتی ہے''(۳)

۸۔وضوخانہ

ابوداؤد شریف کی جو روایت ابھی ذکر کی گئی تھی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرنے کی جگہ پر بھی قضاء حاجت کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وضو کا پانی جب اس پر گریگا تو اسکی چھینٹوں سے بدن اور کپڑوں کے ملوث ہوجانے کا اندیشہ ہے، اور اگر اس سے کچھ احتیاط بھی برتی گئی تو شیطانی وساوس سے بچنا بہر حال مشکل ہوگا، چنانچہ علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

''ویکرہ فی محل التوضؤ لأنہ یورث الوسوسہ''(۴)

''وضو کرنیکی جگہ قضاء حاجت مکروہ ہے، کیونکہ اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے''

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۵۳،فصل فیما یجوز بہ الاستنجاء
(۲) حوالہ سابق
(۳) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۱۹۳، حاجت ضروریہ اور جدید سائنس
(۴) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۵۳،فصل فیما یجوز بہ الاستنجاء

۹۔پھل دار درخت

پھل دار درخت کے نیچے بھی قضاء حاجت کرنا مکروہ ہے، کیونکہ جو پھل درخت سے ٹوٹ کر نیچے گرے گا وہ پیشاب و پاخانہ سے آلودہ ہوجانے کی وجہ سے ناقابل استعمال ہوجائے گا، جس سے ایک نعمت کا ضیاع ہوگا، نیز جو حضرات پھل چننے کے لئے جائیں گے انھیں بھی تکلیف ہوگی، طبرانی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"نهى رسول الله ﷺ أن يتخلى الرجل تحت شجرة مثمرة" (۱)

''نبی کریم ﷺ نے کسی پھل دار درخت کے نیچے قضاء حاجت کرنے سے منع فرمایا ہے''

۱۰۔آگ وراکھ

آگ پر بھی پیشاب کرنے سے بچنا چاہئے؛ کیونکہ اس سے طبی لحاظ سے بیماری لاحق ہوجانے کا اندیشہ ہے، چنانچہ علامہ بہوتیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ويكره بوله في نار لأنه يورث السقم"(۲)

''آگ پر پیشاب کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے بیماری کا اندیشہ ہے''

صاحب شرح کبیر نے بھی یہی لکھا ہے(۳) اسی طرح راکھ پر بھی پیشاب کرنا مکروہ ہے۔(۴)

۱۱۔سخت جگہ

سخت جگہ پر بھی پیشاب کرنا ممنوع ہے؛ کیوں کہ پیشاب اس جگہ سے ٹکرا کر بدن اور کپڑے کو آلودہ کردے گا۔ اسی لئے آپ ﷺ عام طور پر نرم زمین کا انتخاب پیشاب کرنے کے لئے کیا کرتے تھے(۵) اور اگر کبھی سخت جگہ پر پیشاب کرنے کی نوبت آجاتی تو اسے نرم کر لیتے تھے، تاکہ چھینٹیں پڑنے سے حفاظت رہے، چنانچہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) المعجم الأوسط رقم الحديث :۲۳۹۲،باب من اسمه إبراهيم
(۲) كشاف القناع :۶۲/۱، باب الاستطابة وآداب التخلي
(۳) الشرح الكبير :۸۷/۱،باب الآنية
(۴) كشاف القناع :۶۲/۱، باب الاستطابة وآداب التخلي
(۵) ابوداؤد رقم الحديث :۳،باب الرجل يتبوأ لبوله

"وكان إذا أراد أن يبول في عزاز من الأرض — وهو الموضع الصلب ـ أخذ عودا من الأرض فنكت به حتى يثرى ثم يبول "(۱)

''جب آپ ﷺ کو سخت زمین پر پیشاب کرنے کی نوبت آجاتی تو آپ ﷺ لکڑی سے کرید کر اسے نرم کر لیتے تھے، پھر پیشاب کرتے تھے''

فتاوی ہندیہ میں بھی یہ تصریح ہے کہ اگر پیشاب سخت جگہ پر کرنے کی نوبت آجائے تو اسے نرم کر لینا چاہئے۔

"فإذا أراد أن يبول وكانت الأرض صلبة دقها بحجر أو حفر حفيرة حتى لايترشش عليه البول "(۲)

''اگر کوئی سخت زمین پر پیشاب کرنا چاہے تو پتھر وغیرہ سے پہلے اسے نرم کر لے، یا گڑھا کھود لے، تاکہ پیشاب کی چھینٹیں نہ پڑ سکیں''

حاصل یہ ہے کہ نرم اور بھربھری زمین کا انتخاب قضاء حاجت کے واسطے کرنا چاہئے، کیونکہ پیشاب پاخانہ جراثیمی فضلہ ہیں، اگر مٹی نرم اور بھربھری ہوگی تو بول وبراز کے جراثیمی اور تیزابی اثرات جذب کر لے گی، اور اس کے اثرات براہ راست انسانی جسم پر نہ ہوسکیں گے، نیز اس کی چھینٹیں اڑ کر بدن اور کپڑوں کو آلودہ نہیں کریں گی، لیول پاول نے اصول صحت میں لکھا ہے:

''جب سے مٹی پر لوگوں نے قضاء حاجت کرنا چھوڑ کر فلش وغیرہ کا استعمال شروع کر دیا اس وقت سے اب تک مردوں میں جنسی کمزوری اور پتھری کا رجحان بڑھ گیا ہے، اور اس کے اثرات پیشاب کے غدود پر پڑتے ہیں ''(۳)

(۱) زاد المعاد :۱/۱۶۴،فصل في هديه ﷺ عند قضاء الحاجة
(۲) هنديه :۱/۵۰،الفصل الثالث في الاستنجاء
(۳) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۱۸۹، حاجت ضروریہ اور جدید سائنس

قضائے حاجت کے لئے جانے کے آداب

بول وبراز ضرورت بشریہ میں سے ہے، اگر ضرورت کا احساس ہو تو حتی الامکان جلد اس سے فراغت حاصل کر لینی چاہئے، اس میں خواہ مخواہ تاخیر کرنا طبی لحاظ سے نقصاندہ ہے؛ کیونکہ اس سے مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، ایک حکیم سے لوگوں نے یہ بیان کیا کہ آپ کا بیٹا ایک سواری پر تھا، اسے پیشاب کرنے کا تقاضا ہوا تو وہ سواری سے اتر کر فراغت حاصل کی، اور گھر پہونچنے کا انتظار نہیں کیا، جو وقار ومروت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، حکیم نے جواب دیا کہ اس نے بہت برا کیا، اس نے اپنی ضرورت پوری کرنے میں بہت دیر کردی، اسے تو سواری پر سے ہی فراغت حاصل کر لینی چاہئے تھی، تم لوگ وقار ومروت دیکھتے ہو، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کی وجہ سے کیا کیا نقصانات لاحق ہوتے ہیں، اس سے مثانہ پر بار پڑتا ہے اور وہ کمزور ہو جاتا ہے(۱) علامہ حکیم محمد تونسیؒ اپنی کتاب کنوز الصحۃ میں لکھتے ہیں :

''پیشاب کو دیر تک مثانہ میں روکنا ضرر رساں ہے، اس سے خطرناک امراض سلسل البول اور سنگ مثانہ وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں''(۲)

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (۳)

حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"إذا أراد أحدكم الغائط وأقيمت الصلاة ، فليبدأ به"(۴)

''جب کسی کو ضرورت لاحق ہو اور نماز کی اقامت ہو چکی ہو تو پہلے

---

(۱) بستان العارفين مع تنبيه الغافلين:۳۲۷/۱،الباب الثاني والتسعون في آداب الخلاء

(۲) المصالح العقلية ،ص:۶۴،حاجت بول وبراز کے وقت منع نماز کی وجہ

(۳) مسلم رقم الحديث :۵۶۰،باب لا صلاة بحضرة طعام ولا وهو يدافعه الاخبثان

(۴) سنن ابن ماجة رقم الحديث :۶۱۶،باب ما جاء في النهي للحاقن أن يصلي

ضرورت سے فارغ ہو جائے (پھر نماز پڑھے)''

نماز سے پہلے بول و براز سے فراغت حاصل کرنیکی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ:

''حبس بول و براز سے دل میں انقباض اور پراگندگی وعدم حضور کا لاحق ہونا یقینی ہے اور جب حضور نہ ہو، اور پراگندی رہے تو نماز ناقص رہے گی؛ لہٰذا ایسے سبب کو رفع کرنے کا حکم ہوا جو نماز میں پراگندگی اور عدم حضور کا باعث ہو''(۱)

قضائے حاجت کے واسطے جانے کے تعلق سے جو ہدایات اسلام نے دی ہیں، ذیل میں انہی کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

جوتا پہن کر اور سر ڈھانپ کر جائے

جب قضاء حاجت کے لئے جائے تو ٹوپی پہن لے، یا سر کو کسی اور چیز سے ڈھانپ لے، ننگے سر اور ننگے پاؤں نہ جائے (۲) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور ابراہیم تیمی رحمہ اللہ دونوں کا یہی معمول تھا (۳) امام بیہقی رحمہ اللہ نے حبیب بن صالح رحمہ اللہ کی سند سے آپ ﷺ کا یہ عمل نقل کیا ہے:

''كان رسول الله ﷺ إذا دخل الخلاء لبس حذاءه وغطى رأسه'' (۴)

''نبی کریم ﷺ جب قضاء حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو جوتا پہن لیا کرتے تھے، اور سر مبارک ڈھانپ لیتے تھے''

اور فتاوی ہندیہ میں ہے:

---

(۱) المصالح العقلية، ص:۶۴، حاجت بول و براز کے وقت منع نماز کی وجہ

(۲) إعلاء السنن:۱/۳۲۳، باب آداب الاستنجاء

(۳) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۲۰۹۴، باب في الرجل يريد أن يدخل الخلاء

(۴) السنن الكبرى للبيهقي رقم الحديث :۴۵۶، باب تغطية الرأس عند دخول الخلاء الخ

''ویدخل مستور الراس ''(۱)

''قضاءحاجت کے لئے جاتے وقت سر چھپالیا جائے''

امام غزالی (۲) صاحب مراقی الفلاح (۳) علامہ بہوتی حنبلی (۴) اور صاحب شرح کبیر (۵) وغیرہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے،

آلۂ استنجاء ساتھ لے جائے

آپ ﷺ جب قضاءحاجت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو اپنے ساتھ پانی (۶) یا پتھر بھی لے جایا کرتے تھے (۷) اوراس کا حکم صحابہ کرام ﷺ کو بھی دیا کرتے تھے (۸) اس لئے اگر قضاءحاجت کی جگہ پر پانی کا انتظام نہ ہوتو اپنے ساتھ اسے لے جانا چاہئے، اوراسے دائیں طرف رکھنا چاہئے ۔(۹)

قابل احترام چیز ساتھ نہ لے جائے

قضاءحاجت کے لئے جب جانا ہوتو اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ لے جائے جس پر اللہ یا اس کے رسول کا نام لکھا ہو، یا کوئی ایسا کاغذ ہو جس پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوں، فرشتوں کے نام بھی چونکہ محترم ہیں اس لئے اگر ان کے نام بھی کسی کاغذ پر لکھے ہوئے ہوں تو اسے بھی بیت الخلاء میں نہیں لے جانا چاہئے، ترمذی میں حضرت انس ﷺ سے روایت ہے:

''كان رسول الله ﷺ إذا دخل الخلاء نزع خاتمه''(۱۰)

''نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے تو انگوٹھی اتار

(۱) عالمگیری ۱/۵۰، الفصل الثالث في الاستنجاء

(۲) إحياء العلوم :۱/۱۳۱، باب آداب قضاء الحاجة

(۳) مراقی الفلاح مع حاشيه الطحطاوی ،ص:۵۱، فصل فيما يجوز به الاستنجاء

(۴) كشاف القناع :۱/۵۹، باب الاستطابة وآداب الخلاء

(۵) شرح منتهى الإرادات :۱/۳۳، باب الاستنجاء

(۶) أبود ادؤ رقم الحديث :۴۵، باب الرجل يدلك يده بالأرض الخ

(۷) بخاری رقم الحديث :۱۵۵، باب الاستنجاء بالحجارة

(۸) ابوداؤدرقم الحديث :۴۰، الاستنجاء بالحجارة

(۹) هنديه :۱/۴۸، الفصل الثالث في الاستنجاء

(۱۰) ترمذی رقم الحديث :۱۷۴۶، باب ما جاء في لبس الخاتم في اليمين

دیا کرتے تھے''

اور صاحب مراقی الفلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ویکرہ الدخول للخلاء ومعہ شیء مکتوب فیہ اسم اللہ "(۱)

''ایسی چیز جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا ہو، اس کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا مکروہ ہے''

بعض مرتبہ لوٹے پر نقش ونگار کر دیا جاتا ہے، اور اس میں اس قدر افراط سے کام لیا جاتا ہے کہ اللہ اور رسول کا نام بھی کندہ کر دیا جاتا ہے، کبھی کبھی ایک آدھ قرآنی آیت بھی لکھ دی جاتی ہے، پھر اسی لوٹے کو بیت الخلاء میں لے جایا جاتا ہے، حالانکہ یہ مکروہ عمل ہے، بیت الخلاء میں جن چیزوں کو لے جانا مکروہ ہے، اس کی تفصیل علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے پیش کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

''قال بعض الحذاق ومنہ یعلم کراھۃ استعمال نحو إبریق فی خلاء مکتوب علیہ شئی من ذلک ''(۲)

''بعض ماہرین فقہ کا بیان ہے کہ تفصیل مذکور سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جس لوٹا پر کوئی قابل احترام بات لکھی ہو تو اسے بیت الخلاء لے جانا مکروہ ہے''

البتہ یہ کراہت اس وقت ہے جبکہ اسے کسی چیز سے چھپایا نہ گیا ہو، لیکن اگر اسے کسی چیز سے چھپا دیا جائے، مثلاً اسے جیب میں رکھ لیا جائے تو پھر کراہت باقی نہیں رہے گی۔(۳)

انگوٹھی کے نگینہ کا ہتھیلی کی جانب کرنا

اگر کوئی انگوٹھی پہنے ہوئے بیت الخلاء میں داخل ہوگیا، حالانکہ اس کے نگینہ پر قابل احترام باتیں کندہ ہیں، اور اسے اتار کر جیب میں نہیں رکھا، بلکہ اسے صرف اپنی ہتھیلی کی طرف گھما لیا تو اس کی وجہ سے وہ کراہت کے ارتکاب سے نکل جائیگا، یا نہیں؟ اس تعلق سے علامہ

(۱) مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ،ص:۵۴، فصل فیما یجوز بہ الاستنجاء

(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۵۴،ما یجوز بہ الاستنجاء

(۳) حوالہ سابق

حلبیؒ فرماتے ہیں :

''الخاتم المكتوب فيه شئ من ذلک إذا جعل فصه إلى باطن كفه قيل لا يكره والتحرز أولى ''(۱)

''جس انگوٹھی پر کوئی قابل احترام بات لکھی ہوئی ہو، اور اسے پہن کر کوئی بیت الخلاء چلا جائے، اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کر لے تو بعض حضرات اس کو مکروہ نہیں سمجھتے، لیکن اس سے بھی بچنا بہتر ہے''

آبادی سے دور جائے

اگر قضاء حاجت بستی سے باہر کرنی ہو تو آبادی سے خوب دور نکل جائے، تاکہ کسی کی نگاہ اس کی شرمگاہ پر نہ پڑے، اور نہ ہی بول و براز کو دیکھ کر دوسروں کو گھن آئے (۲) علامہ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی آپ ﷺ دو دو میل بھی دور نکل جاتے تھے۔(۳)

علامہ سجستانی رحمہ اللہ اپنی سنن میں حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

"أن النبي ﷺ كان إذا أراد البراز انطلق حتى لا يراه أحد"(۴)

''نبی کریم ﷺ جب قضاء حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو اتنا دور نکل جاتے کہ کسی کی نگاہ آپ ﷺ پر نہیں پڑتی تھی''

دور نکل جانے کے باوجود اگر کوئی اتفاق سے نزدیک سے گذرنے لگے تو کھانس کر یا کسی اور طریقے سے اسے آگاہ کر دینا چاہئے۔(۵)

اس وقت جدید سائنس زیادہ چلنے پر زور دے رہی ہے، حتی کہ امریکہ کے بڑے بڑے ہسپتالوں میں یہ جملہ نمایاں انداز میں لکھ کر لٹکایا گیا ہے کہ پاؤں پہلے پیدا ہوا یا پہیہ؟

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) نيل الأوطار :۱۰۱/۱،باب الإبعاد والاستتار

(۳) زاد المعاد :۱۶۴/۱،فصل في هديه ﷺ عند قضاء الحاجة

(۴) ابوداؤد رقم الحديث :۲،باب التخلي عند قضاء الحاجة

(۵) فتح الملهم :۳۲۱/۱،باب النهي عن الاستنجاء باليمين

ظاہر ہے کہ پاؤں پہلے پیدا ہوا، اس کا مقصد قوم کو پیدل چلانا ہے، ایک بایوکیمسٹری کے ماہر نے نکتے کی بات کہی ہے:

''جب سے شہر پھیلنے لگے، آبادی بڑھنے لگے اور کھیت ختم ہونے لگی اس وقت سے اب تک امراض کی بہتات ہوگئی ہے، کیونکہ جب سے انسان نے دور چل کر حاجت کرنا چھوڑا ہے اس وقت سے اب تک قبض، گیس، تبخیر اور جگر کے امراض بڑھ گئے ہیں، چلنے سے آنتوں کی حرکات تیز ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے حاجت تسلی بخش ہوتی ہے، آج حاجت غیر تسلی بخش ہوتی ہے جس کی وجہ سے بیت الخلاء میں زیادہ وقت گذارنا پڑتا ہے(۱)

تاہم اگر بیت الخلاء ہی میں قضاء حاجت کرنی ہو تو اس میں چونکہ دوسروں کی نگاہ سے شرمگاہ بھی پوشیدہ رہتی ہے، اور بول و براز بھی فلش پر مناسب مقدار میں پانی بہادینے سے باقی نہیں رہتا ہے کہ دوسروں کو گھن اور بدبو محسوس ہو، اس لئے اس کے بنانے میں دوری کا لحاظ کرنا ضروری نہیں ہے، حسب سہولت بنایا جاسکتا ہے، علامہ شمس الحق عظیم آبادی حدیث مذکور کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''فيه من الآداب استحباب التباعد عند الحاجة عن حضور الناس إذا كان في مراح من الأرض ويدخل في معناه الاستتار بالأبنية''(۲)

''حدیث مذکور میں چند آداب ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ قضاء حاجت کے لئے لوگوں کی نگاہوں سے دور ہو جانا مستحب ہے جبکہ جگہ کھلی ہوئی ہو اور اگر بیت الخلاء بنا ہوا ہو تو دور جانے کی ضرورت نہیں ہے''

---

(۱) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۱۸۸، حاجت ضروریہ اور جدید سائنس

(۲) عون المعبود: ۱/۱۰، باب التخلي عند قضاء الحاجة

بایاں پاؤں پہلے داخل کرے

جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ کرے تو اس میں پہلے بایاں پاؤں رکھے، کیونکہ وہ گندی جگہ ہے، شیاطین جمع رہتے ہیں، ایسی صورت میں اگر بایاں پاؤں کو پہلے اور داہنے کو بعد میں رکھا گیا تو اس سے داہنے پاؤں کا اکرام ہوگا، صاحب مراقی الفلاح لکھتے ہیں:

''ویدخل الخلاء ... برجله الیسری ابتداءاً ... استحبابا تکرمة للیمنی لانه مستقذر یحضره الشیطان ''(۱)

''بیت الخلاء میں پہلے بایاں پاؤں داخل کرنا مستحب ہے؛ کیونکہ اس میں دائیں پاؤں کا اکرام ہے، اور اسلئے بھی کہ وہ گندی جگہ ہے وہاں شیاطین موجود ہوتے ہیں''

اور حکیم ترمذی رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

''من بدأ برجله الیمنی قبل یساره إذا دخل الخلاء ابتلی الفقر ''(۲)

''جو بایاں پاؤں بیت الخلاء میں پہلے داخل کرنے کے بجائے دایاں پاؤں داخل کرے تو وہ فقر ومحتاجی سے دوچار ہوگا''

اگر بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرنا ہو تو قدمچہ پر پہلے بایاں پاؤں رکھے، پھر داہنا رکھے، اور اگر بستی سے باہر جنگل میں کرنا ہو تو جس جگہ قضاء حاجت کے لئے بیٹھنے کا ارادہ ہو اس جگہ پہلے بایاں پاؤں رکھے، اس کے بعد دایاں رکھے۔(۳)

دعا پڑھے

قضاء حاجت کے وقت چونکہ شرمگاہ کھلی ہوئی رہتی ہے، اور اس حالت میں کسی قسم کا ذکر بھی ممنوع ہے، نیز گندگی کی وجہ سے شیاطین کا بھی جمگھٹا رہتا ہے جو ایذاء پہونچانے کے

---

(۱) مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ،ص:۵۱،فصل فیما یجوز به الاستنجاء

(۲) کشاف القناع :۵۹/۱،باب الاستطابة وآداب التخلي

(۳) حوالہ سابق

لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں (۱) اوراسی کے ساتھ اس حالت میں شیاطین انسانوں کی شرمگاہ سے کھلواڑ کرتے ہیں (۲) جس کی وجہ سے کسی ایسی تدبیر کی شدید ضرورت تھی جس سے انسانوں کی شرمگاہ شیاطین کی نگاہوں سے محفوظ رہیں، اوران کے ضرر سے بھی خاطر خواہ نجات مل سکے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے شیاطین کی نگاہوں سے حفاظت کی ترکیب تو یہ بتائی کہ بیت الخلاء جانے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھ لیا کرو، اس سے تمہاری شرمگاہ شیاطین کی نگاہوں سے محفوظ ہوجائیں گی، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

''**ستر ما بين أعين الجن وعورات بني آدم إذا دخل أحدهم الخلاء أن يقول بسم الله**''(۳)

''جب کوئی قضاء حاجت کے لئے جائے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے، اس سے اس کی شرمگاہ اور جنات کی نگاہوں کے درمیان آڑ قائم ہوجائے گی''

اور شیطانی ایذاء سے حفاظت کی صورت یہ بتائی کہ خدائے ذوالجلال کی شیطان سے پناہ مانگو (۴) چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے:

''**كان النبي ﷺ إذا دخل الخلاء قال اللهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث**''(۵)

''نبی کریم ﷺ بیت الخلاء تشریف لے جاتے وقت پڑھا کرتے تھے ''**اللهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث**''(اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہوں یا عورت)''

اورسنن سعید بن منصور میں مذکورہ دونوں دعائیں ایک ہی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہیں:

---

(۱) مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ص:۵۱، فصل فیما یجوز به الاستنجاء
(۲) ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵، باب الاستتار فی الخلاء
(۳) ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۶، باب ما ذکر من التسمیة عند دخول الخلاء
(۴) مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ص:۵۱، فصل فیما یجوز به الاستنجاء
(۵) بخاری رقم الحدیث: ۱۴۲، باب ما یقول عند الخلاء

”کان یقول : بسم الله اللهم إنی أعوذ بک من الخبث والخبائث “ (۱)

”نبی کریم ﷺ بیت الخلاء تشریف لے جاتے وقت پڑھا کرتے تھے ”بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰهُمَّ إِنِّیۡ أَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡخُبُثِ وَالۡخَبَائِثِ“ (بسم اللہ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہوں یا عورت)“

اسی لئے علامہ نوویؒ نے قضائے حاجت کے لئے جانے والوں کو دونوں دعائیں پڑھنے کے لئے کہا ہے (۲) لیکن اگر کسی نے دونوں دعاؤں میں سے کوئی ایک دعا پر اکتفا کرلیا تو اس کا یہ عمل اگر چہ افضل کے خلاف ہے، تاہم اصل سنت ادا ہوجائیگی۔ (۳)

دعا کب پڑھے؟

مذکورہ دونوں دعائیں بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے پڑھنا چاہئے، اور اگر کھلے میدان میں قضاء حاجت کے لئے جانا ہو تو جہاں پر قضاء حاجت کے لئے بیٹھنے کا ارادہ کرے اس جگہ یہ دعائیں پڑھے، چنانچہ علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

”إن کان المکان معدا لذلک یقول قبل الدخول وإن کان غیر معدله کالصحراء ففی أوان تشمیر الثیاب مثلا قبل کشف العورة “(۴)

”اگر قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء میں جانا ہو تو دعا اس میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے، اور اگر جنگل میں جانا ہو تو جب بیٹھنے کے واسطے کپڑا سمیٹنے لگے تو شرمگاہ کھولنے سے پہلے پہلے پڑھے“

اور اگر کوئی دعا پڑھنا ہی بھول گیا، اور قضاء حاجت کے دوران اسے یاد آیا تو دل ہی

---

(۱) نیل الأوطار :۹۷/۱،باب ما یقول المتخلي

(۲) الأذکار للنووي :۲۶/۱،باب ما یقول إذا أراد دخول الخلاء

(۳) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۵۱،فصل فیما یجوز به الاستنجاء

(۴) حوالہ سابق

دل میں پڑھ لے، زبان سے نہ پڑھے۔(۱)

شرمگاہ کب کھولے؟

قضاء حاجت کے لئے شرمگاہ کو کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے، مگر اسے کھڑے کھڑے نہ کھولے، بلکہ جب بیٹھنے سے قریب ہوجائے تب کھولے، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ آپ ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں :

"كان إذا جلس لحاجته لا يرفع ثوبه حتى يدنو من الأرض"(۱)

''جب آپ ﷺ قضاء حاجت کے لئے بیٹھتے تو اپنے کپڑے کو زمین سے قریب ہونے کے بعد ہی اٹھاتے تھے''

البتہ اس بات کا خیال رہے کہ کپڑا انجاست سے آلودہ نہ ہونے پائے، لیکن جب اس کا اندیشہ ہوتو حسب ضرورت ستر کے کھولنے کی اجازت ہوگی (۳) علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ بیت الخلاء میں بھی ستر کھولنے میں جلدی نہیں کرنا چاہئے، بلکہ جب بیٹھنے کے قریب ہوجائے تب کپڑا اٹھانا چاہئے۔(۴)

قبلہ کی طرف چہرہ یا پشت نہ کرے

خانہ کعبہ کو ایک خاص عظمت حاصل ہے، وہ شعائر الٰہی میں داخل ہے جس کی تعظیم وتکریم کرنے والوں کو متقی کہا گیا ہے (۵) اس کی تعظیم ہی کے واسطے حج فرض کیا گیا، اور بغیر صفائی وطہارت کے اس کا طواف کرنے سے روکا گیا، نماز میں اس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے سے منع کیا گیا (۶) حضرت طاؤس کے مراسیل میں ہے:

''حق الله على كل مسلم أن يكرم قبلة الله ''(۷)

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) زاد المعاد :۱/۱۶۷،فصل في هديه ﷺ عند قضاء الحاجة

(۳) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی ،ص:۵۱،فصل فيما يجوز به الاستنجاء

(۴) طيبی:۲/۴۱،باب آداب الخلاء

(۵) الحج :۳۲

(۶) غنية المتملی ،ص:۳۹،مطلب استقبال القبلة عند الاستنجاء مكروه كراهة تحريم

(۷) مصنف ابن أبی شيبة رقم الحديث : ۱۶۰۷،في استقبال القبلة

''ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ قبلہ کا اکرام کرے''

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا منقول ہے:

''من تفل تجاه القبلة جاء يوم القيامة و تفله بين عينيه ''(۱)

جو قبلہ کی جانب تھوکے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوگا۔

اور ابن خزیمہ نے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا نقل کیا ہے:

'' يبعث صاحب النخامة فی القبلة يوم القيامة وهی فی وجهه ''(۲)

'' قبلہ کی جانب ناک صاف کرنے والا قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائیگا کہ اس کی رینٹھ اس کے چہرہ پر ہوگی''

قبلہ کے اسی احترام کے پیش نظر یہ حکم ہے کہ قضاء حاجت کے وقت نہ اس کی طرف رخ کیا جائے، اور نہ ہی اس کی طرف پشت کی جائے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں :

''إذا جلس أحدكم على حاجته فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها ''(۳)

''جب کوئی قضاء حاجت کے لئے بیٹھا کرے تو قبلہ کی طرف بالکل رخ نہ کرے، اور نہ ہی اس کی طرف پیٹھ کرے''

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ببول ولا غائط ولكن شرقوا أو غربوا قال أبو أيوب فقدمنا

(۱) أبو داؤد رقم الحديث :۳۸۲۴،باب في أكل الثوم

(۲) صحيح ابن خزيمة رقم الحديث :۱۳۱۳، باب النهي عن التختم في قبلة المسجد

(۳) مسلم رقم الحديث :۲۶۵،باب الاستطابة

الشـام فـوجـدنـا مـرا حيض قد بنيت قبل القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله ''(۱)

''جب تم لوگ قضاء حاجت کے لئے جایا کروتو قبلہ کی طرف نہ رخ کرو، نہ اس کی طرف پشت کرو، بلکہ اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرلیا کرو، (یہ حکم اہل مدینہ کو ہے اور جن کا قبلہ اہل مدینہ کی سمت میں ہو ان کو ہے(۲) مثلاً شام، عراق وغیرہ (۳) ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے شام جانا ہوا تو وہاں بیت الخلاء قبلہ کی جانب بنے ہوئے تھے، تو ہم قضاء حاجت کے وقت اس سے پھر جاتے تھے اور استغفار کرتے تھے (یہ استغفار بیت الخلاء بنانے والوں کیلئے ہوتا تھا''(۴)

اس حدیث کے ذیل میں علامہ شوکانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''والـحـديث يدل على المنع من استقبال القبلة واستدبار ها بالبول والغائط ''(۵)

''حدیث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت استقبال واستدبار دونوں منع ہے''

اور علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ دس سے زائد دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ قضاء حاجت بیت الخلاء میں کی جائے یا کھلے میدان میں، بہر صورت قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرنا ممنوع ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''وأصـح الـمـذاهـب فـى ذلک أنه لا فرق فى ذلک بين الفضاء والبنيان لبضعة عشر دليلا ''(۶)

---

(۱) مسلم رقم الحديث :۲۶۴،باب الاستطابة

(۲) فتح الملهم :۳۱۸/۱،باب الاستطابة

(۳) فتاوى ابن تيميه :۱۰۵/۲۱،باب الاستنجاء

(۴) فتح الملهم :۳۱۹/۱،باب الاستطابة

(۵) نيل الأوطار :۱۰۳/۱،باب نهي المتخلى عن استقبال القبلة الخ

(۶) فتح الملهم :۳۱۶/۱،باب الاستطابة

''دس سے زائد دلائل کی بناء پر صحیح مذہب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ کرنا خواہ بیت الخلاء میں ہو یا کھلے میدان میں ممنوع ہے''

شاہ ولی اللہؒ نے استقبال واستدبار کے ممنوع ہونے کی حکمت یہ بیان کی ہے :

''دل کا تعظیم الٰہی کی طرف متوجہ ہونا چونکہ ایک امر باطنی تھا، اس لئے تعظیم قلبی کے قائم مقام ایک ظاہری علامت کا پایا جانا ضروری تھا، پچھلی امتوں میں یہ علامت ظاہرہ ان عبادت خانوں میں داخل ہونا قرار دیا گیا تھا جو خدائے تعالی کی عبادت کے لئے بنائے گئے تھے، وہ شعائر الٰہی اور دین کے جز تھے، لیکن ہماری شریعت نے قبلہ کی طرف منہ کرنا اور تکبیر کہنا اس کی علامت ظاہرہ قرار دیا، پس جبکہ اللہ تعالی نے کعبہ کی طرف منہ کرنا تعظیم الٰہی کی طرف دل کی توجہ کا اور یاد الٰہی میں دل لگانے کا قائم مقام قرار دیا، اور قائم مقام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ ہیئت اللہ تعالی کی یاد دلاتی ہے، تو نبی کریم ﷺ نے اس حکم سے یہ استنباط کرلیا کہ استقبال قبلہ کی ہیئت کو تعظیم الٰہی کے ساتھ مخصوص رہنا ضروری ہے''(۱)

اور ڈاکٹر ڈارون، لیڈ بیٹر اور الیگزنڈرا کی کاسمک تحقیق کے مطابق:

''کاسمک ورلڈ کا نظام انسانی زندگی پر حاوی ہے، خانۂ کعبہ کے چاروں اطراف میں مثبت شعاعیں پوری دنیا تک پھیلی ہوئی ہیں، پیشاب پاخانہ اور تھوک جو کہ خالص منفی ریز کا حصہ ہیں، کعبہ کی طرف ڈالیگا تو یہ اس آدمی کیلئے مسلسل نقصان کا باعث بنے گا''(۲)

قبلہ کی طرف چہرہ یا پیٹھ کرنے سے متعلق بعض مسائل

۱۔ قضاء حاجت کے وقت استقبال ہو یا استدبار دونوں مکروہ تحریمی ہیں،

(۱) حجة الله البالغه :۳۰۷/۱،آداب الخلاء
(۲) سنت نبوی اور جدید سائنس ۲۰۱/۱، قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا

لیکن اگر کوئی شخص بھولے سے قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرکے بیٹھ گیا تو اب وہ کیا کرے؟ بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ چونکہ یہ فعل سہوا ہوا ہے، اس لئے کوئی مواخذہ نہیں ہے، لیکن علامہ شرنبلالیؒ نے یہ لکھا ہے کہ اگر نسیاناً ایسا ہو گیا تو یاد آتے ہی فوراً اس طرف سے گھوم جائے؛ کیونکہ طبرانی کی حدیث مرفوع میں ہے کہ جو بھول کر سمت قبلہ کی طرف قضاء حاجت کے لئے بیٹھ جائے، پھر اسے یاد آئے اور عظمت قبلہ کے پیش نظر وہ اپنے رخ کو پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اٹھنے سے پہلے ہی معاف فرمادیں گے۔(۱)

۲۔ اگر بیت الخلاء قبلہ کی سمت میں بنا ہوا ہو، اور اس میں اتنی کشادگی نہ ہو کہ قبلہ کی طرف سے پشت اور رخ دونوں کو پھیرا جا سکے، بلکہ دونوں میں سے صرف ایک کے پھیرنے کی گنجائش ہو تو مناسب ہے کہ قبلہ کی طرف پشت کرلے؛ کیونکہ رخ کرنے کے مقابلے میں پشت کرنا اھون ہے، چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"هيئة الاستقبال أشنع وأفحش من الاستدبار "(۲)

"استدبار کے مقابلے میں استقبال زیادہ قبیح اور برا ہے"

اسی لئے علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

"وإذا اضطر إلى أحدهما ينبغي أن يختار الاستدبار"(۳)

"جب قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرنے پر مجبور ہو جائے تو پشت کرلینا اچھا ہے"

۳۔ اگر آندھی اس قدر تیز ہو کہ قبلہ کے علاوہ دوسری سمت رخ یا پشت کی جائے تو پیشاب سے بدن اور کپڑے آلودہ ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ضرورۃ قبلہ کی طرف پشت کرکے قضاء حاجت کر لینے کی گنجائش ہے:

"لو كانت الريح تهب عن يمين القبلة أو شمالها فإنهما لايكرهان للضرورة "(۴)

(۱) مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی ،ص:۵۲،فصل فیما یجوز به الاستنجاء
(۲) فتح الملهم :۳۱۲/۱،باب الاستطابة
(۳) حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۵۲،فصل فیما یجوز به الاستنجاء
(۴) حوالہ سابق

''اگر ہوا قبلہ کے دائیں یا بائیں جانب تیز چل رہی ہو (اور پیشاب کی چھینٹیں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو) ضرورۃ قبلہ کی جانب ہو کر قضاء حاجت کر لینا مکروہ نہیں ہے''

بیت المقدس کی طرف چہرہ یا پیٹھ کرنا

حضرت ابو معقل رضی اللہ عنہ سے بیہقی رحمہ اللہ (۱) ابن ماجہ رحمہ اللہ (۲) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۳) طبرانی رحمہ اللہ (۴) اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (۵) وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ قضاء حاجت کے وقت خانۂ کعبہ اور بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، یہی حدیث ابوداؤد (۶) میں بھی ہے، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، یہ دونوں حضرات قضاء حاجت کے لئے بیت المقدس کی طرف رخ کرنا حرام قرار دیتے ہیں؛ (۷) چنانچہ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''کانوا یکرهون أن یستقبلوا واحدة من القبلتین بغائط أوبول ''(۸)

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قضاء حاجت کے وقت خانۂ کعبہ اور بیت المقدس کی طرح رخ کرنے کو ناپسند کرتے تھے''

مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابو زید ہیں جن کے متعلق تقریب میں ہے:

''أبو زید .... مجهول من الرابعة ''(۹)

(۱) السنن الکبری للبیهقی رقم الحدیث :۴۳۴، باب النهي عن استقبال القبلة الخ
(۲) ابن ماجه رقم الحدیث :۳۱۹، باب النهي عن استقبال القبلة
(۳) مسند أحمد رقم الحدیث :۱۷۸۳۸، حدیث معقل بن أبي معقل
(۴) المعجم الکبیر رقم الحدیث :۵۴۹، معقل بن أبي معقل
(۵) مصنف ابن أبی شیبة رقم الحدیث :۱۶۰۳، في استقبال القبلة
(۶) أبو داؤد رقم الحدیث :۱۰، باب کراهیة استقبال القبلة الخ
(۷) المنهل العذب شرح أبي داؤد :۱/۵۰، باب کراهیة استقبال القبلة
(۸) مصنف ابن ابی شیبة رقم الحدیث :۱۶۰۶، في استقبال القبلة
(۹) تقریب التهذیب رقم :۸۱۰۹، حرف الزاي

''ابوزید مجہول راوی ہے، طبقات رواۃ میں ان کا شمار چوتھے درجے میں ہوتا ہے''

اس لئے یہ حدیث لائق استدلال نہیں ہے، اور اگر سند کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث اہل مدینہ اور ان کی سمت میں جو لوگ آباد ہیں، ان کے بارے میں ہے، کیونکہ ان حضرات کے لئے بیت المقدس کا استقبال کرنا خانہ کعبہ کے استدبار کو مستلزم ہے، تو ممانعت کی وجہ بیت المقدس کا استقبال نہیں ہے، بلکہ بیت اللہ کی طرف پشت کا ہوجانا ہے؛ لہٰذا جو لوگ مدینہ یا اس کی سمت میں آباد نہ ہوں ان کے لئے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ خطابیؒ اور امام نوویؒ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جن لوگوں کو قضاء حاجت کے وقت بیت المقدس کا رخ کرنے سے خانۂ کعبہ کی طرف پشت کرنا لازم نہ آتا ہو ان کے لئے بیت المقدس کی طرف رخ کرنا حرام نہیں ہے (۱)

علامہ بہوتیؒ فرماتے ہیں:

''ولایکره التوجه إلی بیت المقدس ''(۲)

''بیت المقدس کی طرف رخ کرنا قضاء حاجت کے وقت مکروہ نہیں ہے''

چانداور سورج کی طرف چہرہ کرنا

چاند و سورج اللہ تعالی کی عظیم نشانیاں ہیں (۳) جن کے ساتھ فرشتے بھی ہوتے ہیں (۴) اللہ تعالی نے ان دونوں کی قسم بھی کھائی ہے (۵) جس سے اس کی مزید اہمیت معلوم ہوتی ہے، اسی کے ساتھ یہ دونوں انوار الٰہی کے مظہر ہیں (٦) اور بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ

(۱) المجموع شرح المهذب :۸۱/۲،باب الاستطابة
(۲) كشاف القناع :۶۵/۱، باب الاستطابة وآداب التخلي
(۳) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی ،ص:۵۳،باب ما يجوز به الاستنجاء
(۴) حوالہ سابق
(۵) الشمس :۱-۲
(٦) الشرح الكبير على متن الاقناع :۸۷/۱،ولا يستقبل الشمس ولا القمر

دوسرا باب

نظافت و پاکیزگی

اسلام نے نظافت و پاکیزگی کا جو فطری نظام پیش کیا ہے اس کی نظیر کسی اور دین و مذہب میں نہیں ملتی، دوسرے ادیان میں صاف ستھرا اور نفاست پسند ہونا ایک طرح کا جرم تھا ، اور ایسا شخص مستحق تعزیر سمجھا جاتا تھا، نہ پانی کا صحیح انتظام تھا، نہ نہانے دھونے اور صاف ستھرا رہنے والے شخص کی ہمت افزائی کی جاتی تھی اور نہ ہی انھیں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اس تعلق سے ایک نظر یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ڈالتے چلیں، ڈاکٹر ڈریپر (۱۸۸۲ء) کی کتاب کا اردو ترجمہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے ''معرکۂ مذہب وسائنس'' کے نام سے کیا ہے، ذیل میں اسی کتاب کے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:

۱- قرون وسطی میں یورپ کا بیشتر حصہ لق ودق بیاباں یا بے راہ جنگل تھا، جابجا دلدلیں اور غلیظ جوہڑ (بارانی تالاب) تھے، صفائی کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ گندے پانی کو نکالنے کے لئے نالیوں اور بدروں کا رواج تھا، عوام ایک ہی لباس سالہا سال پہنتے، جسے دھوتے نہیں تھے، نتیجۃً وہ بوسیدہ، میلا اور بدبودار ہو جاتا تھا، نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک ثانی (۱۲۵۰ء) پر کفر کا فتوی لگایا تو سرفہرست یہ الزام درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔(۱)

۲- پاپائے روم کے یہاں ہر وہ عیسائی کافر تھا جو مسلمانوں کی تہذیب یا کسی اور بات کو اچھا سمجھتا ہو یا ہر روز نہاتا ہو، ایسے کافروں کو سزا دینے کے لئے پاپائے روم نے ۱۴۷۸ء میں ایک مذہبی عدالت قائم کی، جس نے پہلے سال دو ہزار افراد کو زندہ جلایا، اور ستر ہزار کو قید و جرمانہ کی سزا دی۔(۲)

---

(۱) یورپ پر اسلام کے احسانات ص:۷۶

(۲) یورپ پر اسلام کے احسانات ص:۹۰

۳- غلیظ جسم اور میلے لباس کی وجہ سے جوؤں کی یہ کثرت تھی کہ جب برطانیہ کا لاٹ پادری باہر نکلتا تو اس کی قبا پر سیکڑوں جوئیں چلتی پھرتی نظر آتیں۔(۱)

۴- جب اسپین میں اسلامی سلطنت کو زوال آیا تو فلپ دوم (۱۵۹۸ء) نے تمام حمام حکماً بند کرا دیے، کیونکہ ان سے اسلام کی یاد تازہ ہوتی تھی، اسی بادشاہ نے اشبیلیہ کے گورنر کو محض اس لئے معزول کر دیا کہ وہ روزانہ ہاتھ منہ دھوتا ہے۔(۲)

مگر اسلام نے اس کے برخلاف نظافت و پاکیزگی پر خاص توجہ دی ہے، اس کی ترغیب دی ہے۔ اور اسے منجملہ اسلامی احکام کے ایک حکم قرار دیا ہے، جو اس پر عمل نہ کرے اسے اچھا اور بہتر شخص نہیں کہا گیا ہے، نہ صرف یہ کہ نظافت و پاکیزگی اسلام میں مطلوب ہے؛ بلکہ خود آپ ﷺ کو بھی اس کا بڑا اہتمام تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ سفر میں بھی آپ ﷺ تیل، کنگھی، سرمہ، قینچی، مسواک، آئینہ اور ایک چھوٹی سی سیخ (جو سر کھجانے کے کام آتی) ساتھ رکھتے تھے (۳) منہ اور دانتوں کی صفائی کے لئے مسواک کا استعمال بڑی کثرت سے فرماتے تھے (۴) ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنا آپ ﷺ کے معمولات میں داخل تھا (۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ جب سو کر اٹھتے تو پہلا کام مسواک کرنا ہوتا تھا، اور جب بھی باہر سے گھر تشریف لاتے تو پہلے مسواک فرماتے تھے (۶) حتی کہ حیات طیبہ کا آخری عمل مسواک کرنا تھا (۷) نظافت ہی کے پیش نظر آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) حوالہ سابق: ۷۷
(۲) حوالہ سابق
(۳) شعب الإيمان رقم الحديث :۶۰۷۲،فصل فی حلق جميع الرأس ، المعجم الكبير رقم الحديث :۲۳۵۲،باب من اسمه إبراهيم
(۴) ابن ماجة رقم الحديث :۲۸۹،باب السواك
(۵) مسلم رقم الحديث :۷۶۳،باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه
(۶) حوالہ سابق
(۷) بخاری رقم الحديث :۴۴۳۸،باب مرض النبی ﷺ

''من كان له شعر فليكرمه ''(۱)

''جو بال رکھے تو اسے اسکا اکرام کرنا چاہئے''

ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لے جانے لگے تو پہلے کنگھا کیا، پھر پانی سے بھرے ہوئے پیالہ کی مدد سے اپنے بالوں کو درست کیا، آپ ﷺ کا یہ عمل دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بول پڑیں کہ اے حضور ﷺ! آپ ﷺ تو خود خوبصورت ہیں، مزید آرائش کی آپ کو کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''إذا خرج الرجل إلى إخوانه فليهئى من نفسه فإن الله يحب الجمال ''(۲)

''جب کوئی آدمی اپنے بھائیوں سے ملنے جائے تو اپنی شکل وصورت کو درست کرلیا کرے، کیونکہ خود اللہ تعالی جمال کو پسند کرتے ہیں''

ایک صحابی بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، آپ کو ان کی یہ حالت دیکھ کر ناگواری ہوئی، اور انھیں بال سنوارنے کا حکم دیا، جب وہ بال درست کرکے دوبارہ حاضر ہوئے تو فرمایا: پراگندہ بال شیطانی فعل ہے (۳) ایک اور صحابی ایک مرتبہ میلے کچیلے اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے حاضر خدمت ہوئے، تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: بہت کچھ ہے، اونٹ، گھوڑے، بکریاں، غلام سبھی کچھ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تمہارے رہن سہن سے بھی اللہ تعالی کے انعامات کا اظہار ہونا چاہئے (۴) ایک مرتبہ ایک صحابی کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو ان پر نکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا:

''أما كان هذا يجد ماء يغسل به ثوبه ''(۵)

''کیا اس شخص کو پانی بھی میسر نہیں ہے کہ اس سے کپڑے کو دھو لیتا''

---

(۱) ابوداؤد رقم الحديث :۴۱۶۳،باب في إصلاح الشعر
(۲) أدب الاملاء والاستملاء اللسمعانى:۳۲،فصل في أدب المملى ، ينبغي للمحدث الخ
(۳) شعب الإيمان رقم الحديث :۶۰۴۳،فصل في إكرام الشعر
(۴) أبو داؤد رقم الحديث :۴۰۶۳،باب في غسل الثوب الخ
(۵) أبو داؤد رقم الحديث :۴۰۶۲،باب في غسل الثوب الخ

ایک جگہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"أصلحوا لباسکم حتی تکونوا کالشامة فی الناس "(۱)

"اپنے کپڑوں کی اصلاح اور صفائی وستھرائی پر اتنی توجہ دو کہ لوگ
تمہارے کپڑوں میں خوشبو محسوس کریں"

اسی نقطۂ نظر سے آپ ﷺ نے سفید کپڑے کے پہننے کی ترغیب دی ہے؛(۲) تا کہ اگر کوئی داغ دھبہ یا میل کچیل کپڑے پر لگ جائے تو بآسانی نظر آ جائے اور فوراً اسے صاف کرلیا جائے، ان تصریحات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کیسا صاف ستھرا مذہب ہے، اور نظافت کے تعلق سے اس نے کیسی عمدہ ہدایات دی ہیں، ذیل میں نظافت وپاکیزگی کے باب کی چند اہم چیزوں کے متعلق اسلام نے جو ہدایات دی ہیں، اور وہ امور فطرت کے قبیل سے ہیں، ان کی ضروری تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث :۵۶۱۶،سهل بن الحنظلية

(۲) أبو داؤد رقم الحديث :۳۸۷۸،باب في الأمر بالكحل

پہلی فصل

ختنہ کا بیان

ختنہ بھی امور فطرت میں سے ہے، یہ تمام انبیاء کی مشترکہ سنت ہے، اور شعائرِ اسلام میں سے ہے، اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی بستی کے لوگ متفقہ طور پر اس عمل کو ترک کر دیں تو امام المسلمین ان کو اس عمل کے کرنے پر مجبور کرے گا، اور نہ ماننے کی صورت میں ان سے قتال بھی کرے گا (۱) الغرض عام حالات میں اس عمل کو ترک کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اسلام نے اس عمل کے تعلق سے جو ہدایات دی ہیں اس کی تھوڑی سی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے، مناسب ہوگا کہ سب سے پہلے ختنہ سے متعلق احادیث پر نگاہ ڈال لی جائے :

ختنہ کے متعلق احادیث

ختنہ کا ذکر کئی احادیث میں ہے، احادیث میں اسے امور فطرت اور انبیاء کی سنتوں میں سے قرار دیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"الفطرة خمس : الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الأظفار ونتف الآباط " (۲)

"پانچ باتیں فطری امور کے قبیل سے ہیں، ختنہ کرانا، زیر ناف بال کا صاف کرنا، مونچھ کترنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال صاف کرنا"

اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

"إنّ من الفطرة المضمضة والاستنشاق وقص الشارب

---

(۱) تبيين الحقائق ۲۲۶/۶، مسائل شتي

(۲) بخاری رقم الحديث :۵۸۹۱، باب تقليم الأظفار

والسواک وتقليم الأظفار ونتف الإبط والاستحداد والختان "(۱)

''امور فطرت میں سے کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مونچھیں کترنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال صاف کرنا اور ختنہ کرانا ہے''

اور ترمذی کی ایک روایت جو حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے منقول ہے، اس میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:

''أربع من سنن المرسلين : الختان (۲) والتعطر والسواک والنكاح "(۳)

''چار باتیں رسولوں کی سنت ہیں، ختنہ کرانا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا''

انبیاء اور ختنہ

صاحب شرعۃ الاسلام نے لکھا ہے کہ تمام انبیاء مختون ہی پیدا ہوئے ہیں، کسی نبی کا ختنہ دنیا میں نہیں ہوا ہے، اس کا مقصد ایک تو ان کا اعزاز واکرام تھا، اور دوسرا یہ کہ کوئی انسان ان کی شرمگاہ کو اس عمل کو انجام دینے کی خاطر بھی نہ دیکھ سکے، البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر مختون پیدا ہوئے تھے، اور انہوں نے اپنا ختنہ خود کیا تھا، تاکہ ان کا یہ عمل تا قیام ساعت جاری ہوجائے (۴) لیکن دوسرے حضرات نے اس کا انکار کیا ہے، اور تمام انبیاء کے مختون ہونے کی

---

(۱) ابوداؤد رقم الحديث :۵۴،باب السواك من الفطرة

(۲) ترمذی کے موجودہ نسخوں میں ''الختان'' نہیں ہے۔ لیکن ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ میں نے ابوالحجاج سے سنا ہے کہ اس جگہ لفظ ''الختان'' ہی صحیح ہے، محاملی نے بھی ترمذی کے شیخ سے یہی نقل کیا ہے، مشکوۃ میں ترمذی کے حوالہ سے اس طرح روایت ہے: ''**أربع من سنن المرسلين الحياء ويروى الختان والتعطر الخ** ''، علامہ طیبی رحمہ اللہ نے بھی الختان والی روایت کی تصویب فرمائی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۱۲۷/۴)

(۳) ترمذی رقم الحديث :۱۰۸۰،باب ما جاء في فضل التزويج والحث عليه

(۴) مرقاة :۲۸۱۴/۷،باب الترجل

حالت میں پیدا ہونے کو تسلیم نہیں کیا ہے، علامہ سیوطیؒ نے مختون پیدا ہونے والے انبیاء کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے، اوران کے ناموں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

زکریا علیہ السلام، شیث علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، حنظلہ علیہ السلام،
عیسی علیہ السلام، موسی علیہ السلام، آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام،
سام علیہ السلام، لوط علیہ السلام، صالح علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، یحیی علیہ السلام، ھود
علیہ السلام، ادریس علیہ السلام اور محمد ﷺ‘(۱)

اور زین العرب کے حوالے سے ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ ایسے انبیاء کی تعداد صرف چودہ ہے، اوران کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

’’آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، نوح علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام،
یوسف علیہ السلام، موسی علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، عیسی علیہ السلام،
حنظلہ بن صفوان، محمد ﷺ ‘‘(۲)

کیا حضور ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے؟

آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے یا عام معمول کے مطابق پیدا ہونے کے بعد آپ کا ختنہ ہوا تھا؟ اس بارے میں سلف وخلف کا اختلاف رہا ہے، مجموعی طور پر اس سلسلے میں تین اقوال ملتے ہیں:

۱۔ آپ ﷺ مختون اور بہت ہی مسرور پیدا ہوئے تھے، جیسا کہ زین العرب، علامہ سیوطی اور صاحب شرعۃ الاسلام کی بیان کردہ تصریحات سے معلوم ہوا، لیکن ابن جوزی رحمہ اللہ نے ’’کتاب الموضوعات‘‘ میں لکھا ہے:

’’وروی فی ذلک حدیث لا یصح ‘‘(۳)

’’اس تعلق سے حدیث تو ہے لیکن صحیح نہیں ہے‘‘

---

(۱) درمختار مع الشامی :۷۵۲/۶،مسائل شتی
(۲) مرقاۃ :۲۸۱۴/۷،باب الترجل
(۳) زاد المعاد :۸۰/۱،فصل في ختانه ﷺ

ابن قیم رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، پھر آخر میں یہ لکھا ہے :

"وقال بعض المحققين من الحفاظ الأشبه بالصواب أنه لم يولد مختونا "(۱)

''حفاظ حدیث میں سے بعض محققین کا کہنا ہے کہ صحیح ترین بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مختون پیدا نہیں ہوئے تھے''

اور مختون پیدا ہونا آپ ﷺ کی خصوصیت میں سے بھی نہیں ہے؛ کیونکہ تاریخی طور پر کئی حضرات کا مختون پیدا ہونا ثابت ہے، اور مختون پیدا ہونے والے شخص کے بارے میں اہل عرب کا خیال تھا:

"ختنه القمر"(۲) ''اس شخص کا ختنہ چاند ہی نے کر دیا ہے''

اگرچہ اسلام میں اہل عرب کے اس خیال کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تاہم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ دیگر اشخاص بھی مختون پیدا ہوتے رہے ہیں؛ اس لئے یہ آپ ﷺ کی خصوصیت میں سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔(۳)

۲۔ آپ ﷺ مختون پیدا نہیں ہوئے تھے، آپ کا ختنہ دائی حلیمہ کے یہاں اس وقت ہوا تھا جب کہ فرشتے آپ ﷺ کا قلب مبارک چاک کرنے کے واسطے آئے تھے، اسی وقت انہوں نے قلب مبارک کو بھی چاک کیا اور ختنہ بھی کیا تھا۔(۴)

۳۔ آپ ﷺ کا ختنہ دنیا ہی میں ہوا، لیکن یہ عمل آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں دن آپ کے دادا عبد المطلب نے انجام دیا تھا، اور اس موقع پر

(۱) شامی :۷۵۲/۶، مسائل شتی
(۲) زاد المعاد :۸۰/۱، فصل في ختانه ﷺ
(۳) حوالہ سابق
(۴) حوالہ سابق

انہوں نے لوگوں کو کھانا بھی کھلایا تھا، اور اسی دن انہوں نے آپ ﷺ کا نام ''محمد'' رکھا تھا، علامہ ابوعمر بن عبدالبر نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک غریب متصل السند حدیث بھی ذکر کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

''أن عبدالمطلب ختن النبی ﷺ یوم سابعه وجعل له مادبة وسماه محمداﷺ'' (۱)

''عبدالمطلب نے کریم ﷺ کا ساتویں دن ختنہ کیا، دعوت کا انتظام کیا اور اسی دن آپ ﷺ کا نام ''محمد'' رکھا تھا''

مگر اس حدیث کے بارے میں یحیی بن ایوب کا کہنا ہے کہ مجھے جب اس حدیث کے بارے میں جستجو ہوئی تو یہ حدیث صرف محمد بن ابی السری کے پاس ملی (۲) یحیی بن ایوب کا یہ تبصرہ حدیث کے ضعف کی طرف مشیر ہے، کیونکہ محمد بن ابی السری بقول حاتم لین الحدیث ہیں، ابن عدی کا ان کے بارے میں کہنا ہے کہ وہ عموماً حدیث کے بیان کرنے میں غلطی کرتے تھے، نیز اس حدیث کی سند میں ایک راوی ولید بن مسلم ہیں، جو مدلس ہیں، اور انہوں نے لفظ ''عن'' سے روایت کی ہے، جو محدثین کے نزدیک حدیث کے متصل السند ہونے میں شبہ پیدا کر دیتا ہے، بہرحال ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (۳)

آپ ﷺ کے مختون پیدا ہونے پر ایک رسالہ کمال الدین بن طلحہ نے لکھا تھا، جس میں غیر معتبر احادیث کو ذکر کر کے انہوں نے اپنے دعوی کو مدلل کیا تھا، یہ رسالہ جب کمال الدین بن العدیم کی نظر سے گذرا تو انہوں نے اس کا رد لکھا، اور یہ ثابت کیا کہ آپ ﷺ کا ختنہ اہل عرب کے عام دستور کے مطابق ہوا تھا، ابن قیم کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (۴)

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) حوالہ سابق

(۳) حاشیه زاد المعاد : ۸۲/۱، تحقیق شعیب ارنؤوط ، فصل في ختانه ﷺ

(۴) حوالہ سابق

ختنہ کب مشروع ہوا؟

ختنہ کی مشروعیت صحیح روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی سال کے ہوئے تو آپ کو ختنہ کرنے کا حکم دیا گیا، آپؑ نے حکم خداوندی کو بجالانے کے لئے کلہاڑی سے فوراً اپنا ختنہ کرلیا، ختنہ کے بعد جب تکلیف زیادہ ہوئی تو بارگاہ ایزدی میں اپنی تکلیف کو بیان کیا، جواب آیا کہ آپ نے ختنہ کرنے میں جلدی کی، میری طرف سے آلۂ ختنہ کی تعیین سے پہلے ہی ایک تکلیف دہ آلہ (کلہاڑی) سے ختنہ کرلیا، تو اب شکایت کس بات کی؟ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا! بارالہا: میں نے تو اس نیت سے جلدی کی کہ تیری اطاعت میں تاخیر نہ ہو، اور جو حکم آپ نے دیا تھا اس کی بجاآوری میں تساہل کا شائبہ بھی نہ ہو(۱) حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ:

"کـان إبـراهيـم أول النـاس أضـاف الضيف ... وأول الناس اختتن "(۲)

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے مہمان نوازی کی تھی، اور سب سے پہلے انہوں نے ہی ختنہ کیا تھا''

اور ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم حضور اکرم ﷺ اور آپ کی امت کو دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

"ثم أوحينا إليک أن اتبع ملة إبراهيم حنيفا "(۳)

''پھر ہم نے آپ کو وحی کی کہ آپ دین ابراہیمی کی یکسو ہو کر اتباع کیجئے''

لہٰذا اسلام میں بھی ملت ابراہیمی کے اس عمل (ختنہ) کو مشروع قرار دیا گیا ہے، گویا ختنہ کرنے کا رواج حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا ہے۔

---

(۱) فتح الباری :۳۹۰/۶،باب قول الله تعالى واتخذ الله إبراهيم خليلا
(۲) مصنف ابن ابی شیبه رقم الحديث :۲۶۴۶۷،في الختانة من فعلها
(۳) النحل: ۱۲۳

ختنہ کیوں مشروع ہوا؟

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے عزیز ترین بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا اشارہ خواب میں ملا، تو انسان ہونے کے ناطے آپ علیہ السلام کے دل میں ایک قسم کا خوف پیدا ہوگیا، اگر چہ یہ خوف حکم الٰہی کے بجالانے میں مانع نہ بن سکا، اور آپ علیہ السلام دل وجان سے حکم خداوندی کو انجام دینے کے واسطے تیار ہوگئے، آپ علیہ السلام کا یہ عمل خدا تعالیٰ کو بہت پسند آیا، آپ علیہ السلام کے اس خوف کو امت محمدیہ میں ختنہ کی صورت میں برقرار رکھا گیا، تاکہ ان کو بھی عضو مخصوص کے کاٹنے سے جو خون بہے اس سے خوف پیدا ہو، پھر اس پر صبر کا مظاہرہ کریں، اور اس طرح اسوۂ ابراہیمی پر عمل ہوجائے (۱) اور توریت میں ہے کہ ختنہ اللہ کا داغ ہے، جس طرح شاہی گھوڑوں پر داغ ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل اور اس کی اولاد کے لئے ختنہ کا داغ تجویز فرمایا۔ اور قوت شہویہ اور بہیمیہ کے محل پر ختنہ کے داغ سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عضو سرکاری داغ سے داغا گیا ہے، بغیر سرکاری اجازت کے کسی مصرف میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (۲)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”قلفہ“ (سپاری کی اوپری کھال) ایک زائد عضو ہے، جب تک اس کے اندر حشفہ (سپاری) چھپا رہتا ہے انسان کی قوت شہویہ کمزور رہتی ہے، اور جماع میں اسے خاص لذت نہیں ملتی (۳) اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکیم ذات نے اس عضو زائد کو کاٹ کر جدا کرنے کا حکم دیا، تاکہ انسان جماع سے پورا لطف اٹھا سکے، مگر یہ بات امام رازی رحمہ اللہ کے بیان کے خلاف ہے، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشروعیت ختنہ کی وجہ یہ ہے کہ حشفہ میں قوت حس زیادہ ہوتی ہے، وہ جب تک قلفہ کے اندر رہتا ہے اس وقت تک جماع کے وقت غیر معمولی لذت محسوس ہوتی ہے، لیکن جب قلفہ کو کاٹ کر جدا کر دیا جاتا ہے تو

---

(۱) شامی: ۷۵۲/۶، مسائل شتی

(۲) معارف القرآن ادریسی ۲۱۵/۱، قصۂ کامیابی ابراہیم خلیل درامتحان خداوند جلیل الخ

(۳) حجة الله البالغة: ۳۰۹/۱، خصال الفطرة وما يتصل بها

حشفہ میں قدرے سختی آ جاتی ہے جس سے لذت میں کمی ہو جاتی ہے، یہی ہماری شریعت کے مناسب ہے کہ اس نے لذت کو بالکلیہ ختم نہیں کیا، بلکہ اس میں اعتدال پیدا کر دیا۔(۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ کتنی عمر میں ہوا؟

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ختنہ کا حکم دیا گیا تھا تو اس وقت آپ علیہ السلام (۸۰) سال کے تھے (۲) لیکن دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی (۳) اس روایت کو صحیح ابن حبان میں مرفوعاً (۴) اور مستدرک حاکم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا گیا ہے (۵) ان دو روایتوں میں سے پہلی روایت کو ابن حجر نے ترجیح دی ہے، اور دوسری روایت کو غیر مشہور قرار دیا ہے (۶) اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے تو دوسری روایت کی صحت ہی کا انکار کیا ہے (۷) مگر بعض حضرات نے دونوں روایتوں میں تطبیق کی شکل بھی نکالی ہے، اور وہ یہ کہ پہلی روایت جس میں اسی سال کی عمر میں ختنہ کرنے کا حکم دیا جانا مذکور ہے، اس میں نبوت ملنے کے بعد سے اس حکم کے ملنے تک جتنی مدت ہوئی تھی اس کا تذکرہ ہے، اور جس روایت میں ایک سو بیس سال کا ذکر ہے، اس میں پیدائش کے وقت سے لے کر ختنہ کے حکم دیے جانے تک کی کل مدت کا بیان ہے۔(۸)

ختنہ کی شرعی حیثیت

ختنہ کی شرعی حیثیت کی تعیین میں ائمہ کا تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ

---

(۱) فتح الملهم :۱/۳۱۰،باب خصال الفطرة

(۲) فتح الباری :۶/۳۹۰،باب قول الله تعالیٰ واتخذا الله إبراهيم خليلا

(۳) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۲۶۴۶۶،في الختانة من فعلها

(۴) صحيح ابن حبان رقم الحديث :۶۲۰۴،ذكر الوقت الذي اختتن الخ

(۵) مستدرك حاكم رقم الحديث :۴۰۲۲،ذكر إبراهيم النبى ﷺ خليل الله الخ

(۶) فتح الباری :۶/۳۹۰،باب قول الله تعالیٰ واتخذا الله إبراهيم خليلا

(۷) عمدة القاری :۲۲/۲۷۲،باب الختان بعد الكبر

(۸) شامی :۶/۷۵۲،مسائل شتی

رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ (۱) اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں، فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے:

"والأصل أن الختان سنة كما جاء في الخبر "(۲)

"حدیث کی روشنی میں ختنہ کرنا سنت ہے"

مگر یہ سنت مؤکدہ ہے، اور شعائر اسلام میں داخل ہے (۳) اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی بستی والے متفقہ طور پر اس اہم سنت پر عمل نہ کریں، تو امام وقت کی ذمہ داری ہے کہ ان کو اس عمل پر مجبور کرے، اور نہ ماننے کی صورت میں ان سے جنگ بھی کرسکتا ہے (۴) جیسا کہ وقتیہ نمازوں کے لئے اذان دینا سنت ہے، لیکن یہ ایسی مؤکدترین سنت ہے کہ اگر کسی جگہ کے لوگ ترک اذان پر متفق ہو جائیں تو مسلمانوں کے بادشاہ پر لازم ہے کہ وہ انھیں اذان دینے پر مجبور کریں اور اگر اس کے لئے فوج کشی کی ضرورت ہو تو اس سے بھی گریز نہ کریں۔ (۵)

احناف و مالکیہ کا مذہب اور دلائل

خلاصہ یہ ہے کہ احناف و مالکیہ کے نزدیک ختنہ سنت مؤکدہ اور شعائر اسلام میں سے ہے جسے عام حالات میں چھوڑا نہیں جاسکتا، ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"الختان سنة للرجال مكرمة للنساء "(٦)

"ختنہ مردوں کے لئے سنت اور عورتوں کے لئے خوبی اور شرافت

(۱) الشرح الصغير للدردير :۱/۱۵۱،باب الختان والخفاض ، قرة عيون الأخيار لتكملة رد المحتار :۷/۳۴۲،كتاب الخنثى

(۲) در مع الرد :٦/۷۵۲،مسائل شتى

(۳) حوالہ سابق

(۴) تبيين الحقائق :٦/۲۲٦،مسائل شتى

(۵) شامی ۱/۳۸۴،باب الأذان

(٦) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۲٦۴٦۸،في الختانة من فعلها

کی بات ہے“

حدیث مذکور میں ختنہ کے سنت ہونے کی صراحت موجود ہے جس سے دین میں ختنہ کی حیثیت سنت ہونا معلوم ہوتی ہے۔

۲۔ امور فطرت سے متعلق جو حدیث بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ان میں ختنہ کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اور تمام امور فطرت سنت کے قبیل سے ہیں اور اسی سیاق میں ختنہ کا ذکر ہے تو اسے بھی سنت ہونا چاہئے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کالے گورے، رومی، فارسی اور حبشی وغیرہ بکثرت اسلام میں داخل ہوئے؛ لیکن کسی سے یہ تفتیش نہیں کی گئی کہ تم نے ختنہ کرایا یا نہیں؟ اگر ختنہ کرانا واقعۃً واجب ہوتا تو اسکی تحقیق ضرور کی جاتی، اور انہیں ختنہ کرانے کا حکم دیا جاتا، مگر ایسا ثابت نہیں ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ختنہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔(۱)

شوافع وحنابلہ کا مذہب

مگر شوافع اور حنابلہ ختنہ کے واجب ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

” الختان واجب علی الرجال والنساء عندنا وبه قال کثیر من السلف کذا حکاہ الخطابی وممن أوجبه أحمد “(۲)

” ہمارے یہاں مرد اور عورت کا ختنہ واجب ہے، بہت سے اسلاف کی بھی یہی رائے ہے، جیسا کہ علامہ خطابی نے نقل کیا ہے، قائلین وجوب میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں“

(۱) المغني لابن قدامة :۶۴/۱، فصل في الختان

(۲) المجموع شرح المهذب :۳۰۰/۱، باب السواك

شوافع وحنابلہ کے دلائل اوران کا جائزہ

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت کلیب ﷺ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"ألق عنک شعر الکفر واختتن "(۱)

''سر کے بال کٹاؤ اور ختنہ کرو''

ان حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث بالا میں آپ ﷺ نے ختنہ کا امر فرمایا ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس حدیث سے وجوب ختنہ کا ثبوت ملتا ہے۔

مگر حدیث مذکور سے دو وجہ سے استدلال کرنا قابل قبول نہیں، ایک تو اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے؛ چنانچہ حافظ ابن حجر اس حدیث سے وجوب ختنہ پر استدلال کے متعلق کہتے ہیں:

"تعقب بأن سند الحدیث ضعیف "(۲)

''اس استدلال پر اعتراض یہ ہے کہ حدیث کی سند ضعیف ہے''

اور ظاہر ہے کہ ضعیف حدیث سے احکام اور وہ بھی از قبیل وجوب ثابت نہیں کئے جاسکتے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث مذکور کے امر ''اختتن'' سے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے وہ بھی محل غور ہے اس لئے کہ فقہی قاعدہ ہے کہ امر سے وجوب اسی وقت مراد لیا جائے گا جبکہ اس میں وجوب کے علاوہ کسی اور معنی پر دلالت کرنے والا قرینہ نہ پایا جاتا ہو مگر جس امر میں یہ بات نہ پائی جاتی ہو وہ کبھی ندب واستحباب پر بھی محمول ہوتا ہے، مثلاً اسی حدیث کو لیجئے کہ اس میں دو احکام مذکور ہیں، ایک سر کا بال کٹانا، دوسرا ختنہ کرنا، سر کے بال کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کا کٹانا واجب نہیں ہے، تو جب اسکے بعد ختنہ کا حکم دیا گیا ہے تو اس کو بھی واجب نہیں ہونا چاہئے؛ کیوں کہ دونوں حکم صیغۂ امر کے ساتھ ہیں، جب ایک عدم وجوب

(۱) أبو داؤد رقم الحدیث :۳۵۶،باب في الرجل یسلم فیؤمر بالغسل

(۲) فتح الباری :۳۴۱/۱۰،باب قص الشارب

کے لئے ہے تو دوسرا بھی اسی پر محمول ہوگا۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے:

"الأقلف لا تقبل له شهادته و صلاته و ذبيحته"(۱)

''غیر مختون شخص کی گواہی، نماز اور اس کا ذبیحہ قابل قبول نہیں''

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا غیر مختون شخص کے بارے میں اس طرح شدت برتنا کہ ان کی گواہی معتبر نہ ہوگی، نہ اس کی نماز درست ہوگی اور نہ ذبیحہ جائز۔ ظاہر ہے کہ اس سے وجوب کی طرف اشارہ ہے، اسلئے ختنہ کو واجب ہی ہونا چاہئے۔

مگر یہ استدلال بھی کمزور ہے؛ کیوں کہ یہ صحابی کا قول ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد نہیں ہے کہ اسکی مخالفت کی گنجائش نہ ہو، ابن عباسؓ کے علاوہ دیگر صحابہ سے ختنہ کا واجب نہ ہونا بھی منقول ہے۔

۳۔ غیر مختون کے قلفہ میں نجاست (پیشاب اور منی وغیرہ) کا رہ جانا عین ممکن ہے، اس سے بچنا بڑا ہی مشکل ہے، اور قلفہ کے اندر نجاست کا موجود ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کے سرے پر نجاست کا ہونا، اور سرے پر نجاست لگی ہو تو نماز بالاتفاق جائز نہیں ہوتی، اسی طرح اگر قلفہ کے اندر نجاست ہو تو اس سے بھی نماز جائز نہ ہوگی، اس لئے ادائیگی نماز کے لئے یہ ضروری ہے کہ ختنہ کو واجب قرار دیا جائے۔

مگر یہ استدلال بھی وجوب ختنہ کے لئے کافی نہیں ہے، کیوں کہ قلفہ کے اندرونی نجاست کو جو قلفہ کے سرے پر لگی ہوئی نجاست پر قیاس کیا گیا ہے یہ قیاس فاسد ہے، اسلئے کہ قلفہ کے سرے کا حکم ظاہر بدن کا ہے اور قلفہ کے اندر کی نجاست کا حکم بدن کے باطن جیسا ہے، تو جس طرح بدن کی اندرونی نجاست سے نماز کی صحت پر کوئی فرق نہیں آتا، اسی طرح اگر قلفہ کے اندر نجاست ہو تو نماز درست و جائز ہوگی اور اسکی صحت متاثر نہیں ہوگی، اور ابوالطیب طبری رحمہ اللہ وغیرہ نے تو اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ قلفہ کے اندر جو نجاست باقی رہ جاتی ہے وہ قلیل ہوتی ہے جو قابل عفو ہے اس لئے اس کی موجودگی میں نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔(۲)

(۱) مرقاۃ المفاتیح :۲۸۱۴/۷، باب الترجل

(۲) فتح الباری :۳۴۱/۱۰، باب قص الشارب

۴۔ ختنہ کراتے وقت شرمگاہ کو ختنہ کرانے والے کے سامنے کھولنا پڑتا ہے اور دوسرے کے سامنے شرمگاہ کھولنا شرعاً ممنوع ہے، اسی طرح ختنہ کرنے والا شرمگاہ کو دیکھے گا اور یہ بھی ممنوع ہے، ان دونوں فعل پر حدیث میں لعنت آئی ہے(۱) مگر اس کے باوجود شریعت نے ختنہ کراتے وقت ان دونوں ممنوع امر کی اجازت دی ہے، اور ظاہر ہے کہ ختنہ کے واجب ہوئے بغیر شریعت ان دو ممنوع امور کی اجازت نہیں دے سکتی، اس لئے ختنہ واجب ہی ہوگا۔

لیکن خود قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ جب مصلحت جسم (جو ایک دنیوی فائدہ ہے اس) کے واسطے دوا علاج کی غرض سے شرمگاہ کا کھولنا اور بقدر ضرورت ڈاکٹر کا اسے دیکھنا جائز قرار دیا گیا ہے تو مصلحت دینی (ختنہ) کے واسطے شرمگاہ کا کھولنا اور بقدر ضرورت اسے دیکھنا تو بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے، اسلئے یہ دلیل بھی ختنہ کے وجوب کو ثابت کرنے کیلئے ناکافی ہے۔(۲)

۵۔ ختنہ سے الم و تکلیف پہونچتی ہے، اور کسی کو تکلیف پہونچانا صرف تین صورتوں میں درست ہے، ایک یہ کہ اس سے کوئی فائدہ ہو، دوسرے یہ کہ سزا دینا مقصود ہو، تیسرے یہ کہ کسی واجب کی تحصیل کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہو، اور ختنہ میں پہلی دو صورتوں کا وجود نہیں ہے، اس لئے تیسری صورت یعنی اس کا واجب ہونا طے ہوگیا......مگر یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ختنہ کے فوائد کا انکار کرنا غلط ہے، اس لئے کہ اس سے مزید طہارت ونظافت حاصل ہوتی ہے، یہ استبراء (۳) (یعنی استنجاء کے بعد نجاست کے رشحات کے نکل جانے) میں سہولت بخش ہوتا ہے (۴) اہل عرب قلفہ کو معیوب سمجھتے تھے، اور اپنے اشعار میں غیر مختون شخص کی ہجو کیا کرتے تھے (۵) اس کے برخلاف وہ حضرات ختنہ کو خوب اہمیت دیتے

(۱) شعب الإيمان رقم الحديث :۷۳۹۹،فصل في الحمام
(۲) فتح الباری :۳۴۱/۱۰،باب قص الشارب
(۳) استبراء کی تفصیل باب الاستنجاء میں آچکی ہے۔
(۴) حجة الله البالغة:۳۰۹/۱،خصال الفطرة وما يتصل بها
(۵) فتح الملهم :۳۱۰/۱،باب خصال الفطرة

تھے، اور اس موقع سے دعوتیں بھی کرتے تھے (۱) اس کے علاوہ مزید فوائد آئندہ ذکر کئے جائیں گے، لہذا فائدہ کا انکار کرنا واقعہ کے خلاف بات ہے، اس لئے یہ دلیل بھی وجوب ثابت کرنے کے لئے مفید نہیں ہے۔

۶۔ ابوحامد اور ماوردی وغیرہ نے ختنہ کے واجب ہونے پر یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ ختنہ میں ایک ایسے عضو (قلفہ) کو کاٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے جسکا کوئی بدل نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ محض حکم شرعی کی بناء پر ہے، لہذا اسے واجب ہی ہونا چاہئے، جیسا کہ چور کا ہاتھ بھی اسی لئے کاٹا جاتا ہے کہ اس نے ایک حکم شرعی (چوری نہ کرنا) جو اس کے ذمہ واجب تھا اس کی خلاف ورزی کی ہے مگر ختنہ کو چور کے ہاتھ کاٹنے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ چور کا ہاتھ تو ایک سنگین جرم کی پاداش میں کاٹا جاتا ہے اور زیر بحث مسئلہ (ختنہ) میں یہ بات نہیں پائی جاتی ہے۔

اسی طرح کے اور دلائل بھی قائلین وجوب کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں، مگر بقول علامہ شوکانی رحمہ اللہ: صحیح بات یہ ہے کہ وجوب ختنہ کے دلائل ناکافی ہیں، اور فطرت والی حدیث کی روشنی میں اس کا سنت ہونا ہی راجح معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"والحق أنه لم يقم دليل صحيح يدل على الوجوب والمتيقن السنية كما فى حديث خمس من الفطرة ونحوه "(۲)

''حق بات یہ ہے کہ وجوب ختنہ پر کوئی صحیح دلیل قائم نہیں ہے، اور خمس من الفطرۃ اور اس جیسی دوسری احادیث کی روشنی میں ختنہ کا سنت کے قبیل سے ہونا ہی یقینی ہے''

ختنہ کا وقت

ختنہ کے وقت کے سلسلے میں شرعاً کوئی حتمی تحدید منقول نہیں ہے، اور اس بارے میں عمل بھی مختلف رہا ہے، حضور اکرم ﷺ کے نواسے حضرات حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کا ختنہ ساتویں

---

(۱) فتح البارى :۳۴۱/۱۰، باب قص الشارب

(۲) نيل الأوطار :۱۴۶/۱، باب الختان

دن کیا گیا تھا(۱) حضرت اسحاق علیہ السلام کا ختنہ بھی ساتویں دن ہوا تھا، البتہ ان کے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تیرہ سال کی عمر میں کیا گیا(۲) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اہل عرب کا یہ معمول بیان کرتے ہیں :

"کانوا لا یختنون الرجل حتی یدرک "(۳)

"وہ حضرات بالغ ہونے کے بعد ہی ختنہ کیا کرتے تھے"

امام مالک رحمہ اللہ اہل مدینہ کا عام معمول یہ نقل کرتے ہیں کہ جب بچہ کے سامنے کا دانت ٹوٹنے کا وقت ہوجاتا تھا تب ختنہ کرایا جاتا تھا(۴) اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ سے کچھ بھی منقول نہیں ہے۔اسی لئے بعد کے مشائخ کے درمیان تحدید وقت میں اختلاف ہوگیا ہے(۵) چنانچہ اس تعلق سے کتب فقہ میں مشائخ کے مختلف اقوال ملتے ہیں، مثلاً ساتواں دن، ساتواں سال، دسواں سال، بارھواں سال، بلوغ کے قریب، بلوغ کے بعد(۶) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ بچہ کی صحت اور قوت برداشت کو دیکھ کر ختنہ کیا جائے، اگر اس میں قوت برداشت ہو تو جتنی جلد ممکن ہو اس کا ختنہ کردیا جائے، تاکہ تاخیر کی وجہ سے اس کے زخم کے مندمل ہونے میں دیر نہ لگے، کیونکہ جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی زخم کے ٹھیک ہونے میں وقت لگے گا، اسی لئے علامہ حصکفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

"قیل العبرة بطاقته وهو الأشبه " (۷)

"بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ختنہ میں بچوں کی قوت برداشت کا لحاظ

---

(۱) السنن الکبری للبیهقی رقم الحدیث :۱۷۵۶۳،باب السلطان یکره علی الاختتان الخ

(۲) زاد المعاد :۳۰۴/۲،فصل في هديه ﷺ في تسمية المولود وختانه

(۳) بخاری رقم الحدیث :۶۲۹۹،باب الختان بعد الکبر

(۴) عمدة القاری :۲۷۴/۲۲،باب الختان بعد الکبر

(۵) فتح الملهم :۳۱۰/۱،باب خصال الفطرة

(۶) درمع الرد :۷۵۱/۶،مسائل شتی ، المجموع شرح المهذب :۳۰۳/۱،باب السواك

(۷) درمع الرد :۷۵۱/۶،مسائل شتی

کیا جائے، اور یہی درست بات ہے (وقت کی اس بارے میں کوئی تحدید نہیں ہے)''

ختنہ کا طریقہ

ختنہ کہتے ہیں مرد کے عضو مخصوص کی اس کھال کے کاٹ دینے کو جو سپاری (حشفہ) کو چھپائے ہوئے ہوتی ہے (۱) لہٰذا ختنہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ حشفہ کو ڈھانکے ہوئے کھال کو حشفہ کی جڑ سے مکمل طور پر کاٹ کر جدا کر دیا جائے، تا کہ حشفہ کا کوئی حصہ کھال سے ڈھکا ہوا نہ رہ جائے، اور اگر کسی وجہ سے اتنی مقدار نہ کاٹی جا سکتی ہو تو کم از کم اتنا کاٹ ڈالنا بہر حال ضروری ہے کہ کھال سے حشفہ نہ ڈھک سکے (۲) اسی وجہ سے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کسی بچہ کا ختنہ کیا گیا، مگر نصف یا اس سے زائد حشفہ کھال سے چھپا ہی رہ گیا تو ختنہ معتبر نہ ہوگا، دوبارہ ختنہ کرانا ہوگا، البتہ اگر نصف سے کم ڈھکا ہوا ہو تو دوبارہ ختنہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۳) صاحب محیط نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر کسی بچہ کا ختنہ تو ہوا، لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کی کھال اتنی بڑھ گئی کہ اس کا حشفہ اس سے ڈھک گیا تو پھر ختنہ کرانا ہوگا، اور اگر ایسا نہیں ہے تو دوبارہ اس کی ضرورت نہ ہوگی۔ (۴)

مختون پیدا ہونیوالے بچہ کا حکم

بعض بچے مختون ہی پیدا ہوتے ہیں، ایسے بچہ کے بارے میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اتباع سنت کے پیش نظر استحباباً اس مقام پر صرف استرہ پھیر دیا جائے (۵) مگر ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک مہمل عمل ہے، اس لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (۶)

بعض دوسرے حضرات نے اپنے تجربہ ومشاہدہ کی بناء پر یہ لکھا ہے کہ مختون پیدا

(۱) فتح الملهم :۳۱۰/۱،باب خصال الفطرة
(۲) نيل الاوطار :۱۴۱/۱،باب سنن الفطرة
(۳) هنديه :۳۵۷/۵،الباب التاسع عشر في الختان الخ
(۴) حوالہ سابق
(۵) مرقاة :۲۸۱۴/۷،باب الترجل ، فتح الباری :۳۴۰/۱۰،باب قص الشارب
(۶) تحفة المودود بأحكام المولود : ۱۹۸/۱، في المسقطات لوجوبه

ہونے والے بچوں کا ختنہ عموماً ناقص ہوتا ہے، پورا حشفہ کھلا ہوا نہیں ہوتا ہے، اس لئے صرف استرہ پھیرنا کافی نہ ہوگا، بلکہ حشفہ کے ظاہر ہونے کی حد تک ختنہ کرنا ضروری ہوگا، چنانچہ ابوشامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"وغالب من يكون كذلك لايكون ختانه تاما بل يظهر طرف الحشفة فإن كان كذلك وجب تكميله"(۱)

"جو بچہ مختون پیدا ہوتا ہے اس کا ختنہ عام طور پر ناقص ہوتا ہے، حشفہ کا کچھ ہی حصہ ظاہر ہوتا ہے، اگر واقعۃً ایسا ہی ہو تو حشفہ کے ظاہر ہونے کی حد تک ختنہ کرانا ضروری ہوگا"

ختنہ کس سے کرائے؟

اگر اپنا ختنہ خود کر سکتا ہو تو بہتر یہ ہے کہ خود کر لے، دوسرے سے نہ کرائے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود کیا تھا (۲) اور اگر خود نہ کر سکتا ہو اور اس کی بیوی یہ عمل جانتی ہو تو اس سے کرائے، مگر آج کل ان دونوں صورتوں پر عمل نہیں ہے، دیہاتوں میں ختنہ اس کے ماہرین سے کرایا جاتا ہے، اور جہاں اس عمل کے لئے ڈاکٹر بسہولت مل جاتے ہیں تو ان سے کرایا جاتا ہے، البتہ اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ ختنہ خواہ جس سے بھی کرایا جائے وہ سنت کے مطابق ختنہ کرنا جانتا ہو، اگر کوئی غیر مسلم ڈاکٹر ختنہ کرنے میں ماہر اور تجربہ کار ہو تو اس کی خدمات لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ سے اسی قسم کا ایک سوال کیا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے جواباً تحریر فرمایا :

"واقف کار غیر مسلم ڈاکٹر سے ختنہ کرانا جائز ہے"(۳)

یہی حکم بچہ اور بالغ دونوں کا ہے، جہاں تک بالغ کے ستر کو دوسروں کے سامنے کھولنے کا شبہ ہے تو اس جیسی ضرورت میں ستر کو دوسروں کے سامنے کھولنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، علامہ کردری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(۱) فتح الباری:۳۴۰/۱۰،باب قص الشارب
(۲) فتح الباری:۳۴۰/۱۰،باب قص الشارب
(۳) كفاية المفتی :۲۹۶/۲،كتاب الختان والخفاض

”ویجوز النظر إلی فرج الرجل للختن “(۱)

”ختنہ کرنے کی غرض سے شرمگاہ دیکھنا جائز ہے“

اور صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں:

”فلا بأس أن ینظر الرجل من الرجل إلی موضع الختان لیختنہ ویداویہ بعد الختن “(۲)

”ختنہ کرنے کی غرض سے شرمگاہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح ختنہ کرنے کے بعد بغرض علاج بھی شرمگاہ دیکھی جاسکتی ہے“

اور مبسوط میں بھی یہ تصریح ہے کہ بغرض ختنہ شرمگاہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ (۳) کیوں کہ اگر ختنہ کو سنت قرار دیا جائے تو بھی اس کا درجہ مباح سے بڑھا ہوا ہے، اور جب علاج کرانا صرف مباح ہے، اور اس میں ضرورۃً شرمگاہ کی طرف دیکھنا اور اسے چھونا جائز ہے تو اس سنت کی تکمیل کے واسطے اس کا چھونا اور اس کی طرف دیکھنا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ (۴)

ختنہ اور خطرات

ختنہ کرانے میں بہرحال خطرات ہیں، کیونکہ اس میں جسم کے ایک حصہ کو کاٹ کر جدا کردیا جاتا ہے، کبھی کبھی صحت کی کمزوری اور دیگر عوارض کی وجہ سے جان کی ہلاکت تک نوبت آجاتی ہے، اس لئے ختنہ کرتے وقت بچہ کی سکت اور اس کی قوت برداشت کو مدنظر رکھنا چاہئے، اگر اس میں ایسی سکت نہ ہو کہ وہ ختنہ کے زخم کو برداشت کرسکے تو ختنہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ اس میں قوت برداشت آجانے کا انتظار کرنا چاہئے (۵) اور جب اس میں

---

(۱) بزازیہ علی الھندیہ :۳۷۲/۶،کتاب الکراھیة ، التاسع في المتفرقات

(۲) بدائع ۱۲۳/۵،کتاب الاستحسان

(۳) المبسوط لامام محمد:۶۴/۳،کتاب الاستحسان

(۴) امداد الفتاوی ۲۳۹/۴، بالوں کے حلق وقصر اور خضاب وغیرہ کے احکام

(۵) قاضی خاں علی الھندیہ :۴۰۹/۳،فصل في الختان

تحمل و برداشت کی صلاحیت ہو جائے تو پھر ختنہ کرانے میں تاخیر نہ کی جائے، ایک شخص نے اپنے تین بچوں کا یکے بعد دیگرے ختنہ کرایا، اور تینوں بچے دو تین دنوں کے بعد تپ و بخار کے عارضہ میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے اب وہ شخص اپنے چوتھے بچہ کے ختنہ کرانے کے سلسلے میں متردد تھا، اس نے اس سلسلہ میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سے استفسار کیا، تو انہوں نے جواباً تحریر فرمایا:

''صورت مسئولہ میں ترک ختنہ جائز نہیں ہے، لیکن تاخیر بلوغ تک درست ہے، اچھے موسم میں اور جبکہ وہ لڑکا متحمل اس کا ہو سکے، ہوشیار شخص سے ختنہ کرائی جاویں''(۱)

اسی طرح جو بالغ ختنہ نہ کرا سکا ہو، یا ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوا ہو، اور وہ مرض وغیرہ کی وجہ سے ضعیف و ناتواں ہو تو ختنہ کا تحمل آ جانے تک انتظار کیا جائے اور اس کے بعد ان کا ختنہ کیا جائے (۲) اور اگر اسے تحمل و برداشت نہ ہو تو یونہی چھوڑ دیا جائے اور ختنہ نہ کیا جائے۔(۳)

غیر مختون بالغ

اگر غیر مختون شخص بالغ ہو گیا، اور وہ سستی و غفلت کی بناء پر ختنہ نہیں کرا رہا ہے تو مسلمان حاکم پر یہ لازم ہے کہ وہ اسے ختنہ کرانے پر مجبور کرے، اور اگر اس کا ختنہ جبراً کر دیا گیا اور اسی حالت میں اتفاق سے وہ مر گیا تو حاکم پر ضمان لازم نہ آئے گا، کیونکہ حاکم اس جبر کا شرعاً پابند تھا، اور جب اس نے ایک شرعی ذمہ داری کو نبھانے کے لئے یہ اقدام کیا، اور اس کے نتیجے میں سامنے والے کا انتقال ہو گیا تو اس کا ضامن حاکم نہ ہوگا، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ومن بلغ غير مختون أجبره الحاكم عليه فإن مات

(۱) عزیز الفتاوی ۶/۴۳۷، سوال نمبر: ۱۲۲۷

(۲) موسوعه فقهيه ۲۹/۱۹، وقت الختان

(۳) تبيين الحقائق ۶/۲۲۷، مسائل شتى

فهو هدر لموته من فعل ماذون فيه شرعا"(۱)

''جو شخص غیر مختون ہونے کی حالت میں بالغ ہو جائے تو حاکم وقت اس پر جبر کرے گا، اور اگر اس کی وجہ سے وہ مر جائے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا، کیونکہ اس نے ایک شرعی حکم کو نافذ کیا ہے''

غیر مختون شخص شریعت کی نگاہ میں

اگر کوئی شخص ختنہ کے سنت ہونے کا قائل ہے، اور اسے شعائر اسلام میں سے ہونا بھی جانتا ہے، نیز ختنہ کرانے میں جان یا عضو کے تلف ہو جانے کا اندیشہ بھی نہیں ہے، پھر بھی وہ لاپرواہی کی بناء پر ختنہ سے گریز کرتا ہے، تو اس کا یہ فعل چونکہ گناہ پر اصرار کرنے کے مرادف ہے اس لئے وہ شرعاً فاسق شمار ہوگا:

''وإن ترك الختان من غير ضرر وهو يعتقد وجوبه فسق قاله في مجمع البحرين "(۲)

''مجمع البحرین میں ہے کہ اگر کوئی شخص وجوب ختنہ کا قائل ہو، اور ختنہ کرانے میں کوئی ضرر بھی نہ ہو، پھر بھی ختنہ نہ کرائے تو وہ شخص شرعاً فاسق ہے''

غیر مختون کا غسل

غیر مختون شخص پر اگر غسل جنابت واجب ہو جائے تو قلفہ (حشفہ کو ڈھانپنے والی کھال) کے اندر پانی کا پہونچانا غسل کرتے وقت ضروری ہے؟ ابوبکر بلخی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جس طرح کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل جنابت میں ضروری ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ قلفہ کے اندر بھی پانی ڈالا جائے، اس کے بغیر غسل درست نہ ہوگا (۳) لیکن عام فقہاء احناف کا کہنا ہے کہ قلفہ کے اندر پانی کا پہونچانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ وہ کھال

---

(۱) شامی: ۷۵۲/۶، مسائل شتی

(۲) كشاف القناع: ۸۱/۱، فصل الامتشاط والدهان

(۳) خانيه على الهنديه: ۴۰۹/۳، فصل في الختان

پیدائشی ہے، لہٰذا بتکلف اس کے اندر پانی پہونچانے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے بغیر بھی غسل جنابت ہوجائیگا، البتہ حشفہ کی اوپری کھال (قلفہ) اور اس کے سرے کو اہتمام سے دھونا لازم ہوگا۔(۱)

غیر مختون کا انتقال

غیر مختون شخص کا اگر انتقال ہوجائے تو احناف کے یہاں اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کا ختنہ نہ کیا جائے، اسی حالت میں اس کی تجہیز وتکفین کردی جائے، البتہ فقہ حنبلی میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت ہے کہ اس کا ختنہ کیا جائے گا، اس کے بعد تجہیز وتکفین عمل میں آئیگی، اور دوسری روایت احناف ہی کے مطابق ہے کہ اس کا ختنہ نہ کیا جائے، یہی اکثر حنابلہ کا قول ہے، علامہ ابن قدامہ نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔(۲)

غیر مختون کا ذبیحہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ غیر مختون شخص کا ذبیحہ حلال نہیں ہے (۳) امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے، لیکن ابن قدامہ رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے؛ کیونکہ یہ شخص مسلمان ہے اور مسلمان کا ذبیحہ بالاتفاق صحیح ہے، لہٰذا اس کا ذبیحہ بھی جائز ہوگا، نیز شریعت میں زانی، قاذف اور شرابی کا ذبیحہ ان سب کے فسق کے باوجود صحیح ہے، تو غیر مختون شخص جو ایک سنت اور ایک اسلامی شعار کا تارک ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ شرعاً فاسق کہلانے کا مستحق ہے تو اس کا ذبیحہ کھانے میں کیا مضائقہ ہے، اسی طرح اسلام میں اہل کتاب کا ذبیحہ کھانے کی اجازت ہے، جبکہ وہ غیر مختون ہونے کے ساتھ کافر بھی ہے اور یہ شخص تو صرف غیر مختون ہے، ایمان کی دولت تو بہرحال اس کے پاس ہے، لہٰذا اس کا ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کا ذبیحہ حلال اور درست ہے۔(۴)

---

(۱) خانیه علی الهندیه :۳۴/۱، باب الوضوء والغسل

(۲) المغني :۴۰۴/۲، مسألة إن كان شارب الميت طويلا أخذ وجعل معه

(۳) مرقاة :۲۸۱۴/۷، باب الترجل

(۴) المغنی :۳۹۰/۹، کتاب الصید والذبائح

عورتوں کا ختنہ

عورتوں کا ختنہ جس کو عربی میں ''خفاض'' کہتے ہیں عرب میں اس کا رواج تھا، آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''الختان سنة للرجال مكرمة للنساء ''(۱)

''ختنہ کرانا مردوں کے لئے سنت اور عورتوں کے لئے خوبی اور شرافت کی بات ہے''

ام عطیہ نامی ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے زمانے میں عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے انھیں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ کاٹنے میں مبالغہ نہ کیا کرو، بلکہ تھوڑی مقدار کاٹا کرو کہ اس میں مرد وعورت دونوں کا فائدہ ہے (۲) البتہ عورتوں کے ختنہ کے متعلق کوئی تاکید یا حکم آپ ﷺ کے ارشاد سے ثابت نہیں ہے، اسی لئے تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ عورتوں کا ختنہ مردوں کی طرح سنت مستقلہ نہیں ہے، اگر کیا جائے تو اچھا ہے، اور نہ کیا جائے تو شرعاً کوئی الزام ومواخذہ بھی نہیں ہے۔

''أجمع الفقهاء والأئمة المجتهدون على أن الختان مستحب للأنثى وليس بواجب ''(۳)

''فقہاء اور ائمہ مجتہدین متفقہ طور پر عورتوں کے ختنہ کو مستحب قرار دیتے ہیں، اور ان کے ختنہ کے عدم وجوب کے قائل ہیں''

شیخ ابوعبداللہ بن الحاج نے مدخل میں لکھا ہے کہ ہر عورت کا ختنہ مستحب نہیں ہے بلکہ اس میں مشرقیہ ومغربیہ کا فرق ہے کہ مشرقیہ عورتوں کا ختنہ کیا جائے؛ کیونکہ انہی کی شرمگاہ میں پیشاب کے مخرج سے اوپر گوشت کا کچھ حصہ مرغے کی کلغی کی مانند ابھرا ہوا ہوتا ہے، جسے کاٹ دینے سے جماع میں اور لذت محسوس ہوتی ہے، اور عورتوں کے لئے بھی اچھی اور شرافت کی

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۲۶۴۶۸،في الختانة من فعلها

(۲) أبو داؤد رقم الحديث :۵۲۷۱،باب ماجاء في الختان

(۳) تربيت الأولاد :۱/۱۱۴،هل على الأنثى ختان؟

بات ہے، البتہ مغربی علاقوں میں رہنے والی عورتوں کا ختنہ نہ کیا جائے کیونکہ اس کی شرمگاہ میں گوشت کا وہ زائد حصہ نہیں ہوتا ہے(۱) شاید اسی بناء پر ہندوستان وغیرہ میں عورتوں کا ختنہ نہیں ہوتا ہے۔

عورتوں کے ختنہ کی ابتداء

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت ہاجرہ، حضرت سارہ رضی اللہ عنہما کی باندی تھیں، لیکن انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کردیا تھا، کچھ دنوں کے بعد حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، اور حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوئے، یہ دونوں حضرات جب بڑے ہوئے تو دونوں میں دوڑ کی بازی لگی، اس مقابلہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے آگے بڑھ گئے اور بازی جیت کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں آ بیٹھے، حضرت سارہ علیہا السلام کو اپنے بچہ کے پیچھے رہ جانے پر غیرت آئی، اور وہ قسم کھا بیٹھیں کہ ہم ہاجرہ علیہا السلام کی تین معزز ترین چیزیں کاٹ ڈالیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوف ہوا کہ حضرت سارہ علیہا السلام جذبات سے مغلوب ہوکر کہیں ان کے کان اور ناک نہ کاٹ ڈالیں، اس لئے اس معاملہ میں دخل دیتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا کہ اگر تم اپنی قسم کو پورا کرنا چاہتی ہو تو اس کے کان کو چھید ڈالو اور ختنہ کردو، اس طرح تمہاری قسم پوری ہوجائے گی، چنانچہ حضرت سارہ علیہا السلام اس پر راضی ہوگئیں، گویا عورتوں میں سب سے پہلا ختنہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا ہوا، اور ختنہ کرنے والی سب سے پہلی عورت حضرت سارہ علیہا السلام ہیں جنھوں نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا ختنہ کیا تھا۔(۲)

عورتوں کے ختنہ کا طریقہ

عورت کے ختنہ کی صورت یہ ہے کہ پیشاب کے مخرج کے اوپری حصہ کے ابھرے ہوئے چمڑے (جو مرغ کی کلغی کی طرح معلوم ہوتے ہیں) کو کاٹ دیا جائے (۳) مگر کاٹنے

(۱) المدخل لابن الحاج :۲۹۶/۳،فصل الختان
(۲) شعب الإيمان رقم الحديث :۸۲۷۷،حقوق الأولاد
(۳) شامی :۱۶۷/۱،سنن الغسل

میں مبالغہ نہ کیا جائے، بلکہ اس کا تھوڑا سا حصہ کاٹا جائے، اس کا بالکل جڑ سے جدا کردینا مناسب نہیں (۱) آپ ﷺ نے مدینہ میں ختنہ کرنے والی ام عطیہ نامی ایک صحابیہ جن کا اصلی نام ''نسیبہ'' (۲) تھا ان سے فرمایا کہ تم ختنہ کرتے وقت مبالغہ سے کام نہ لیا کرو، بلکہ اس کا صرف تھوڑا سا حصہ جدا کرنے پر اکتفاء کیا کرو۔ (۳)

ختنہ کے وقت دف

ختنہ کے وقت دف بجانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، ابن قدامہ اپنی مشہور کتاب ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

''قال أحمد : لا بأس بالدف في العرس والختان'' (۴)

امام احمد کا کہنا ہے کہ نکاح اور ختنہ کے موقع سے دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حنابلہ کے علاوہ دیگر مکاتب فقہیہ کی کتابوں میں اس کی صراحت نہ مل سکی، البتہ نفس دف بجانے کے جواز کے قائل تقریباً تمام فقہاء ہیں، اور نکاح کے موقع سے دف بجانے کا ذکر ائمہ اربعہ کی کتابوں میں عام طور پر ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے یہاں ختنہ کے موقع سے بھی دف بجانے کی گنجائش ہے۔

ختنہ کی اجرت

اگر بچہ کے پاس مال ہو تو اجرت خود اس کے مال سے ادا کی جائیگی، ورنہ اس کا باپ اجرت ادا کریگا، ابن عابدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

''وأجرة ختان الصبي على أبيه إن لم يكن له مال'' (۵)

''اگر بچہ کے پاس مال نہ ہو تو اس کے ختنہ کی اجرت باپ پر لازم ہوگی''

(۱) فتح الملهم :۳۱۰/۱، باب خصال الفطرة

(۲) العرف الشذی مع الترمذی رقم الحديث :۹۹۰، باب ما جاء في غسل الميت

(۳) ابوداؤد رقم الحديث :۵۲۷۱، باب ما جاء في الختان

(۴) المغنی :۸۳/۷، فصل إعلان النكاح والضرب فيه بالدف

(۵) شامی: ۷۵۱/۶، مسائل شتی

یہی تفصیل امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں بھی ہے، چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أجرة ختان الطفل فی ماله فإن لم یکن له مال فعلی من علیه نفقته"(۱)

''بچہ کے ختنہ کی اجرت خود اس کے مال میں سے ادا کی جائیگی اوراگراس کے پاس مال نہ ہوتو جس پر بچہ کا نفقہ واجب ہےاس پر اس کے ختنہ کی اجرت لازم ہوگی''

ختنہ کی دعوت

ختنہ کے موقع سے دعوت دینا اور اس کا قبول کرنا جمہور علماء کے نزدیک بہتر اور مستحب ہے(۲) لازم وضروری نہیں ہے(۳) طبرانی میں ہے:

"الخرس والإعذار والتوکیر أنت فیه الخیار"(۴)

''تین دعوتوں کا تجھے اختیار ہے، بچہ کی پیدائش پر دعوت کرنا، ختنہ کے موقع سے دعوت کرنا اور گھر کی تعمیر سے فراغت کی خوشی پر دعوت کرنا''

اس روایت سے بھی ختنہ کے موقع سے دعوت دینے اور قبول کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے(۵) البتہ مسند احمد کی ایک روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن ابی العاص ﷺ کو ایک ختنہ کے موقع سے دعوت دی گئی تو انہوں نے فرمایا تھا:

"إنا کنا لا نأتی الختان علی عهد رسول الله ﷺ ولا ندعی له"(۶)

---

(۱) المجموع شرح المهذب :۳۰۶/۱،باب السواك

(۲) فتح الباری :۲۴۷/۹،باب إجابة الداعی في العرس وغیره

(۳) موسوعه فقهیه :۳۳۷/۲۰،حکم إجابة الدعوة

(۴) فتح الباری :۲۴۲/۹،باب حق إجابة الولیمة والدعوة

(۵) حوالہ سابق

(۶) مسند أحمد رقم الحدیث :۱۷۹۰۸،حدیث عثمان بن أبي العاص ﷺ

''ہم آپ ﷺ کے عہد میمون میں ختنہ کی دعوت میں نہیں جایا کرتے تھے، اور نہ ہی ہم کو دعوت دی جاتی تھی''

یہ روایت ختنہ کے وقت دعوت کی عدم مشروعیت کو بتلاتی ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابوالشیخ کے حوالے سے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ وہ ختنہ کسی بچی کا تھا، حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو اسی موقع سے دعوت دی گئی تھی، تب آپ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا تھا، گویا آپ رضی اللہ عنہ کی نکیر اس بات پر تھی کہ بچیوں کے ختنہ میں دعوت کا اہتمام نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس موقع سے اخفاء کا حکم ہے، البتہ بچوں کے ختنہ کے موقع سے دعوت دینے اور قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ المدخل میں ہے:

''والسنة في ختان الذكر إظهاره وفي ختان النساء إخفاء ه''(۱)

''بچوں کا ختنہ علانیہ کرنا اور بچیوں کا اخفاء کے ساتھ کرنا سنت ہے''

خلاصہ یہ کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد عام نہیں ہے، بلکہ بچیوں کے ختنہ کے ساتھ مخصوص ہے، اور اگر حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو عام مان بھی لیا جائے کہ ختنہ خواہ بچہ کا ہو یا بچی کا، دونوں کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے، تو مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں اس کی یہ توجیہ کی ہے:

''لاندعی له'' کا مطلب سرے سے دعوت کا انکار نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں دعوت کا رواج نہیں تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس اباحت بھی نہیں ہے''(۲)

البتہ آجکل دعوتوں کا جو اہتمام ہوتا ہے، اور جس کے لئے بڑے لمبے چوڑے انتظامات کئے جاتے ہیں، اور لوگوں کو آدمی اور خطوط بھیج کر بلایا جاتا ہے اور جمع کیا جاتا ہے یہ بالکل خلاف سنت ہے(۲) چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ہی رقمطراز ہیں:

(۱) المدخل لابن الحاج :۲۹۶/۳،فصل الختان
(۲) کفایت المفتی ۲۹۶/۲،کتاب الختان والخفاض ، ملخصا
(۳) اصلاح الرسوم،ص:۴۶، چوتھی فصل منجملہ ان کے وہ رسوم میں جو ختنہ میں عوام نے اضافہ کررکھی ہے

''ختنہ کی تقریب میں شریک ہونا اور کھانے میں شریک ہونا فی حد ذاتہ جائز ہے، بشرطیکہ ریا اور شہرت کے لئے یہ کام نہ ہو، اور قرض وادھار لے کر یہ کام نہ کیا جائے، اور کوئی ناجائز کام مثلاً گانا بجانا نہ ہو'' (۱)

ختنہ کے فوائد

گذشتہ سطور میں آپ نے ختنہ کے متعلق ضروری تفصیلات معلوم کرلیں، اب اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ایک نظر اس پر بھی ڈال لیں کہ آجکل کی سائنس اس کے متعلق کیا کہتی ہے، ذیل میں ہم ختنہ کے فوائد سے متعلق ڈاکٹروں کی بعض تحقیقات پیش کریں گے۔

جنسی اعضاء کی نظافت

ختنہ سے جنسی اعضاء کی صفائی اچھی طرح ہوتی رہتی ہے، ڈاکٹر شیوں کا کہنا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی جنسی اعضاء کی نظافت کا معاملہ غیر اطمینان بخش ہے، برطانیہ کے غیر مختون اسکولی بچوں کے ایک سروے سے پتہ چلا کہ ان میں ستر فیصد کی جنسی اعضاء کی صفائی کی حالت بہت خراب تھی، ڈنمارک کے اندر ایک جائزے سے پتہ چلا کہ چھ سال کے غیر مختون بچوں میں ۶۳ فیصد کا قلفہ گندگی کی وجہ سے چپکا ہوا تھا (۲) اور یہی ڈاکٹر یہ بھی لکھتے ہیں کہ بلاشبہ بچے کا ختنہ عمر بھر کے لئے جنسی اعضاء کی نظافت کا کام آسان کر دیتا ہے۔ (۳)

ایڈس سے حفاظت

ایڈس کی بیماری جس نے آج پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، ہر ملک میں اس مرض سے متاثر لاکھوں جوان زندگی کے آخری سانس گن رہے ہیں، سائنسی تحقیق کی روشنی میں ڈاکٹر اس نتیجہ پر پہونچ رہے ہیں کہ اس مرض سے حفاظت اور کسی حد تک اس کی روک تھام میں موثر ختنہ کرانا بھی ہے، ڈاکٹر رابرٹ بیلے وغیرہ نے کہا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہیلتھ افسر

---

(۱) کفایۃ المفتی ۲/۲۹۵، کتاب الختان والخفاض

(۲) سنت نبوی اور جدید سائنس ۲/۳۶۰، ختنہ کے فوائد - مشاہدات وتجربات

(۳) حوالہ سابق

ختنوں کوفروغ دینے کے لئے مہم چلائیں، تاکہ ایچ آئی وی کو روکنے میں مدد مل سکے، انہوں نے کہا ہے کہ ہمارے پاس اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ ہم ایڈس کی بیماری کیخلاف مہم میں ختنے کو بھی شامل کرلیں۔(۱)

قضیب کے کینسر سے حفاظت

قضیب کا کینسر دنیا کے بیشتر مما لک کے لئے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے، خاص طور پر چین، یوگانڈا اور بوتو ریکو میں ۱۲ سے ۲۲ فیصد مردوں کو یہ بیماری لاحق ہے، امریکی میگزین برائے امراض اطفال نے ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ غیر مختون شخص قضیب کے کینسر کا کسی بھی وقت شکار ہوسکتا ہے، اس کا سد باب اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ نومولود کا ختنہ کردیا جائے (۲) شعبہ امراض اطفال کے صدر ''پروفیسر وائس ویل'' کا خود اپنے بارے میں بیان ہے:

> ''۱۹۷۵ء میں میں بھی ختنہ کا سخت ترین دشمن تھا، اور ختنہ کا تناسب کم کرنے کے لئے اس وقت جو کوششیں جاری تھیں ان میں میں بھی شریک تھا، لیکن سن اسی کی دہائی کے اوائل میں کئے گئے سروے سے پتہ چلا کہ غیر مختون بچوں کے اندر پیشاب کی نالی کی سوزش کا مرض نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے، اس کے باوجود ختنہ کو معمولات زندگی میں شامل کرنا میری تجویز نہ تھی، الا یہ کہ بوقت ضرورت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے، لیکن جب اس موضوع پر مزید تحقیق کی گئی، اور انتہائی باریک بینی سے اس کا مطالعہ کیا گیا تو نتیجہ برعکس نکلا، اور ختنہ کو معمولات زندگی میں شامل کئے جانے کا حامی بننا پڑا اور اس کی مخالفت سے بھی رجوع کرنا پڑا، اور بچوں کے ختنہ کے فوائد کی پرزور تائید کی گئی'' (۳)

(۱) ماہنامہ اللہ کی پکار ۸/۷ نئی دہلی اگست ۲۰۰۰ء
(۲) سنت نبوی اور جدید سائنس ۳۶۱/۲، ختنہ کے فوائد - مشاہدات وتجربات
(۳) سنت نبوی اور جدید سائنس ۳۵۹/۲، ختنہ کے فوائد - مشاہدات وتجربات

جنسی امراض سے حفاظت

آسٹریلیا کے ایک سروے سے پتہ چلا کہ غیر مختون حضرات عام طور پر آلہ تناسل پر چھالے، سوزاک، اور آتشک کے شکار ہو جاتے ہیں (١) اسی طرح شرمگاہ کے کینسر، پیشاب کی بندش، گردے کی پتھری، غیر ضروری شہوت اور خیالات کے انتشار، اگزیما، خارش اور الرجی میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، اور ان کی بیویوں میں بھی یہ بیماریاں منتقل ہونے کا امکان پایا جاتا ہے (٢) برطانیہ کے لانسٹ نامی مشہور میگزین کے ١٩٨٩ء کے شمارے میں شائع مضمون بتاتا ہے کہ اگر بچوں کا ختنہ شروع میں کر دیا جائے تو پیشاب کی نالی کی سوزش ٩٠ فیصد کم کی جا سکتی ہے (٣) ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ایک مادہ جو کہ ختنہ والی جگہ کے اندر رہتا ہے، کینسر کا اہم سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ختنہ کرواتے ہیں ان میں اس جگہ کینسر کے خطرات کم ہوتے ہیں، اسی وجہ سے مسلمانوں میں اس جگہ کا کینسر بہت کم ہے؛ کیونکہ ان کے بچپن میں ختنے ہو جاتے ہیں۔ (٤)

---

(١) حوالہ سابق: ٣٦٢/٢

(٢) سنت نبوی اور جدید سائنس ٢٦٤/١، ختنہ کے فوائد - مشاہدات و تجربات

(٣) حوالہ سابق: ٣٦٠/٢، ختنہ کے فوائد - مشاہدات و تجربات

(٤) حوالہ سابق

دوسری فصل

غسل جمعہ

پاکیزگی ونظافت کے قبیل سے غسل جمعہ بھی ہے، غسل جمعہ کواحادیث میں امور فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے(۱) غسل جمعہ کے متعلق ضروری تفصیلات پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے کچھ فضائل احادیث صحیحہ کی روشنی میں بیان کردیئے جائیں۔

جمعہ کے دن کے فضائل

جمعہ کا دن سب سے افضل اور بہترین دن ہے(۲) حدیث میں اسے سیدالایام کہا گیا ہے، اس دن بڑے اہم امورانجام پائے ہیں، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن آپ علیہ السلام جنت میں داخل کئے گئے، اور ایک لغزش کے نتیجے میں اسی دن جنت سے نکالے گئے اوراسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، اسی دن آپؑ کوزمین پراتارا گیا اسی دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگرکوئی مسلمان اس گھڑی میں اللہ تبارک وتعالی سے دعا کرے تو اس کی دعا رد نہ ہوگی(۳) امت محمدیہ کواس دن کی وجہ سے بھی دیگرامتوں پرفضیلت وبرتری حاصل ہے(۴) حضرت آدم علیہ السلام کی روح بھی اسی دن قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اوراسی دن قیامت بھی آئے گی(۵) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام

---

(۱) فتح الباری :۳۳۷/۱۰،باب قص الشارب

(۲) مسند احمد بن حنبل رقم الحديث :۱۵۵۴۸،زيادة في حديث أبي لبابة

(۳) المعجم الكبير للطبرانى رقم الحديث :۴۵۱۱،رفاعة بن عبد المنذر

(۴) مسند إمام شافعى :۷۰/۱،ومن كتاب إيجاب الجمعة

(۵) موطأ إمام مالك تحقيق أعظمى رقم الحديث :۳۶۴،ما جاء في الساعة التى في يوم الجمعة

تشریف لائے تھے، ان کے ہاتھ میں بہت خوبصورت آئینہ تھا، جس کے بیچ میں ایک کالا نقطہ تھا، میں نے ان سے اس کالے نقطہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ "جمعہ" ہے، میں نے ان سے حقیقت جمعہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا کے متعین کردہ ایام میں سے ایک عظیم دن کا نام جمعہ ہے، پھر فرمایا کہ دنیا میں اس دن کی فضیلت، دنیا والوں کے اس دن سے وابستہ توقعات اور آخرت میں اس کے نام کے بارے میں بھی آپ کو میں تھوڑی تفصیل بتاتا ہوں، دنیا میں اس کی فضیلت وعظمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے اسباب مہیا کئے، اور اس دن سے وابستہ توقع یہ ہے کہ اس میں ایک وقت ایسا ہے کہ جو مسلمان مرد وعورت اس میں اللہ سے خیر کا طالب ہوگا، اللہ اسے ضرور عطا فرمائیں گے، اور آخرت میں اس کا نام یوم مزید ہے، آخرت میں اس دن کا فضل یوں ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالی جب جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں بھیج دے گا، تو وہاں بھی دنیا کے رات ودن کا حساب چلے گا، البتہ وہاں نہ رات ہوگی نہ دن، اس کی مقدار اور گھنٹوں کا صحیح علم خدائے تعالی کو ہی ہوگا، چنانچہ جب دنیا کے حساب سے جمعہ کا دن آئے گا، اور دنیا میں جس وقت اہل دنیا نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جایا کرتے تھے جب وہ وقت ہوگا تو اہل جنت کو ایک منادی آواز دے گا، اے اہل جنت! میدان مزید کی طرف چلو، میدان مزید کا طول وعرض اور اس کی وسعت بے انتہا ہوگی، جس کا صحیح علم خدائے تعالی ہی کو ہے، اس میدان میں مشک کے بڑے اونچے اونچے ٹیلے ہونگے، انبیاء کے خدام انبیاء کرام کے بیٹھنے کے لئے نور کے ممبر نکالیں گے، اور مومنین کے خدمتگار یاقوت وجواہر سے مرصع کرسیاں نکالیں گے، اور انھیں قرینے سے لگادیں گے، اس کے بعد اہل جنت اپنے اپنے مقام پر بیٹھ جائیں گے، پھر اللہ تعالی مثیرہ نامی ہوا کو بھیجے گا، جو مشک کے اونچے اونچے ٹیلوں کو ادھر ادھر بکھیر دے گی، جس سے جنتیوں کے کپڑے، چہرے اور بال وغیرہ معطر ہوجائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالی حاملین عرش کو حکم دے گا کہ عرش کو میدان مزید میں جمع ہونے والے جنتیوں کے سامنے رکھو، جب فرشتے اس مقام پر عرش باری کو رکھ دیں گے تو اللہ تعالی جنتیوں سے کلام فرمائے گا، خدائے تعالی کی سب سے پہلی بات جو جنتیوں کے کانوں میں پڑے گی وہ یہ ہوگی:

’’اے میرے بندو ! جنھوں نے مجھے بن دیکھے غائبانہ میری
اطاعت کی، رسولوں کی تصدیق کی، میرے احکام کو بجالائے،
قریب ہوجاؤ، اور جو چاہو مانگو‘‘

یہ سن کر سارے حضرات بیک زبان کہیں گے:

’’رضینا عنک فارض عنا‘‘

اے بارالٰہا! ہم لوگ آپ سے بیحد خوش ہیں، آپ بھی ہم سے
راضی ہوجایئے،

اللہ تعالٰی فرمائیں گے کہ اے اہل جنت! اگر میں تم سے راضی نہ ہوتا تو جنت میں تمہیں جگہ عنایت نہ کرتا، لہذا تم مجھ سے اس کے علاوہ کچھ اور مانگو، تب وہ حضرات بیک زبان کہیں گے:

اے بارالٰہا! آپ اپنے چہرۂ انور کا نظارہ ہم لوگوں کو کرادیجئے،

چنانچہ اللہ تعالٰی اپنے چہرہ مبارک سے پردہ اٹھا کر تجلی فرمائے گا، اور اس کے نور کی تھوڑی سی مقدار ان حضرات کو اپنے آغوش میں لے لے گی، مگر وہ نور مقدار میں کم ہونے کے باوجود اتنا تیز ہوگا کہ اگر ان حضرات کے ہلاک نہ ہونے کا فیصلہ پہلے ہی نہ کیا گیا ہوتا تو سارے حضرات اس نور سے جل کر راکھ ہوجاتے، اس تجلی کے بعد ان حضرات سے کہا جائے گا کہ اب تم لوگ اپنے اپنے مقام کو واپس جاؤ، جب یہ حضرات اپنے اپنے مقام پر واپس آئیں گے تو ہر ایک اپنی اپنی سابقہ نعمتوں میں دوگناہ اضافہ پائیں گے، خود ان کے اور ان کی حوروں کے حسن میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوجائیگا، جب یہ حضرات اپنی اپنی حوروں کے پاس آئیں گے تو جو نور اور خوبصورتی ان کو خداوند قدوس کی تجلی کے بعد ملی تھی اس سے وہ حوریں ناواقف ہونگی، یا بطور تلذذ دریافت کریں گی کہ جاتے وقت آپ کے چہرہ پر جو رونق اور نور تھا، اس میں اب غیر معمولی اضافہ نظر آرہا ہے، آخر بات کیا ہے؟ وہ حضرات جواباً کہیں گے کہ آج ہمارے رب نے تجلی فرمائی تھی، اور ہم نے اپنی آنکھوں سے ان کا دیدار کیا تھا، اسی کا یہ اثر ہے، پھر وہ لوگ اگلے جمعہ تک ان دوہری نعمتوں اور جنت کی روح پرور خوشبوؤں میں مگن رہیں گے، اسی کی

طرف درج ذیل آیت میں اشارہ ہے:

"فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين جزاء بما كانوا يعملون "(سجده :١٧) (١)

سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے، یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے،(ترجمہ حکیم الامت)

جمعہ نام رکھنے کی وجہ

جمعہ کا نام جمعہ کیوں پڑا؟ اور کس مناسبت سے لوگوں میں یہ دن جمعہ کے نام سے مشہور ہوا؟ اس کے متعلق علامہ عینی نے شرح بخاری میں جو کچھ لکھا ہے اسے اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ میں اجتماع کا مفہوم داخل ہے، چونکہ خدائے تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس دن مختلف جگہ کی مٹیوں کو جمع کر کے کی تھی، اس لئے اس دن کا نام جمعہ پڑ گیا، اس مضمون کی ایک مرفوع روایت ابن خزیمہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اے سلمان! تم یہ جانتے ہو کہ جمعہ کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا، جب انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

به جمع أبوک أو أبوكم

اسی دن تمہارے باپ کی تخلیق کے واسطے مٹی جمع کی گئی تھی،
اس لئے اس دن کا نام جمعہ پڑ گیا۔

۲۔ امام ثعلب رحمہ اللہ کی امالی میں ہے کہ دارالندوہ جو قریش کا مشاورتی مقام تھا، اس میں قریش اپنے سردار قصی کے یہاں اہتمام کے ساتھ اسی دن جمع ہوا کرتے تھے، ان کے اس دن خاص اہتمام کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے اس دن کا نام جمعہ پڑ گیا۔

(١) صفة الجنة لابن أبي الدنيا تحقيق سليم رقم الحديث :٣٢٣،باب صفة الحور العين

۳۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے کتاب النسب میں یہ منقول ہے کہ کعب بن لوی اپنی قوم قریش میں ایک معزز آدمی مانے جاتے تھے، وہ اپنی قوم کو اس دن جمع کر کے وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے، حرم کی تعظیم پر توجہ دلاتے، اور قریبی زمانہ میں ایک نبی کے آنے کی یاددہانی کرایا کرتے تھے، قریش کے اسی اجتماع کی وجہ سے اس دن کا نام جمعہ پڑ گیا۔

زجاج، فراء، ابوعبید اور ابوعمر کا کہنا ہے کہ عرب عاربہ یوم جمعہ کو ''یوم عروبہ'' کہا کرتے تھے، سب سے پہلے جنہوں نے عروبہ کے بجائے یوم جمعہ نام رکھا وہ کعب بن لوی ہیں۔

۴۔ کتاب الداؤدی میں جمعہ نام رکھے جانے کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ یوم جمعہ دراصل یوم قیامت کا نام ہے، اور یوم قیامت کو یوم جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس دن اولین وآخرین کو جمع کیا جائے گا، اسی مناسبت سے اس دن کا نام یوم جمعہ پڑ گیا۔

ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم جمعہ اسلامی نام نہیں ہے، بلکہ اسلام سے پہلے ہی اس دن کا نام جمعہ پڑ گیا تھا۔

۵۔ مگر ابن حزم رحمہ اللہ نے سختی سے اس کا انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یوم جمعہ ایک اسلامی نام ہے، اہل عرب اس دن کو جمعہ کے نام سے یاد نہیں کیا کرتے تھے بلکہ وہ اس دن کو ''یوم عروبہ'' کہتے تھے، اسلام میں ایک مخصوص دن کا نام جو جمعہ رکھا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔

۶۔ اور ابن سیرین رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ اسلامی نام ہے، لیکن وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جس وقت مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے اور ہجرت سے مدینہ منورہ کو رونق بخشا نہیں تھا، اور نہ ہی سورۂ جمعہ کا نزول ہوا تھا، انہی ایام میں اہل مدینہ نے یہ سوچا کہ یہود ہفتہ میں ایک دن عبادت کے واسطے جمع ہوتے ہیں، نصاری کے لئے بھی جمع ہونے کا ایک مخصوص دن ہے، تو اس پس منظر میں انصار نے کہا کہ ہم لوگ بھی ایک خاص دن میں جمع ہوا کریں، جس میں اللہ کا ذکر، نبی اکرم ﷺ پر درود اور نعمت خداوندی پر اللہ کا شکر ادا کیا کریں، چنانچہ اس مقصد کے تحت وہ حضرات اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے یہاں ''یوم عروبہ'' میں جمع ہوئے،

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمائی، اور دو رکعتیں نماز پڑھائیں، پھر انہی حضرات نے مل جل کر اس دن کا نام ''جمعہ'' رکھا، اس کے بعد اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے بکرا ذبح کیا، اور تمام موجود حضرات کی میز بانی کا شرف حاصل کیا۔(۱)

جمعہ کی مشروعیت

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب نابینا ہوگئے تھے، تو میں ہی ان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا کرتا تھا، وقتیہ نماز اور جمعہ کے لئے بھی میں ہی ان کو مسجد لے جایا کرتا تھا، ان میں میں نے ایک خاص بات یہ دیکھی کہ جب وہ جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے تو اذان سنتے ہی فوراً وہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے واسطے دعا کیا کرتے تھے، یہ دعا ان کے معمول میں داخل تھی، کچھ دنوں تک میں ان سے اس کی وجہ نہ پوچھ سکا، آخر ایک دن موقع پا کر میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ جمعہ کی اذان سنتے ہی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے واسطے دعا کیوں کرتے ہیں؟ اس پر میرے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے ہی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کو ''ہزم نبیت'' نامی مقام پر نماز جمعہ پڑھائی تھی، ان کا یہ فعل خدا کو پسند آ گیا، اور یہ نماز امت محمدیہ پر فرض فرمادی، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرات کی اس وقت کیا تعداد رہی ہوگی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت ہم لوگ چالیس افراد تھے۔(۲)

ابن قیم رحمہ اللہ نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہی مدینہ میں جمعہ کی ابتداء تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، اور قبا میں بنی عمرو بن عوف میں پیر سے جمعرات تک قیام فرمایا، اور وہاں مسجد کی بنیاد ڈالی پھر اس کی تکمیل کے بعد جمعہ کے دن مدینہ کے واسطے روانہ ہوگئے، راستہ میں قبیلہ بنو سالم بن عوف پڑتا تھا، وہیں جمعہ کا وقت ہوگیا، اس قبیلہ میں بطن وادی میں جو مسجد تھی اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز ادا فرمائی، یہ مدینہ میں آپ کی سب سے پہلی نماز جمعہ تھی، جو مسجد نبوی کی بنیاد ڈالنے سے قبل پڑھی گئی تھی۔(۳)

(۱) عمدۃ القاری ۶/۱۶۱، کتاب الجمعة

(۲) ابوداؤد رقم الحدیث :۱۰۶۹، باب الجمعة في القرى

(۳) زاد المعاد :۱/۳۶۲، فصل في مبدأ الجمعة

غسل جمعہ کی اہمیت

جمعہ کے دن غسل کرنا امور نظافت میں سے ہے، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت ذکر کی ہے، اس میں امور فطرت میں سے "غسل جمعہ" کو بھی قرار دیا گیا ہے(۱) غسل جمعہ کی تاکید بہت سی احادیث میں آئی ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"من جاء إلى الجمعة فليغتسل "(۲)

جو نماز جمعہ کے لئے آئے اسے پہلے غسل کر لینا چاہئے،

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مسلم شریف میں منقول ہے:

"إذا أراد أحدكم أن يأتي الجمعة فليغتسل "(۳)

"جو نماز جمعہ کے لئے آنے کا ارادہ کرے تو وہ غسل کر لیا کرے"

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں:

"على كل محتلم الرواح إلى الجمعة وعلى من راح إلى المسجد الغسل "(۴)

"ہر بالغ شخص پر نماز جمعہ کے لئے جانا ضروری ہے، اور جو نماز جمعہ کے واسطے مسجد آئے اس پر غسل بھی لازم ہے"

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

"الغسل يوم الجمعه واجب على كل محتلم "(۵)

"جمعہ کے دن غسل ہر بالغ شخص پر واجب ہے"

---

(۱) فتح الباری :۱۰/۳۳۷،باب قص الشارب

(۲) بخاری رقم الحديث :۹۱۹،باب الخطبة على المنبر

(۳) مسلم رقم الحديث :۸۴۴،كتاب الجمعة

(۴) شرح معانی الآثار رقم الحديث :۶۹۷،باب غسل يو م الجمعة

(۵) مسلم رقم الحديث :۸۴۶،باب وجوب غسل يوم الجمعة

یہ احادیث جو غسل جمعہ کی تاکید پر دلالت کرتی ہیں، انکے پیش نظر بعض حضرات غسل جمعہ کے واجب ہونے کے قائل ہیں (۱) لیکن اس باب کی دیگر احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں (۲) ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

"من توضا فأحسن الوضوء ثم أتى الجمعة فاستمع وأنصت غفر له مابينه وبين الجمعةوزيادة ثلثة أيام "(۳)

"جو اچھی طرح وضوکر کے نماز جمعہ کے لئے آئے، پھر غور سے خطبہ سنے، اور خاموش رہے تو اس کے اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک اورمزید تین دن کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں"

اس حدیث میں دس یوم کے گناہوں کی معافی کا وعدہ صرف اچھی طرح وضوکر کے جمعہ کے لئے حاضر ہونے اور حاضر ہونے والے کی طرف سے پوری توجہ اور انہاک کے ساتھ خطبہ سننے پر کیا گیا ہے، اگر غسل واقعۃً واجب ہوتا تو اس فضیلت کا مدار اس کو بھی قرار دیا جاتا، حالانکہ ایسا نہیں کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل واجب نہیں ہے (۴) ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کے واجب نہ ہونے پر استدال کرنے میں یہ حدیث قوی ترین ہے۔(۵)

۲۔ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"من توضأ للجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل أفضل"(۶)

---

(۱) نیل الاوطار: ۱/۲۹۳، باب غسل الجمعة

(۲) شرح النووی علی مسلم: ۶/۱۳۳، کتاب الجمعة

(۳) مسلم رقم الحديث: ۸۵۷، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة

(۴) فتح الباری: ۲/۳۶۲، باب فضل الغسل يوم الجمعة

(۵) التلخيص الحبير: ۲/۱۶۷، كتاب الجمعة

(۶) ترمذی رقم الحديث: ۴۹۷، باب فضل الوضوء يوم الجمعة

''جس نے نماز جمعہ کے لئے وضو کیا تو اس نے سنت پر عمل کیا اور یہ
کیا ہی اچھی عادت ہے، اور جس نے غسل کیا تو وہ افضل ہے''

اس حدیث میں غسل اور وضو کو نفس فضیلت میں مشترک قرار دیا گیا ہے، اور غسل کو واجب نہیں ؛ بلکہ بہتر قرار دیا گیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غسل واجب نہیں ہے، وضوء بھی کافی ہے۔(۱)

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کی بات ہے کہ ایک مرتبہ وہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، دوران خطبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر نکیر فرمائی کہ آنے میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی، اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا کہ میں نے اپنی دانست میں جلد حاضر ہونے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، میں بازار سے لوٹنے کے بعد فوراً وضو کر کے مسجد حاضر ہوا ہوں، میں گھر میں کسی اور غرض کی وجہ سے نہیں رکا، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔(۲)

اس واقعہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غسل جمعہ نہیں کیا تھا، جس کا علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوا، مگر انہوں نے اس پر نکیر نہیں کی، پھر حاضرین جمعہ نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا، جبکہ تقریباً سارا مجمع اکابر صحابہ کا تھا، اگر واقعۃً غسل جمعہ واجب ہوتا تو یہ حضرات یوں خاموش نہ رہتے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غسل کرنے کا امر ضرور فرماتے، حالانکہ ایسا نہ ہوا، اس لئے غسل جمعہ کو واجب قرار دینا محل تامل ہے۔

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ اہل مدینہ نماز جمعہ کے لئے اپنے اپنے گھروں اور مدینہ کے مضافات سے اونی لباس اور موٹا جھوٹا کپڑا پہن کر آتے تھے، راستے کے گرد وغبار اور دھول سے ان کے کپڑے اٹ جاتے تھے، شدت گرمی کی وجہ سے پسینہ سے بھی شرابور ہو جایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے ایک طرح کی بدبو ظاہر ہونے لگتی تھی، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب اسی حالت

---

(۱) فتح الباری :۳۶۲/۲،باب فضل الغسل یوم الجمعة
(۲) شرح معانی الآثار رقم الحدیث :۷۱۰،باب غسل یوم الجمعة

میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان کی اس حالت پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا:

"لو أنكم تطهر تم ليومكم هذا "(۱)

''کاش تم لوگ اس دن کے اہتمام میں غسل کرلیا کرتے''

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنے کی ترغیب محض اس بناء پر تھی کہ پسینہ سے جو اونی کپڑے تر ہو جاتے تھے، اور اس کی وجہ سے جو بدبو پیدا ہوتی تھی، اور لوگ اس سے اذیت محسوس کرتے تھے، اس کا ازالہ ہو جائے، مگر آج جب کہ اس طرح کا لباس نہ رہا، پسینہ نکلنے کے وہ اسباب بھی نہ رہے، اور ہر طرح کی وسعت وفراخی آ گئی، تو خود بخود بدبو کا ازالہ ہو گیا، لہٰذا اب غسل جمعہ کا وجوب نہ رہا (۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل جمعہ کا وجوب ابتداء اسلام میں ایک خاص مصلحت کی بناء پر تھا، بعد میں چونکہ اس کا ازالہ ہو گیا اس لئے اب وجوب کا حکم نہ رہا۔

بہرحال انہی احادیث کی بناء پر جمہور امت نے غسل جمعہ کے بارے میں آپ ﷺ کے حکم کو استحباب پر محمول کیا ہے، اور جس حدیث میں لفظ ''واجب'' آیا ہے، اس سے لغوی معنی ''ثابت'' مراد لیا ہے، یعنی غسل جمعہ کا ثبوت شریعت میں موجود ہے، اس سے وجوب اصطلاحی مراد نہیں لیا ہے۔

غسل جمعہ کا وقت

گذشتہ سطور میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ غسل جمعہ کی مشروعیت کی اصل وجہ نظافت وصفائی اور بدن میں پسینہ وغیرہ کی وجہ سے پائی جانے والی بدبو کا ازالہ ہے، تاکہ جمعہ میں شریک ہونے والے حضرات اور فرشتوں کو تکلیف نہ ہو، لہٰذا جتنا پہلے غسل کرنے سے نماز جمعہ کے لئے جاتے وقت پھر بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اتنا پہلے غسل کرنے کی اجازت ہے (۳) حتی کہ

---

(۱) بخاری رقم الحديث :۹۰۲،باب من أين تؤتى الجمعة

(۲) نیل الاوطار ۱/۲۹۵، باب غسل الجمعة

(۳) فتح الباری: ۲/۳۵۸، باب فضل الغسل يوم الجمعة

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے معراج کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر پنجشنبہ یا جمعہ کی رات میں بھی غسل کرلیا جائے تو بھی سنت پرعمل ہو جائیگا (۱) اسی غسل سے نماز جمعہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر غسل کے بعد کسی شخص کا وضو جاتا رہا، اوراس نے وضوکر کے نماز جمعہ ادا کرلی تو بھی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو غسل کی فضیلت حاصل ہو جائیگی (۲) امام محمد رحمہ اللہ کے اس موقف کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ کے ایک اثر سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن جب غسل فرمالیتے اور بعد میں انہیں حدث لاحق ہو جاتا تو صرف وضوکر کے نماز جمعہ ادا کر لیتے تھے، غسل کا اعادہ نہیں فرماتے تھے (۳) البتہ امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں اس غسل کا نماز جمعہ کے لئے جاتے وقت کرنا مستحب ہے، اس کے بغیر غسل کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ (۴)

ایک غسل میں کئی نیت

جمعہ کا دن اتفاق سے عید کا دن ہوگیا، غسل کرنے سے پہلے کوئی شخص جنبی بھی ہوگیا، اب اگر یہ شخص غسل کرنا چاہے اوراس میں جنابت سے پاکی کے ساتھ غسل جمعہ وعید کی بھی نیت کرلے تو ایک ہی غسل پر اسے سب کا ثواب مل جائے گا، حصول ثواب کے لئے ہر ایک کے لئے علیحدہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ اور ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ویکفی غسل واحد لعید وجمعة اجتمعا مع جنابة (در)
وهذا کله إذا نوی ذلک لیحصل له ثواب الکل "(۵)

"جنابت سمیت جمعہ وعید کیلئے ایک ہی غسل کافی ہے، بشرطیکہ سب کی نیت کی ہو، تاکہ سب کا ثواب حاصل ہوجائے"

---

(۱) شامی ۱/۱۶۹، سنن الغسل

(۲) حوالہ سابق

(۳) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۵۰۴۸، في الرجل يغتسل يوم الجمعة ثم يحدث

(۴) فتح الباری :۲/۳۵۸، باب فضل الغسل یوم الجمعة ، شامی :۱/۱۶۹، سنن الغسل

(۵) شامی :۱/۱۶۹، سنن الغسل

جمعہ کے دن کے مخصوص اعمال

جمعہ کے دن کو جو فضیلت دیگر ایام پر حاصل ہے اس کا تقاضا ہی یہ ہے اس میں کچھ مخصوص اعمال ہوں جو دیگر ایام سے جدا ہوں، احادیث صحیحہ سے جو مخصوص اعمال اس دن کے بارے میں ثابت ہیں ذیل میں انھیں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ جمعہ کی فجر کی نماز میں الم سجدہ اور سورہ دھر پڑھنا مستحب ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دھر پڑھا کرتے تھے(۱) البتہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی کرنا چاہئے، تاکہ عوام اس کو ضروری نہ سمجھنے لگیں، لیکن عام طور سے آپ ﷺ کا یہ عمل ائمہ مساجد سے متروک ہے، آپ ﷺ کی اس سنت کو زندہ کرنا چاہئے، مذکورہ دونوں سورتوں کے جمعہ کی فجر کی نماز میں پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ زمانہ گذشتہ میں جو اہم امور (تخلیق آدم علیہ السلام اور زمین وآسمان کی تخلیق) اس دن انجام پاچکے ہیں، اور جو اہم واقعات (مثلاً حشر ونشر اور حساب وکتاب) زمانۂ مستقبل میں پیش آئیں گے ان سب کا ذکر ان سورتوں میں ہے، ان سورتوں کے جمعہ کی نماز فجر میں پڑھنے سے ان امور کی یاددہانی ہوگی، اور یہ بات تذکیر کے لئے موثر بھی ہوگی، لوگ اس سے عبرت حاصل کریں گے اور اپنے اعمال کی درستگی پر توجہ دیں گے۔(۲)

۲۔ جمعہ کے دن اور اس کی رات میں کثرت کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا چاہئے، کیونکہ آپ کے ان گنت احسانات کے ساتھ ساتھ خود یہ مبارک دن بھی آپ ﷺ ہی کے طفیل امت مسلمہ کو ملا ہے، اس لئے احسان شناسی کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجا جائے، خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"أكثروا الصلوة على يوم الجمعة وليلة الجمعة "(۳)

''جمعہ کے دن اور اس کی رات میں مجھ پر کثرت کیساتھ درود بھیجا کرو''

---

(۱) مسلم رقم الحديث :۸۸۰،باب ما يقرأ في يوم الجمعة

(۲) زاد المعاد :۱/۳۶۴،فصل في خواص يوم الجمعة

(۳) السنن الكبرى للبيهقى رقم الحديث :۵۹۹۴،باب ما يؤمر به في ليلة الجمعة الخ

اکابر کا بھی یہ معمول رہا ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ہر جمعہ کو سوا لاکھ بار درود شریف معمولاً پڑھا کرتے تھے، علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ وہ ہر جمعہ ایک ہزار مرتبہ درود پڑھا کرتے تھے۔(۱)

۳۔ اس دن نماز جمعہ مسلمانوں کے عظیم اجتماع میں ادا کیا جاتا ہے، یہ نماز اہم ترین فرائض میں سے ہے، اگر کوئی شخص اس اہم فریضہ کو محض غفلت وسستی کی بناء پر چھوڑ دے تو اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، اس نماز کے لئے جو سویرے جائے اور امام سے قریب رہنے کی کوشش کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ''یوم مزید'' میں اسے اپنے قرب سے نوازیں گے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

''سارعوا إلى الجمعة فی الدنيا فإن الله تبارک وتعالى يبرز لأهل الجنة فی کل جمعة على کثيب من کافور أبيض فيکونون منه سبحانه بالقرب على قدر سرعتهم إلى الجمعة ''(۲)

''دنیا میں نماز جمعہ کیلئے جلد جایا کرو کیونکہ اللہ تعالی ہر جمعہ میں اہل جنت کے لئے نہایت چمکتے کافور کے ٹیلے پر تجلی فرمائیں گے، اس دن اللہ تعالی سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو جتنا جلد جمعہ کے لئے جایا کرتا تھا''

۴۔ جمعہ کے دن غسل کیا جائے، اس غسل کی تاکید احادیث میں بکثرت مذکور ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔

۵۔ خوشبو لگائے، جمعہ کے دن خوشبو لگانا دیگر ایام کے مقابلہ میں افضل ہے،(۳) آپ ﷺ نے بھی اس کی ترغیب دی ہے۔(۴)

(۱) فضائل درود، از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ، ص:۱۰۳
(۲) صفة الجنة لأبي نعيم الأصبهاني رقم الحديث :۳۹۶،ذكر زيادة أهل الجنة
(۳) زاد المعاد :۳۶۵/۱،فصل في خواص يوم الجمعة
(۴) بخاری رقم الحديث :۸۸۳،باب الدهن للجمعة

۶۔ مسواک کرے، کیونکہ جمعہ کے دن خاص طور سے مسواک کرنے کی تاکید آئی ہے(۱) جس کی تفصیل مسواک کے بیان میں آئے گی۔

۷۔ نماز جمعہ کیلئے پہلے جانے کی کوشش کرے، کئی احادیث میں اس کی ترغیب آئی ہے، ابونعیم اصبہانی کی صفۃ الجنۃ کے حوالے سے اس طرح کی ایک حدیث پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

۸- مسجد پہونچنے کے بعد دعا، ذکر، نماز اور قرأت میں اپنے آپ کو مشغول رکھے، اس کے بعد جب امام خطبہ دینے کے لئے آجائے تو ان اعمال کو موقوف کرکے غور سے خطبہ سنے، اس دوران دوسروں کو خاموش کرنے کے لئے بھی اپنی زبان نہ ہلائے، کیونکہ یہ بھی خاموش رہنے کے خلاف ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

" من تكلم يوم الجمعة والإمام يخطب فهو كمثل الحمار يحمل أسفارًا ، والذى يقول له : أنصت ، ليس له جمعة " (۲)

''جو شخص جمعہ کے دن خطبہ کے دوران گفتگو کرے تو اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو اپنی پشت پر کتابیں لادے ہوا ہو اور جو گفتگو کرنے والے شخص سے خاموش رہنے کے لئے کہے تو اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملے گا''

۹۔ اس دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں ہے:

"من قرء سورة الكهف يوم الجمعة سطع له نور من تحت قدمه إلى عنان السماء يضيء به يوم القيامة وغفرله ما بين الجمعتين "(۳)

---

(۱) زاد المعاد :۳۶۵/۱،فصل في خواص يوم الجمعة

(۲) مسند امام احمد بن حنبل رقم الحديث :۲۰۳۳،مسند عبد الله بن العباس

(۳) زاد المعاد :۳۶۶/۱،فصل في خواص يوم الجمعة

’’جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے گا تو اس کے لئے پاؤں سے لے کر آسمان تک نور ہی نور ہوگا، جو قیامت کے دن اس کے لئے روشنی کا کام دے گا، اور دو جمعہ کے درمیانی ایام کے گناہ معاف کردئے جائیں گے‘‘

ایک اور حدیث میں ہے:

’’من قرء سورة الكهف يوم الجمعة فهو معصوم إلى ثمانية أيام من كل فتنة وإن خرج الدجال عصم منه‘‘(۱)

’’جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے گا تو اس کی برکت سے وہ شخص آٹھ یوم تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا، اگر ان ایام میں خروج دجال ہوجائیگا تو اس سے بھی وہ محفوظ رہے گا‘‘

۱۰۔ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سورۂ اعلی اور سورۂ غاشیہ پڑھے، آپ ﷺ کا یہی عمل تھا (۲) اور بعض مرتبہ آپ ﷺ سے پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔(۳)

ان سورتوں کا کچھ کچھ حصہ دونوں رکعت میں پڑھنا، یا ایک ہی سورہ کو دونوں رکعتوں میں پڑھنا خلاف سنت ہے، ائمہ مساجد عام طور پر اس کی رعایت نہیں کرتے ہیں، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’ولا يستحب أن يقرء من كل سورة بعضها أو يقرء إحدا هما في الركعتين فإنه خلاف السنة وجهال الأئمة يدا ومون على ذلک‘‘(۴)

(۱) الجامع الكبير للسيوطي رقم الحديث :۲۱۴۲،حرف الميم
(۲) مسلم رقم الحديث :۸۷۹،۸۷۸،باب ما يقرأ في صلاة الجمعة
(۳) زاد المعاد :۳۶۹/۱،فصل في خواص يوم الجمعة
(۴) زاد المعاد :۳۶۹/۱،فصل في خواص يوم الجمعة

،،ہر سورہ میں سے تھوڑا تھوڑا حصہ یا ایک سورہ کو دو رکعتوں میں پڑھنا مستحب نہیں ہے، خلاف سنت ہے، حالانکہ نا واقف ائمہ مساجد اس پر پابندی کرتے ہیں (انھیں ایسا نہیں کرنا چاہئے)''

۱۱ ۔حسب استطاعت اچھے اور عمدہ کپڑے پہننا بہتر ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :

''ما على أحدكم إن وجد سعة أن يتخذ ثوبين لجمعته سوى ثوبى مهنته'' (۱)

''اگر تم میں سے کسی کو گنجائش ہو، اور وہ عام استعمالی کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لئے خاص طور پر علیحدہ جوڑا بنالے تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے''

اس مضمون کی روایتیں ابوداؤد (۲) وغیرہ میں بھی ہیں، اس کے علاوہ آپ ﷺ نے مختلف انداز سے اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ (۳)

۱۲۔ جمعہ کے دن مسجد کو خوشبوؤں سے آراستہ کیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے، حضرت نعیم بن عبداللہ المجمر کو آپ رضی اللہ عنہ نے ہر جمعہ خوشبوؤں کی دھونی دینے کے واسطے متعین فرما رکھا تھا، ان کا یہ عمل لوگوں کو اتنا پسند آیا کہ ان کو المجمر (دھونی دینے والے) کے نام سے یاد کرنے لگے۔ (۴)

۱۳۔ جمعہ کے لئے مسجد جانے والوں کے ہر قدم پر پورے سال نماز و روزہ میں مشغول رہنے والوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ (۵)

(۱) ابن ماجه رقم الحديث :۱۰۹۶،باب ما جاء في الزينة يوم الجمعة
(۲) ابوداؤد رقم الحديث :۱۰۷۸،باب اللبس للجمعة
(۳) ابن ماجه ، رقم الحديث :۱۰۹۷،باب ما جاء في الزينة يوم الجمة ، وابوداؤد رقم الحديث :۳۴۳،باب في الغسل يوم الجمعة
(۴) زاد المعاد :۱/۳۷۰،فصل في خواص يوم الجمعة
(۵) مصنف عبدالرزاق رقم الحديث :۵۵۷۰،باب عظم يوم الجمعة

۱۴۔ اس دن کی برکت سے گناہ معاف ہوتے ہیں، جیسا کہ مختلف احادیث میں اس کا ذکر ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں (۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ دس یوم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں (۲) اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس جمعہ سے گذشتہ جمعہ کے دوران جتنے گناہ ہوئے سارے معاف ہوجائیں گے (۳) بہرحال اس دن کو گناہوں کا کفارہ بننے میں خاص دخل ہے

۱۵۔ جہنم کو ہر روز دھنکایا جاتا ہے، لیکن جمعہ کی برکت سے اس دن دھنکانے کا عمل موقوف کردیا جاتا ہے، لیکن ایسا صرف دنیا کی حد تک ہوگا، آخرت میں یہ عمل نہ ہوگا، کیونکہ یہ عمل تخفیف عذاب کا باعث ہوگا، اور قیامت میں مجرمین کے عذاب میں تخفیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۴)

۱۶۔ اس دن ایک ایسی ساعت ہے جس میں اگر کوئی مسلمان اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مراد کو پورا فرماتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں :

"فیـه سـاعة لایوافقها عبد مسلم وهو قائم یصلی یسأل الله تعالیٰ شیئا إلا أعطاه إیاه " (۵)

"جمعہ کے دن ایک مخصوص وقت ہے، اگر کوئی مسلمان اس وقت کو نماز پڑھتے ہوئے پالے اور اللہ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرے تو اللہ ضرور عطا فرمائیگا"

اس وقت خاص کی تعیین میں محدثین کا بڑا اختلاف ہے، علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے یہ

(۱) بخاری رقم الحدیث :۸۸۳،باب الدهن للجمعة
(۲) مسلم رقم الحدیث :۸۵۷،باب فضل من استمع وانصت في الخطبة
(۳) مسند أحمد رقم الحدیث :۱۱۷۶۸،مسند أبي سعید الخدری رضی اللہ عنہ
(۴) زاد المعاد :۱/۳۷۵،فصل في خواص یوم الجمعة
(۵) بخاری رقم الحدیث :۹۳۵،باب الساعة التي في یوم الجمعة

لکھا ہے کہ اس سلسلے میں ۴۵ اقوال ملتے ہیں (۱) اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس تعلق سے ۵۰ اقوال ہیں (۲) علامہ عینی رحمہ اللہ نے ۴۰ قول ذکر کیا ہے (۳) اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اقول نقل کیا ہے، پھر ان میں سے صحیح ترین دو قول قرار دیا ہے، ایک یہ کہ جب خطیب ممبر پر خطبہ دینے کے لئے بیٹھ جائے اس وقت سے لیکر نماز سے فارغ ہونے تک کا وقت ہے اور دوسرا یہ کہ عصر کے بعد سے مغرب کی نماز تک کا وقت ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے انہوں نے پھر راجح قول عصر کی نماز کے بعد سے مغرب کی نماز تک کا وقت قرار دیا ہے۔ (۴)

۱۷۔ اس دن صدقہ وخیرات کا ثواب اور دنوں میں صدقہ کرنے کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے، بعض اکابر کا معمول تھا کہ نماز جمعہ سے پہلے جو کچھ بسہولت میسر ہوجاتا تھا اسے ضرور صدقہ فرماتے تھے۔ (۵)

۱۸۔ جنت میں اس دن اللہ تعالی مومنین کے لئے تجلی فرمائیں گے، اس تجلی سے مومنین کو غیر معمولی خوشی ہوگی، اور جنت کی ساری نعمتیں اس کے سامنے پھیکی معلوم ہونگی، انوار الٰہی کی کثرت اتنی ہوگی کہ اگر جنت میں موت آتی تو سارے حضرات ان سے جل کر مر جاتے۔ (۶)

۱۹۔ فوت شدگان کی روحیں اپنی اپنی قبروں سے قریب ہوجاتی ہیں، اور اس دن جو حضرات ان کی قبروں پر حاضر ہوتے ہیں یا ان کے قریب سے گذرتے ہیں تو انھیں دوسرے ایام کے مقابلے میں وہ زیادہ پہچانتے ہیں۔ (۷)

---

(۱) العرف الشذی مع ترمذی رقم الحديث :۴۸۹، باب ما جاء في الساعة التي ترجى يوم الجمعة

(۲) حاشية الكوكب الدرى :۱/۱۹۶، باب الساعة التى ترجى يوم الجمعة

(۳) عمدة القارى:۶/۲۴۴، باب الساعة التى في يوم الجمعة

(۴) زاد المعاد :۱/۳۷۸، فصل في خواص يوم الجمعة

(۵) حوالہ سابق: ۱/۳۹۵

(۶) حوالہ سابق: ۱/۳۹۷

(۷) كتاب الروح لابن قيم ،ص:۵، هل تعرف الأموات زيارة الأحياء وسلامهم أم لا ؟

۲۰۔ یہ دن تمام مسلمانوں کے لئے اجتماع کا دن ہے، اور اجتماع والے ایام میں خاص طور پر پند ونصائح کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ملتا ہے، مثلاً عیدین میں آپ ﷺ کا خطبہ دینا، سورج اور چاند گہن کے موقع سے آپ ﷺ کا صحابہ کو تقریر کے ذریعہ صحیح رہنمائی کرنا اور نکاح کی مجلس میں اسی کے مناسب مضامین بیان کرنا، اسی طرح حج کے ایام میں ایک سے زائد مقام پر صحابہ سے خطاب کرنا آپ ﷺ سے ثابت ہے، آپ ﷺ کا عمل یہ واضح کرتا ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کے موقع سے وعظ ونصیحت کرنا اور اس کے ذریعہ ان کی دینی رہنمائی کرنا عین منشائے شریعت ہے۔

جمعہ کے دن خطیب حضرات کو اس بات پر خاص دھیان دینا چاہئے کہ معاشرہ میں کون کون سی برائیاں عام ہیں، ان برائیوں سے اجتناب کرنے کی تلقین اپنی اپنی تقریروں میں کیا کریں، ان کے ازالہ کی صورتیں بتائیں، ان کی مضرتوں اور قباحتوں سے لوگوں کو آگاہ کریں، اللہ کی قدرت وربوبیت کو واضح انداز سے بیان کریں، ان کی وسعت رحمت کا بار بار ذکر کریں، انسان کے اطراف اور اس کے گرد وپیش پھیلی ہوئی چیزوں سے خدا کی قدرت اور اس کی کبریائی کو سمجھائیں، حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقریروں کے مضامین عام طور پر یہی ہوا کرتے تھے، فروعی مسائل کو دوران تقریر بیان کرنا امت کے مابین مزید انتشار پیدا کرنے کا ذریعہ ہوگا، ان کی وحدت پر زد پڑے گی، اور معاشرہ اختلاف کی آماجگاہ بن جائے گا، اس لئے ان مسائل سے بالکلیہ احتراز کریں، اور امت مسلمہ کی ہمدردی اور ان کی ضرورت کو سامنے رکھ کر ایمان سے متعلق امور کا تذکرہ کیا کریں، ان کی اصلاح کا یہ مثبت پہلو ہوگا، جس کا نفع عام بھی ہوگا اور تام بھی انشاء اللہ۔

تیسری فصل : مسواک

مسواک کا اہتمام

امورِ نظافت میں سے مسواک کرنا بھی ہے، احادیث میں اسے امورِ فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے (۱) حضرت ابراہیمؑ کو جن چیزوں کا حکم دیا گیا تھا، ان میں سے ایک مسواک کرنے کا بھی حکم تھا (۲) علامہ بہوتی حنبلی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ سب سے پہلے مسواک کرنے کا شرف حضرت ابراہیمؑ کو حاصل ہوا ہے۔ (۳)

مسواک اور احادیث

مسواک کی ترغیب وتاکید بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں :

"السواک مطهرة للفم مرضاة للرب "(۴)

''مسواک منہ کی صفائی کا ذریعہ ہے۔ اور خدا کی خوشنودی کا سبب ہے''

سونے کی حالت میں چونکہ منہ میں ایک قسم کا تعفن پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے سوکر اٹھنے کے بعد سب سے پہلا کام آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ مسواک کرکے اس تعفن کو دور کرو، اس کے بعد نماز اور دیگر اوراد میں مشغول ہوا کرو، چنانچہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :

"استاکوا وتنظفوا و أوتروا فإن الله وتر يحب الوتر "(۵)

(۱) مسلم رقم الحديث :۲۶۱، باب خصال الفطرة

(۲) مستدرك حاكم رقم الحديث :۳۰۵۵، من سورة البقرة

(۳) كشاف القناع :۷۱/۱، باب السواك وغيره

(۴) مسند أحمد رقم الحديث :۲۴۲۰۳، مسند الصديقه عائشه رضى الله عنها

(۵) مصنف ابن ابى شيبه رقم الحديث :۱۸۰۶، ما ذكر في السواك

''مسواک کرو، اور نظافت اختیار کرو پھر وتر پڑھو، کیونکہ اللہ وتر کو محبوب رکھتا ہے''

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت بہت مشقت میں پڑ جائیگی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر اسی طرح لازم کر دیتا جس طرح ان پر وضو لازم ہے(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

''إن أفواهكم طرق القرآن فطهروها بالسواک ''(۲)

''تم لوگوں کے منہ آیات قرآنیہ کی ادائیگی کا ذریعہ ہیں، لہٰذا اسے مسواک کر کے خوف صاف رکھا کرو''

حضرت قثم یا تمام بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ ہم لوگ مسواک کئے ہوئے نہیں تھے، تو آپ ﷺ نے ہم لوگوں پر نکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ'' تم لوگ بدبودار منہ لیکر میرے پاس کیوں آ جاتے ہو، یہاں آنے سے پہلے مسواک کیوں نہیں کر لیتے''(۳)

اور بیہقی کی روایت میں ہے:

''تدخلون علی قلحا استاکوا''(۴)

''تم بدبودار منہ کے ساتھ آ جاتے ہو، مسواک کیا کرو (اس سے بدبو کا ازالہ ہوگا)''

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام مسواک کرنے کی بار بار تاکید فرماتے (میں نے اس کے نتیجے میں اتنی کثرت سے مسواک کی کہ) اب مجھے ڈاڑھ کے چھل جانے کا خوف ہونے لگا (۵) اور ایک روایت میں اگلے دانتوں کے ضائع ہو جانے کا

---

(۱) مسند ابن أبی شیبة رقم الحدیث :۹۷۴،ما رواہ سهل بن حنيف رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ
(۲) حلية الأولياء:۲۹۶/۴،تذكرة سعيد بن جبير
(۳) مسند أحمد رقم الحديث :۱۵۶۵۶،حديث قثم بن تمام الخ
(۴) السنن الكبرى للبيهقى رقم الحديث :۱۵۲ ،باب الدليل أن السواك سنة ليس بواجب
(۵) المعجم الكبير للطبراني رقم الحديث :۵۱۰،بريدة بن حصيب

خوف بھی مذکور ہے(۱) ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں کافی تاخیر ہوگئی، جب وہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا:

''وکیف ناتیکم وأنتم لا تقصون أظفارکم ولاتنقون براجمکم ولا تستاکون ''(۲)

''ہم آپ لوگوں کے پاس کیسے آیا کریں، حالانکہ آپ نہ ناخن کاٹا کرتے ہیں نہ انگلیوں کے جوڑوں کو دھوتے ہیں، اور نہ ہی مسواک کرتے ہیں''

آپ ﷺ نے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسواک کا اہتمام کرنے پر توجہ دلائی، اور اس شدت کے ساتھ تاکید فرمائی کہ خود آپ کو یہ محسوس ہونے لگا کہ میں نے مسواک کے متعلق کافی تاکید کردی ہے (۳) آپ ﷺ کے اسی اہتمام اور توجہ دلانے کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ ہونے لگا کہ شاید مسواک کی فرضیت سے متعلق کوئی وحی نہ نازل ہوجائے (۴) ایک روایت میں خود آپ ﷺ کا بھی یہی احساس مذکور ہے:

''ما جاء نی جبرئیل إلا أوصانی بالسواک حتی لقد خشیت أن یفرض علی وعلی أمتی ''(۵)

''میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی تشریف لائے تو مسواک کی تاکید فرمائی، حتی کہ مجھے یہ خوف ہونے لگا کہ کہیں مجھ پر اور میری امت پر مسواک کرنا فرض نہ کردیا جائے''

چار صفات جو انبیاء کی مشترک سنت رہی ہیں، جن پر انہوں نے خود بھی عمل کیا

---

(۱) ابن ماجة رقم الحديث :۲۸۹،باب السواك

(۲) مصنف ابن ابی شيبة رقم الحديث :۱۸۰۵،ما ذكر في السواك

(۳) بخاری رقم الحديث :۸۸۸،باب السواك يوم الجمعة

(۴) مسند أحمد رقم الحديث :۲۷۹۸،مسند عبداللہ بن عباس

(۵) ابن ماجة رقم الحديث :۲۸۹،باب السواك

اوراپنی امتوں کو بھی اس کی ترغیب دی، ان میں سے ایک مسواک کرنا بھی ہے(۱) جس سے مسواک کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

حضورﷺ کا اہتمام

جہاں آپ ﷺ نے صحابہ ﷡کونہایت تاکید کے ساتھ مسواک کرنے کی ترغیب دی، وہیں آپ ﷺخود بھی اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے، حضرت خالد جہنی ﷛کا بیان ہے کہ آپ ﷺ جب بھی نماز کے لئے تشریف لاتے تو مسواک کر کے آیا کرتے تھے(۲) سونے سے پہلے اور سوکر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا آپ ﷺ کے معمول میں داخل تھا، حضرت ابو ہریرہ﷛ فرماتے ہیں :

”لاینام لیلة ولا ینتبه إلا استن “(۳)

”آپ ﷺ جب بھی رات میں سوتے یا سونے کے بعد بیدار ہوتے تو مسواک ضرور فرماتے تھے“

حضرت فضل بن عباس ﷛ سے بھی ایسا ہی منقول ہے(۴) آپ ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو سب سے پہلا کام آپ ﷺ کا مسواک کرنا ہوتا تھا۔(۵)

مسواک کا اہتمام آپ ﷺ سفر میں بھی کرتے تھے، اور سامان سفر میں مسواک بھی رکھا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”کان النبی ﷺ إذا سافر حمل السواک “(۶)

”آپ ﷺ جب بھی سفر کیا کرتے تھے تو مسواک آپ ﷺ کے ساتھ ہوا کرتی تھی“

---

(۱) ترمذی رقم الحدیث :۱۰۸۰،باب ما جاء في فضل التزويج والحث عليه

(۲) المعجم الكبير للطبرانی رقم الحدیث :۵۲۶۱،صالح بن نبهان

(۳) المعجم الأوسط رقم الحدیث :۶۹۸۰، من بقية من أول اسمه ميم

(۴) المعجم الكبير رقم الحدیث :۷۶۳، كريب مولى بن عباس عن الفضل ابن عباس

(۵) مسلم رقم الحدیث :۲۵۳،باب السواك

(۶) التلخيص الحبير :۲۴۱/۱،باب السواك

آپ ﷺ کبھی کبھی مسواک کو اپنے کان پر بھی رکھ لیا کرتے تھے(۱) البتہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے معتبر ہونے کو تسلیم نہیں کیا ہے،(۲) حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کا بھی یہ معمول تھا کہ آپ اپنی مسواک کان پر رکھا کرتے اور جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو مسواک کرتے تھے۔(۳)

مسواک کا حد درجہ اہتمام اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عین وفات سے کچھ قبل (جبکہ آپ ﷺ کے پاس اس وقت مسواک موجود نہیں تھی تو) دوسرے کی مسواک لے کر آپ ﷺ نے مسواک کی تھی، چنانچہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”ومما يدل على محافظته على السواک استياكه بسواک عبدالرحمن بن أبی بکر عند وفاته “(۴)

”آپ ﷺ کے مسواک پر خصوصی توجہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے وفات پانے سے قبل حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی مسواک لے کر مسواک فرمائی“

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اہتمام

آپ ﷺ کے اسی عمل اور بار بار توجہ دلانے کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مسواک کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب بھی آپ رضی اللہ عنہ سویا کرتے تھے تو پہلے مسواک کرتے تھے، رات میں بیدار ہوتے تو اس وقت بھی مسواک کرتے اور جب فجر کی نماز کے لئے آتے تو بھی مسواک کرتے تھے(۵) ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی مسواک ہر وقت پانی میں تر رہتی تھی، جب بھی وہ نماز یا دیگر ضروری امور سے فارغ ہوجاتی تھیں تو مسواک کرنا شروع

(۱) السنن الکبری للبیهقی رقم الحدیث :۱۵۷،باب تأكيد السواك عند القيام إلى الصلاة
(۲) حوالہ سابق
(۳) أبو داؤد رقم الحديث :۴۷،باب السواك
(۴) مرقاۃ:۳۹۶/۱،باب السواك
(۵) مصنف ابن ابی شيبة رقم الحديث :۱۷۸۸،ما ذكر في السواك

کردیتی تھیں(۱) نماز وتر سے فارغ ہونے کے بعد جو دو رکعت نفل پڑھی جاتی ہے عام طور سے متصلاً پڑھنے کا رواج ہے، لیکن ان دو نمازوں کے درمیان بھی بعض صحابہ سے مسواک کرنا منقول ہے(۲) حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ان کی مسواک کان ہی پر رہا کرتی تھی، جب بھی وہ نماز ادا کرتے تو مسواک کرتے، پھر کان ہی پر مسواک رکھ لیا کرتے تھے(۳) اور حضرت سالم بن کیسان رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل صرف حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ ہی کا نہ تھا، بلکہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی مسواک کان ہی پر رہا کرتی تھی، تاکہ آسانی کے ساتھ حسب ضرورت اس سے کام لیا جاسکے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"أن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ وأصحاب رسول الله ﷺ
كانوا يروحون والسواک على آذانهم" (۴)

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کے عام صحابہ رضی اللہ عنہم
جب کہیں جاتے تھے تو مسواک ان کے کانوں پر رہا کرتی تھی"

بعض حضرات کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ مسواک کو عمامہ کے پیچ میں بھی رکھ لیا کرتے تھے(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جو ایک ایک سنت کے تلاش وجستجو اور اس پر عمل کے حریص تھے، وہ بھی عام مواقع پر پابندی سے مسواک کرتے تھے، ان سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ کھانا کھانے سے پہلے بھی مسواک کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وكان ابن عمر رضی اللہ عنہ لاياكل الطعام إلا استن يعني استاک"(۶)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مسواک کرکے ہی کھانا کھایا کرتے تھے"

(۱) حوالہ سابق رقم الحديث :۱۸۰۱
(۲) حوالہ سابق رقم الحديث :۱۸۱۴
(۳) أبوداؤد رقم الحدیث: ۴۷، باب السواك
(۴) مصنف ابن ابی شيبة رقم الحديث :۱۷۹۴، ما ذكر في السواك
(۵) شامی: ۱/۱۱۵، سنن الوضوء
(۶) الزهد والرقائق لابن المبارك رقم الحديث :۱۲۲۹، باب فضل ذكر الله عز وجل

اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے کے بعد مسواک کرنا میرے لئے دو خوبصورت غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔(۱)

تابعین کا اہتمام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فیض صحبت اوران کی تربیت سے براہ راست مستفید ہونے والی جماعت تابعین کی ہے،اس جماعت کے عام افراد میں خیر اور تقوی و دینداری کا پایا جانا زبان نبوت سے ثابت ہے(۲) اور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبار تابعین میں سے کوئی کذاب نہیں ہے،ایسی مقدس جماعت میں بھی مسواک کا اہتمام پایا جاتا تھا،حضرت منصور رحمہ اللہ اپنے استاد حکم رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک بار امام مجاہد رحمہ اللہ کے مہمان بنے،جس کی وجہ سے ان کو نہایت قریب سے امام مجاہد رحمہ اللہ کے اعمال کا جائزہ لینے کا موقع ملا،ان کا تاثر امام مجاہد رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تھا:

"کان أشد شئ مواظبة علی السواک "(۳)

"وہ مسواک کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے"

یحیی بن وثاب رحمہ اللہ بھی کثرت سے مسواک کیا کرتے تھے،وہ مسواک کرتے کرتے مسجد تک پہونچ جایا کرتے تھے،پھر بھی بند نہیں کرتے تھے،وہاں بھی مسواک کرتے رہتے تھے(۴) یہی اہتمام تقریباً عام تابعین کا تھا،مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

دین میں مسواک کا مقام

مسواک وضو کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے،وضو کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی مسواک کرنا احادیث سے ثابت ہے،اسے امور فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے،رسولوں کی مشترکہ

---

(۱) حوالہ سابق رقم الحدیث : ۱۲۳۰

(۲) بخاری رقم الحدیث : ۲۶۵۱،باب لا یشهد علی شهادة جور إذا اشهد

(۳) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۱۸۰۰،ما ذكر في السواك

(۴) حوالہ سابق رقم الحدیث :۱۸۱۶،من كان يستاك ثم لا يتوضأ

سنت قرار دیا گیا ہے، اس کے علاوہ احادیث میں وقت کی تعیین کے بغیر مسواک کرنے کی ترغیب وتاکید آئی ہے، ان وجوہ کی بناء پر مسواک کا سنن دین میں سے ہونا راجح معلوم ہوتا ہے، علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے(۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے(۲) علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی بحث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مسواک کا سنن دین میں سے ہونا ہی حق ہے(۳) قہستانی میں ظاہرالروایہ کے حوالے سے یہ ہے کہ مسواک مستقل سنت ہے، وضو کے ساتھ خاص نہیں ہے(۴) علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ، علامہ زیلعی رحمہ اللہ، علامہ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ، صاحب کافی، صاحب نہر، صاحب جواہر نفیسہ، صاحب سنن الھدی فی متابعۃ المصطفی وغیرہ نے مسواک کو سنن دین میں سے ہونا ہی راجح قرار دیا ہے(۵) حاصل یہ کہ عام حالات میں مسواک کی حیثیت دین میں سنت کی ہے، احادیث اس کی مؤید ہیں، تفصیل کے لئے علامہ بدرالدین عینی کی شرح ہدایہ کی طرف مراجعت کی جائے۔(۶)

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہ اور کتب حدیث کی شروحات میں جو اختلاف بڑے زور وشور سے نقل کیا جاتا ہے کہ مسواک سنن وضو میں سے ہے یا سنن صلوۃ میں سے، اور پھر فریقین کے دلائل کو ذکر کر کے کسی ایک جانب کو راجح قرار دیا جاتا ہے، اور دوسری جانب کی احادیث میں تطبیق وتاویل کی راہ اختیار کی جاتی ہے، اس سے تو ظاہراً یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مسواک کا تعلق صرف نماز سے ہے یا پھر وضو سے ہے، سنن دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے!

مگر یہ شبہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ مسواک کے متعلق احادیث ایک دو نہیں؛ بلکہ ستر صحابہ سے منقول ہیں(۷) ان احادیث پر جسکی نگاہ ہوگی، اسے اس حقیقت تک رسائی میں دشواری

---

(۱) عمدۃ القاری :۱۸۵/۳، باب السواک
(۲) بنایہ :۲۰۰/۱،السواك من سنن الوضوء
(۳) شامی۱۱۴/۱،سنن الوضوء
(۴) حوالہ سابق
(۵) حوالہ سابق
(۶) بنایہ :۲۰۰/۱،السواك من سنن الوضوء
(۷) بنایہ۱۴۸/۱،باب السواک

نہیں ہوسکتی کہ دین میں مسواک کی حیثیت مستقل سنت کی ہے، جہاں تک مذکورہ اختلاف کی بات ہے تو وہ صرف اس حدیث ''لولا أن أشق علی أمتی الخ '' یا اس مضمون کی دوسری حدیث کے بارے میں ہے کہ اس حدیث میں مسواک کا محل کیا ہے، فقہاء ومجتہدین کا اختلاف اسی محل کی تعیین میں ہوا ہے، اور اسی حدیث کا مصداق متعین کرنے کے بارے میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ مسواک سنن وضوء میں سے ہے یا سنن صلوۃ میں سے، یہ مطلب نہیں ہے کہ مسواک کے تعلق سے جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں، ان سب کو انہی دوخانوں میں سے کسی ایک میں ڈال دیا گیا ہے، غرض مسواک کا سنن دین میں سے ہونا تو مسلم ہے، لیکن اس میں مزید تاکید جن خاص اسباب کی وجہ سے آتی ہے ان میں نماز و وضو دونوں ہیں یا صرف وضوء ہے، اور بس (۱) اس سلسلے میں حق کیا ہے؟ وہ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

وضو کرتے وقت مسواک

مسواک کرنا وضو کرتے وقت سنت ہے، احادیث میں اسے وضو کا جزء قرار دیا گیا ہے (۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :

''لولا أن أشق علی أمتی لأمرتهم بالسواک مع کل وضوء ''(۳)

''اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا''

ایک اور حدیث میں ہے:

''لولا أن أشق علی أمتی لفرضت علیهم السواک مع الوضوء ''(۴)

---

(۱) فتح الملهم :۱/۳۰۸،باب السواك

(۲) بنایہ:۱/۲۰۵،فضل السواك وأوقات استحبابه

(۳) مسند أحمد رقم الحديث :۹۹۲۸،مسند أبي هريرة رضی اللہ عنہ

(۴) السنن الكبرى للبيهقي رقم الحديث :۱۴۸،باب الدليل على أن السواك سنة ليس بواجب

''اگر میری امت کے لئے دشوار نہ ہوتا تو میں ان کے لئے مسواک
کو وضو کے ساتھ ضروری قرار دیتا''

انہی احادیث کے پیش نظر ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وضو کرتے وقت مسواک کرنا سنت ہے، (۱) علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے وضو کرتے وقت مسواک کرنے کو سنت موکدہ قرار دیا ہے (۲) اکثر حضرات کی یہی رائے ہے، قدوری اور عام متون میں بھی یہی ہے۔(۳)

البتہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ مسواک کرنا وضوء میں سنت ہے، انکار کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ سنت ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ مسواک کرنا وضو میں صرف مستحب ہے (۴) زیلعی وغیرہ میں اسی کو صحیح قرار دیا گیا ہے (۵) لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے مسواک کے وضو میں سنت ہونے پر کئی صحیح احادیث ذکر کی ہیں (۶) اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے وضو میں مسواک کے سنت ہونے پر احادیث پیش کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کو ان دلائل کا علم نہ ہوا ہو (۷) (یا محتاط انداز میں یہ کہا جائے کہ انہیں اس کا استحضار نہ رہا ہو) بہر حال وضو میں مسواک کا سنت ہونا ہی دلائل کی روشنی میں صحیح ہے، چنانچہ منیۃ المصلی کی شرح صغیر میں ہے:

"وقد عده القدوری والأکثرون من السنن وهو الأصح "(۸)

''صاحب قدوری اور اکثر حضرات نے مسواک کو سنن وضو میں سے

(۱) موسوعہ فقہیہ ۱۳۷/۴، مادة : استیاك
(۲) درمختار مع شامی :۱۱۳/۱، سنن الوضوء
(۳) شامی :۱۱۳/۱، سنن الوضوء
(۴) فتح القدیر:۲۵/۱، کتاب الطهارة
(۵) شامی ۱۱۳/۱، سنن الوضوء
(۶) بنایہ ۱۱۹/۱، السواك من سنن الوضوء
(۷) إعلاء السنن ۲۹/۱، باب سنية السواك
(۸) شامی ۱۱۳/۱، سنن الوضوء

قرار دیا ہے اور یہی اصح ہے“

لیکن یہ خیال رہے کہ یہاں وضو سے مراد مطلق وضو ہے، خواہ اس وضو سے نماز پڑھنا ہو یا نہ ہو، بہر حال مسواک کرنا سنت ہے۔(۱)

وضو کرتے وقت مسواک کب کی جائے ؟

مسواک چونکہ منہ کی نظافت کا سبب ہے (۲) اور منہ تلاوت قرآن کا ذریعہ بھی ہے جس کی طہارت و نظافت کا حکم ہے (۳) اس لئے وضو کرتے وقت گٹوں تک ہاتھ دھونے کے بعد کلی کرتے وقت مسواک کرنی چاہئے، تاکہ مکمل طور پر منہ کی صفائی ہو جائے، چنانچہ بنایہ میں ہے:

”**ثم وقته عند المضمضة تكميلا للإنقاء**“(۴)

”وضو میں مسواک کلی کرتے وقت کی جائے، کیونکہ اس سے صفائی مکمل طور سے ہو جائیگی“

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے (۵) علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”**وعليه أكثر أصحابنا**“(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا، ان وجوہ کی بناء پر مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”**فليكن هو المعول عليه**“(۷)

”کلی کرتے وقت مسواک کرنے کا قائل ہونا ہی زیادہ مناسب ہے“

(۱) عارضۃ الاحوذی ۱/۳۹، أبواب الطهارة
(۲) ابن ماجه رقم الحديث :۲۸۹، باب السواك
(۳) شعب الإيمان رقم الحديث :۱۹۴۰، فصل في السواك لقراءة القرآن
(۴) بنايه :۱/۲۰۵، فضل السواك و أوقات استحبابه
(۵) البحر الرائق :۱/۲۱، سنن الوضوء
(۶) بنایہ ۱/۲۰۴، فصل السواك و أوقات استحبابه
(۷) سعايه :۱/۱۱۸، باب السواك ، المبحث الخامس

تیمّم وغسل کے وقت مسواک

وضو کرتے وقت تو کسی قدر مسواک کرنے کا اہتمام دیکھنے میں آتا ہے، لیکن جب کسی مجبوری کے تحت تیمّم کرنے کی نوبت آ جائے تو اس وقت سرے سے مسواک کرنے کا خیال بھی نہیں آتا، اسی طرح جب غسل کے لئے جانا ہوتا ہے تو اس وقت بھی مسواک کرنے کا جو اہتمام ہونا چاہیئے تھا وہ ہم لوگوں میں نہیں پایا جاتا ہے، حالانکہ غسل وتیمّم کے وقت بھی مسواک کرنا مستحب ہے، تیمّم کے لئے جب مٹی پر ہاتھ مارنے کا ارادہ کرے تو اس وقت مسواک کرے، اور جب غسل کرنا چاہے تو اس سے پہلے منہ کی صفائی کرلے۔(۱) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والسواک مستحب فی جمیع الأوقات لکن فی خمسة أوقات أشد استحبابا أحدها عند الصلوة سواء کان مطهرا بماء أو تراب الخ “(۲)

”مسواک کرنا تو ہر وقت مستحب ہے، البتہ پانچ اوقات میں اس کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ نماز کے وقت کیا جائے، خواہ وضو کرنا ہو یا تیمّم کرنا ہو“

نماز کے وقت مسواک

نماز کے وقت مسواک کرنے کے بارے میں بھی احادیث میں تاکید آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لولا أن أشق علی أمتی أو علی الناس لأمرتهم بالسواک مع کل صلاة “ (۳) وفی روایة الترمذی : ”عند کل صلوة “(۴)

---

(۱) موسوعه فقهيه :۱۳۹/۴،الاستياك في الطهارة – التيمم والغسل
(۲) فتح الملهم:۳۰۸/۱،باب السواك
(۳) بخاری رقم الحدیث : ۸۸۷،باب السواك يوم الجمعة
(۴) ترمذی رقم الحدیث : ۲۲،باب ما جاء في السواك

''اگر میری امت پر یا (آپ ﷺ نے فرمایا) لوگوں پر مسواک کرنا دشوار نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے ساتھ (یا فرمایا) ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''

خود آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب نماز کے لئے تشریف لاتے تو مسواک کرلیا کرتے تھے (۱) ایک حدیث میں ہے کہ جو نماز مسواک کر کے ادا کی جائے وہ ثواب کے اعتبار سے اس نماز سے ستر گنا بڑھ جاتی ہے جو بغیر مسواک کے ادا کی جائے (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب انسان مسواک کر کے نماز پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ آتا ہے اور اس کے پیچھے کھڑا ہو کر غور سے اس کی قرأت کو سننے لگتا ہے، اور آہستہ آہستہ قریب بھی ہوتا رہتا ہے، حتی کہ اپنا منہ مصلی کے منہ پر رکھ دیتا ہے، پھر جو آیت بھی پڑھتا ہے وہ فرشتہ کے پیٹ میں جاتی رہتی ہے (۳) ان احادیث کی روشنی میں نماز کے وقت بھی مسواک کرنے کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ غزنویہ کے حوالے سے لکھتے ہیں :

''ویستحب فی خمسة مواضع : اصفرار السن وتغیر الرائحة والقیام من النوم والقیام إلی الصلوة وعند الوضوء''(۴)

''پانچ مواقع پر مسواک کرنا مستحب ہے، جب کہ دانت زرد ہوجائے، منہ میں بدبو پیدا ہوجائے، سوکر اٹھا جائے، نماز کی تیاری کی جائے، اور جبکہ وضو کرنے کا ارادہ ہو''

اسی کے قائل علامہ حلبی بھی ہیں، فتاوی تاتارخانیہ میں تتمہ سے یہی منقول ہے، ہدیہ ابن عماد حاشیہ ہدایہ اور امداد الفتاح میں بھی یہی ہے، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے بھی اسی

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث :۵۲۶۱،صالح بن نبهان
(۲) صحیح ابن خزیمه رقم الحدیث :۱۳۷،باب فضل الصلاة التی یستاك لها الخ
(۳) السنن الکبری للبیهقی رقم الحدیث :۱۶۲،باب تأکید السواك عند القیام إلی الصلاة
(۴) فتح القدیر :۲۵/۱،کتاب الطهارة

قول کو ترجیح دی ہے(۱) ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے نماز کے وقت مسواک کرنے کو مستحب لکھا ہے، اور اس کو راجح قول قرار دیا ہے(۲) اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس کو اکثر احناف وشوافع کا قول قرار دیا ہے۔(۳)

ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ نماز اشرف ترین عبادت ہے، اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اسے پاکی ونظافت کی حالت میں ادا کرنے کا حکم ہے، اور مسواک کرنا بھی چونکہ منہ کی نظافت کے قبیل سے ہے، اس لئے اسے بھی مسنون ہونا چاہئے (۴) اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کئی عبادات پر مشتمل ہے، اس میں اللہ تعالی سے سرگوشی ومناجات ہے، قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے اور ملائکہ کی معیت حاصل ہوتی ہے، اور ان میں سے ہر ایک اس بات کا متقاضی ہے کہ مسواک کے ذریعہ منہ کو خوب صاف کرلیا جائے ،اسی کے ساتھ اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ فقہاء نے عام اجتماع میں بھی شرکت کرنے کے لئے مسواک کو مستحب قرار دیا ہے، تو نماز جیسی عبادت جس میں ملائکہ کی معیت ہوتی ہے، اس کے لئے تو بدرجہ اولی مسواک کو مستحب ومستحسن ہونا چاہئے (۵) اور یہاں نماز سے کوئی خاص نماز مراد نہیں ہے، نفل ہو یا فرض ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے(۶) حتی کہ اگر وضو کسی اور نماز کے لئے کیا تھا، اب اسی وضو سے دوسری نماز کچھ تاخیر سے ادا کر رہا ہے تو بھی مسواک کرنا چاہئے۔(۷)

---

(۱) شامی :۱/۱۱۴،سنن الوضوء
(۲) مرقاۃ:۱/۳۹۵،باب السواك
(۳) فتح الملهم :۱/۳۰۸،باب السواك
(۴) عمدة القاری :۶/۱۸۲،باب السواك يوم الجمعة
(۵) شامی :۱/۱۱۴،سنن الوضوء
(۶) عمدة القاری :۶/۱۸۲،باب السواك يوم الجمعة
(۷) عارضة الاحوذی :۱/۳۹،أبواب الطهارة

مسواک کی حکمت

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے مسواک کرنے کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''جب کسی عالیشان دربار میں جانا ہوتو قبل از حضور دربار ظاہری شکل وشباہت کا سنوارنا اور دانتوں کو صاف کرنا بھی بڑا ضروری ہے، کیونکہ بات چیت کرنے کے وقت دانتوں کی زردی اور میل نظر پڑنے سے طبائع سلیمہ کونفرت ہوتی ہے، پس احکم الحاکمین سے بڑھ کر کس کا دربار عالیشان ہوسکتا ہے، جس کے لئے یہ اہتمام کیا جائے ، کیونکہ اِن اللہ جمیل ویحب الجمال یعنی خدائے تعالیٰ خوب ہے اور خوبی کو پسند کرتا ہے، سو جب کہ یہ بات ٹھہری تو دانتوں کے میل اور بوئے دہن (منہ کی بدبو) کو وہ کب پسند کرسکتا ہے، اس وجہ سے اعظم شعائر اللہ یعنی نماز پڑھنے سے پہلے جیسا کہ دیگر قاذورات (گندگیاں) اور میل کچیل کو صاف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، ایسا ہی دانتوں کے میل ومنہ ومسوڑھوں کی عفونت (سخت بدبو) کو رفع کرنا بھی مستحسن ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز سے پہلے مسواک استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ تعظیم شعائر اللہ کیلئے جو امور بجالائے جاتے ہیں ان سے جسمانی فوائد حاصل ہونے کے علاوہ اخروی اجر وثواب بھی ملتا ہے، (نیز) اگر بہت دنوں تک مسواک نہ کی جائے تو مسوڑھوں اور دانتوں میں بقیہ اجزاء غذا کے رہنے اور میل جم جانے سے منہ میں تعفن اور بدبو ہوجاتی ہے، اور جب انسان مسجد کے اندر نمازیوں میں جا کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی بدبو سے ان کو اور ارواح طیبہ ملائکۃ اللہ کو ایذا پہونچتی ہے، اور یہ امر عنداللہ وعندالناس مقبوح ومکروہ ہے'' (۱)

(۱) المصالح العقلیہ ،ص:۴۱-۴۲

احناف بھی نماز کے وقت مسواک کرنے کے قائل ہیں

اس تفصیل سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ احناف کے یہاں بھی نماز کے واسطے مسواک کرنا مستحب ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض احناف نماز کے وقت مسواک کرنے کو مستحب نہیں سمجھتے ہیں، اور نماز کے وقت مسواک کرنے میں خون بہنے کا احتمال پیدا کر کے اپنے موقف کو مدلل کرتے ہیں (۱) لیکن یہ احتمال صحیح نہیں ہے، کیونکہ عادت بن جانے کے بعد یہ خوف جاتا رہتا ہے (۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک بڑے پتے کی بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نماز کے وقت مسواک کرنے میں احناف وشوافع کا جو اختلاف ہے، وہ صرف ایک حدیث کی مراد متعین کرنے میں ہے، اور وہ حدیث ہے" **لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواک مع كل وضوء**" یہ حدیث مختلف سندوں سے کتب حدیث میں مروی ہے، ان کے تتبع سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ لفظ وضو کے ساتھ "عند" (قریب) اور "مع" (ساتھ ساتھ) دونوں کا ذکر ہے، اور لفظ صلوۃ کے ساتھ صرف "عند" مذکور ہے، البتہ ایک روایت میں لفظ صلوۃ کے ساتھ بھی "مع" کا ذکر ملتا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو شاذ قرار دیا ہے، اسلئے اس لفظ کے ساتھ یہ حدیث لائق اعتبار نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں وضو کے ساتھ مسواک کرنا مراد ہے یا نماز کے وقت؟ تو احناف ایک تو "عند" اور "مع" کے استعمال کو مدنظر رکھا، دوسرے انہوں نے ابن حبان کی اس روایت کو بھی سامنے رکھا جس میں یہ ذکر ہے :

"لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم مع الوضوء بالسواک عند كل صلاة "(۳)

(۱) البحر الرائق :۲۱/۱،سنن الوضوء

(۲) شامی :۱۱۳/۱،سنن الوضوء

(۳) صحيح ابن حبان رقم الحديث :۱۰۶۹،ذكر البيان بأن قوله ﷺ عند كل صلاة أراد به الخ

''مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر وضو کے ساتھ ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''

پھر فرمایا کہ عند اور مع کا استعمال اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ''مع کل وضوء'' والی حدیث میں آپ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ مسواک ہر نماز کے قریب مشروع ہے، اور اسے ایسے وقت میں کیا جائے جبکہ وضو کیا جاتا ہے، اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ تکبیر تحریمہ سے متصل مسواک کی جائے، ہاں اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم موکد ترین ہے، اور اس کا محل وضو ہے۔(۱)

علامہ شامی کی توجیہ

علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی اچھی توجیہ پیش کی ہے، اور وہ یہ کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مسواک کر کے جو نماز پڑھی جائے وہ بلا مسواک پڑھی جانے والی نماز پر ستر گنا فضیلت رکھتی ہے(۲) اب علماء کے مابین یہ اختلاف ہوگیا کہ اس ثواب کا استحقاق کس وقت مسواک کرنے سے ہوگا، تو شوافع کے یہاں عین تکبیر تحریمہ کے وقت جب مسواک کی جائے تب اس ثواب کا استحقاق ہوگا، اور احناف کے یہاں وضو کے وقت مسواک کر لینے سے بھی ملے گا، تو اصل اختلاف استحقاق ثواب کے بارے میں ہے، نہ کہ مطلق نماز کے بارے میں، جب یہ بات ہے تو احناف پر یہ الزام نہیں آتا کہ وہ نماز کے وقت مسواک کے مستحب ہونے کے قائل نہیں ہیں، دوسرے دلائل کی روشنی میں احناف کا موقف بھی یہی ہے کہ نماز کے وقت بھی مسواک کرنا مستحب ہے۔(۳)

مولانا عبدالحی لکھنوی کی توجیہ

اور ایک توجیہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی اس موقع سے لکھی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء احناف جب کہتے ہیں :

---

(۱) فتح الملهم:۳۰۸/۱،باب السواك

(۲) صحيح ابن خزيمة رقم الحديث :۱۳۷،باب فضل الصلاة التى يستاك لها الخ

(۳) شامى :۱۱۳/۱،سنن الوضوء

"إنه سنة للوضوء دون الصلوة"

''مسواک وضو کی سنت ہے نہ کہ نماز کی''

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسواک وضو کے لئے سنت مؤکدہ ہے، نماز کے لئے سنت موکدہ نہیں ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز کے لئے مسواک کرنا مستحب بھی نہیں ہے، بلکہ دیگر دلائل کی روشنی میں اس کا مستحب ہونا مسلم ہے، گویا نماز کے وقت مسواک کے بارے میں جو اختلاف ہے، وہ سنت موکدہ ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہے، احناف کے یہاں سنت موکدہ تو نہیں ہے، البتہ مستحب ضرور ہے۔(۱)

نماز جمعہ کے لئے مسواک

جمعہ کے دن خاص طور سے طہارت ونظافت کی تاکید آئی ہے، اس دن تیل اور خوشبو لگانے اور اچھا وعمدہ کپڑا پہننے کی ترغیب بھی کئی احادیث میں مذکور ہے، نظافت ہی کے قبیل سے مسواک کرنا بھی ہے، اس لئے جمعہ کی نماز کے لئے بھی مسواک کرنا سنت ہے، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے مسواک کو بھی خصائص جمعہ میں سے شمار کیا ہے (۲) زین بن منیر فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن مسلمانوں سے خاص طور پر ظاہر جسم کی پاکیزگی ونظافت کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور غسل کرنے، پاکی وصفائی پر توجہ دینے اور خوشبو وغیرہ لگانے کی ترغیب دی گئی ہے، اور مسواک چونکہ منہ کی نظافت کا ذریعہ ہے، اس لئے اس کا اہتمام بھی کرنا چاہئے، کیونکہ منہ سے ہی خدا کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے دربار میں مناجات پیش کی جاتی ہے، منہ کے بدبودار ہونے کی صورت میں فرشتوں کو تکلیف ہوگی، اور انسانوں کو بھی اذیت محسوس ہوگی، اس لئے منہ کی صفائی کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہئے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک مستقل باب ''**باب السواک یوم الجمعه**'' کے نام سے قائم فرمایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"إن هـذا يوم عيد جعله الله للمسلمين فمن جاء منكم

---

(۱) سعايه: ۱۲۰/۱، والمضمضة بمياه

(۲) زادالمعاد: ۳۶۵/۱، فصل في خواص يوم الجمعة

إلى الجمعة فليغتسل وإن كان طيب فليمس منه وعليكم بالسواک"(۱)

''جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید کا دن ہے، تم میں سے جو نماز جمعہ کیلئے آنا چاہے تو پہلے غسل کرلیا کرے، اور اگر خوشبو ہو تو اسے بھی لگالیا کرے، اور مسواک بھی ضرور کیا کرے''

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسواک کرنا یوں تو ہر نماز کیلئے مستحب ہے، لیکن نماز جمعہ کیلئے اسکے استحباب میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، کیونکہ اس دن لوگوں اور فرشتوں کا خاص طور پر اجتماع ہوتا ہے، (۲) مسواک کر لینے سے ان حضرات کو منہ کی بدبو سے تکلیف نہیں پہونچے گی۔

سجدۂ تلاوت کے لئے مسواک

نماز سے باہر اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے تو سجدۂ تلاوت ادا کرنے سے پہلے مسواک کرنا مستحب ہے، ہاں اگر نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی، تو نماز کے لئے کی گئی مسواک سجدۂ تلاوت کے لئے بھی کافی ہوجائیگی۔(۳)

تلاوت ودیگر اذکار کے لئے مسواک

جس مجلس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو گشتی ملائکہ اہل مجلس کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، اور کثرت سے فرشتوں کا ورود ہوتا ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ جن چیزوں سے انسان کو تکلیف پہونچتی ہے ان سے فرشتے بھی اذیت محسوس کرتے ہیں، اس لئے تلاوت اور دیگر اذکار نیز کتب حدیث اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم وتعلم کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے؛ (۴) کیونکہ ان ساری حالتوں میں فرشتوں کی معیت کے ساتھ انسان خدائے تعالی کی خصوصی توجہ کا مرکز

---

(۱) سنن ابن ماجه رقم الحديث :۱۰۹۸،باب ماجاء في الزينة يوم الجمعة

(۲) عمدة القاری ۱۸۳/۶،باب السواك يوم الجمعة

(۳) موسوعه فقهيه ۱۳۹/۴،السواك عند قراءة القرآن والذكر

(۴) مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوی ،ص:٦٨،فصل في سنن الوضوء

بن جاتا ہے، ان سے ہم کلامی اور مناجات کا شرف حاصل ہوتا ہے، لیکن عام طور پر اس میں سستی برتی جاتی ہے، اہل علم اور مقتدی حضرات کو اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے۔

روزہ دار کے لئے مسواک

روزہ کی حالت میں بھی مسواک کرنا سنت ہے، حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رأيت النبي ﷺ مالا أحصى يتسوک وهو صائم "(۱)

''میں نے نبی کریم ﷺ کو روزہ کی حالت میں ان گنت مرتبہ مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ داروں کے لئے مسواک کرنا ہر وقت مستحب ہے، خواہ دن کا ابتدائی حصہ ہو یا آخری و درمیانی حصہ؛ کیونکہ حدیث پاک میں کوئی قید نہیں ہے (۲) جمہور اور احناف کی بھی یہی رائے ہے کہ روزہ داروں کے لئے مسواک کرنا زوال سے پہلے اور زوال کے بعد بھی جائز ہے، چنانچہ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولايكره له السواک آخر النهار بل هو سنة كأوله "(۳)

''روزہ دار کے لئے مسواک کرنا دن کے آخری حصہ میں (زوال کے بعد) مکروہ نہیں ہے، بلکہ جس طرح دن کے ابتدائی حصہ میں اس کیلئے مسواک کرنا سنت ہے اسی طرح آخری حصہ میں (زوال کے بعد) بھی سنت ہے''

لیکن شوافع حضرات کے یہاں دن کے آخری حصہ میں مسواک کرنا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے، وہ حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے:

"ولخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسک "(۴)

---

(۱) ترمذی رقم الحديث :۷۲۵،باب ما جاء في السواك

(۲) نيل الأوطار :۱/۱۳۹،باب السواك للصائم

(۳) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوى ص:٦٨١،فيما يكره للصائم وما لا يكره الخ

(۴) بخاری رقم الحديث :۵۹۲۷،باب ما يذكر في المسك

''روزہ دار کے منہ کا خلوف (بدبو) اللہ پاک کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے''

اور مسواک کرنے میں اس کا ازالہ لازم آتا ہے،اس لئے دن کے آخری حصہ میں (زوال کے بعد) مسواک کرنا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے،لیکن احناف فرماتے ہیں کہ خلوف معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدبو کا نام ہے،اور وہ مسواک کرنے سے زائل نہیں ہوتی ہے،مسواک کرنے سے تو صرف منہ کی بدبو دور ہوتی ہے،جس کا زائل کرنا شرعاً مطلوب و مستحسن ہے(۱) دلائل میں غور کرنے سے احناف اور جمہور کا مسلک ہی قوی معلوم ہوتا ہے،اور حدیث ''**لخلوف الصائم الخ** '' کا تعلق مسواک کے مسئلہ سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق فضائل روزہ سے ہے کہ جب روزہ دار کا خلوف (جو بدبو معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے) جو بے وقعت اور ناپسندیدہ چیز ہے وہ اللہ تعالی کو اس قدر پسند ہے تو خود روزہ کا مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہوگا؟ اور کتنا عظیم ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ بعض شوافع نے بھی دلائل کی روشنی میں اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ روزہ دار کے لئے زوال کے بعد بھی مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے:

''والذی اختاره بعض ائمة الشافعیه بعد النظر فی الادلة ان السواک لایکره بعد الزوال''(۲)

''دلائل میں غور کرنے کے بعد بعض ائمہ شافعیہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ زوال کے بعد بھی روزہ دار کے لئے مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے''

روزہ دار کے لئے تر مسواک

روزہ کی حالت میں خواہ ہری ٹہنی کی مسواک کی جائے یا پانی میں تر کر کے استعمال کی جائے، دونوں صحیح ہے، کیونکہ روزہ کی حالت میں بالاتفاق کلی کرنا ممنوع نہیں ہے، حالانکہ کلی

(۱) موسوعة فقهية :۱۳۸/۴،یعتری الاستیاك أحكام ثلاثة
(۲) موسوعة فقهية :۱۳۸/۴،یعتری الاستیاك أحكام ثلاثة

کرنے کے بعد جتنی تری منہ میں باقی رہ جاتی ہے، اتنی تری ہری ٹہنی یا پانی میں بھگوئی ہوئی مسواک میں نہیں ہوتی ہے، تو جب کلی کرنا بلا کراہت جائز ہے تو مسواک خواہ تر کیوں نہ ہو جائز و درست ہوگی۔(۱) علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولایکرہ لو کان رطبا وخضرا اومبلولا بالماء"(۲)

''اور مسواک خواہ ہری ٹہنی کی ہو یا پانی سے بھگوئی ہوئی ہو، روزہ کی حالت میں کرنا مکروہ نہیں ہے''

سونے سے پہلے مسواک

سونے سے پہلے مسواک کر لینا چاہئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس وقت تک آرام نہ فرماتے جب تک مسواک نہ فرما لیتے (۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب رات میں بستر پر تشریف لے جاتے تو مسواک فرماتے اور وضو فرماتے (۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ خود اپنا عمل یہ بیان کرتے ہیں کہ میں سونے سے پہلے مسواک کر لیا کرتا ہوں (۵) نیز اطباء سونے سے قبل دانتوں کی صفائی کی تاکید کرتے ہیں، اس وقت دانتوں کی صفائی سے منہ میں موجود بدبو زائل ہو جاتی ہے، جو معدہ کی صحت وقوت کی باعث ہے، اور مسوڑھوں کے لئے مفید ہے، انہی وجوہ کی بناء پر فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ سونے سے پہلے مسواک کرنا مستحب ہے۔(۶)

سو کر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا

سونے سے چونکہ معدہ کے بخارات اوپر چڑھ آتے ہیں، جس کی وجہ سے منہ میں کھانے وغیرہ کی بو محسوس ہونے لگتی ہے، اس لئے سو کر اٹھنے کے بعد بھی مسواک کرنا مستحب ہے، حضرت

---

(۱) حاشية الطحطاوی، ص:۶۸۲، فيما يكره للصائم وما لا يكره

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوی، ص:۶۸۲، فيما يكره للصائم وما لا يكره

(۳) تاريخ ابن عساكر :۷/۵۷، محرز عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ

(۴) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۱۷۸۸، ما ذكر في السواك

(۵) حوالہ سابق

(۶) عمدة القاری ۱۸۲/۶، باب السواك يوم الجمعة

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کنا نومر بالسواک اذا اقمنا من اللیل "(۱)

''آپ ﷺ ہم لوگوں کو مسواک کرنے کا حکم دیتے تھے جب بھی رات کو سوکر اٹھا کریں''

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے رات کے معمولات کو بذات خود دیکھنے کا ارادہ فرمایا، اور آپ ﷺ کے حجرۂ مبارک ہی میں انہوں نے رات گذاری، وہ آپ ﷺ کا معمول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فلما استیقظ من منامه اتی طهوره فأخذ سواکه فاستاک "(۲)

''جب آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو پانی لیا پھر مسواک ہاتھ میں لی اور مسواک کرنے لگے''

اسی وجہ سے فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ سوکر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا مستحب ہے۔(۳)

منہ میں بو پیدا ہوجانے پر مسواک

کبھی منہ میں بو بھوک اور پیاس کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے، کبھی کوئی بو والی چیز مثلا لہسن، پیاز اور مولی وغیرہ کھانے کی وجہ سے بھی بو محسوس ہونے لگتی ہے، اور کبھی زیادہ دیر تک خاموش رہنے سے بھی یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، الغرض منہ میں بو پیدا ہوجانے کی جو بھی وجہ ہو اس وقت مسواک کر لینا مستحب ہے(۴) تا کہ منہ کی بو زائل ہوجائے، اور اسکی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے۔

قریب المرگ کا مسواک کرنا

جب انسان کا رشتہ حیات دنیا سے ختم ہونے والا ہوتا ہے، اور آخرت کی ایک غیر

(۱) نسائی رقم الحدیث :۱۶۲۳،باب ما یفعل إذا قام من اللیل من السواك

(۲) أبو داؤد رقم الحدیث :۵۸،باب السواك لمن قام من اللیل

(۳) مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ،ص:۶۸،فصل في سنن الوضوء

(۴) نیل الأوطار: ۱/۱۳۴،باب الحث علی السواك

محدود زندگی شروع ہونے والی ہوتی ہے تو ان کے پاس فرشتوں کی آمد ورفت ہونے لگتی ہے، اس لئے اس وقت تیمارداروں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اگر بیمار مسواک کرسکتا ہو تو اس کا موقع اسے فراہم کرے، نبی کریم ﷺ کا انتقال جس صبح کو ہوا ہے، اسی صبح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں مسواک کرتے ہوئے حاضر ہوئے، آپ ﷺ ان کی مسواک کی طرف غور سے دیکھنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی مزاج شناس بیوی تھیں وہ فوراً تاڑ گئیں اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مانگا، اور اسے صاف اور تیار کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، اور آپ ﷺ نے اس سے اچھی طرح مسواک کی (۱) اسی لئے اس وقت بھی مسواک کرنا مستحب ہے، اس سے روح نکلنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔

"استحب الفقهاء استياك المحتضر عند الموت
وقالوا : إنه يسهل خروج الروح "(۲)

"فقہاء نے قریب المرگ آدمی کو مسواک کرنا مستحب فرمایا ہے، نیز ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس سے روح نکلنے میں آسانی ہوتی ہے"

مسواک مزید دیگر مواقع پر

مذکورہ بالا مواقع کے علاوہ دیگر جگہوں میں بھی مسواک کرنا مستحب ہے، مثلاً گھر میں داخل ہوتے وقت، کسی مجلس میں شرکت کے وقت (۳) دانتوں پر زردی چھا جانے کے وقت (۴) تہجد کی ہر دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد، نماز وتر کے بعد نفل کی دو رکعت پڑھنے سے پہلے، صبح کے وقت، نماز عید، نماز استسقاء، نماز کسوف، اور نماز خسوف کے وقت، کھانے سے پہلے (۵)

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۸۵/۳، باب السواك
(۲) موسوعہ فقہیہ ۱۳۹/۴، السواك عند قراءة القرآن والذكر
(۳) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، ص:٦٨، فصل في سنن الوضوء
(۴) شامی :۱۱۳/۱، سنن الوضوء
(۵) عمدة القاری :۱۸۲/٦، باب السواك يوم الجمعة

کھانے کے بعد اور جماع کے وقت (۱) تتبع اور غور وفکر سے اس کے علاوہ دیگر مواقع بھی ہوسکتے ہیں، جن میں مسواک کرنا شرعاً مستحب ہو، ان مواقع کی صراحت سے یہ لازم نہیں آ تا کہ دوسرے مواقع پر مسواک کرنا مستحب نہیں ہے۔ (۲)

مسواک کے فوائد

دار قطنی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مسواک میں دس فائدے ہیں، یہ خدا کی خوشنودی کا ذریعہ ہے، شیطان کی ناراضگی کا سبب ہے، ملائکہ اس سے خوش ہوتے ہیں، مسوڑھوں کے لئے نافع ہے، بو کو ختم کرتی ہے، نگاہ کو تیز کرتی ہے، منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے، بلغم میں کمی کرتی ہے، یہ سنت ہے اور نیکی میں اضافہ کرتی ہے، (۳) اور یہی حدیث بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے (۴) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسواک میں ستر فائدے ہیں، سب سے ادنی فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ نصیب ہوجاتا ہے (۵) علامہ قشیری رحمہ اللہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مسواک کو لازم پکڑو، اور اس سے غفلت نہ برتو، اس میں ۲۴ فائدے ہیں، سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ خدا خوش ہوتا ہے، نماز کا ثواب ۷۷ گنا بڑھ جاتا ہے۔

اس سے غنا اور فراخی حاصل ہوتی ہے، منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے، مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے، دردسر کے لئے نافع ہے، داڑھ کے درد کو ختم کرتی ہے، فرشتے مسواک کرنے والوں سے مصافحہ کرتے ہیں، کیونکہ ان کے چہرے روشن اور دانت چمکدار ہوتے ہیں (۶) مگر اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

(۱) موسوعه فقهيه :۱۴۰/۴، مواضع أخرى لاستحباب الاستياك
(۲) مرقاة :۳۹۵/۱، باب السواك
(۳) سنن الدار القطني رقم الحديث :۱۶۰، باب السواك
(۴) شعب الإيمان رقم الحديث:۲۵۲۱، فضل الوضوء الخ
(۵) مرقاة :۳۹۵/۱، باب السواك
(۶) عمدة القاري :۱۸۲/۶، باب السواك يوم الجمعة

"لا أصل له لامن طريق صحيح ولا من طريق ضعيف"(۱)

''اس کا ثبوت نہ سند صحیح سے نہ سند ضعیف سے''

ایک حدیث میں ہے کہ مسواک موت کے علاوہ ساری بیماریوں کے لئے شفا ہے(۱) اس کی وجہ سے بڑھاپا دیر سے آتا ہے، نگاہ تیز ہوتی ہے، پل صراط پر تیزی سے گذارنے کا ذریعہ ہے، منہ کی نظافت کا سبب ہے، بو زائل کرتی ہے، دانتوں کو چمکدار بناتی ہے، کھانا ہضم کرتی ہے، منہ (طرق قرآن) کو صاف کرتی ہے، فصاحت میں اضافہ کرتی ہے، معدہ کو قوت بخشتی ہے، پتہ کو اعتدال پر رکھتی ہے، دانت کے درد کے لئے مفید ہے، روح نکلنے میں آسانی کا ذریعہ ہے، النہر الفائق میں ہے کہ مسواک کے تیس سے زائد فائدے ہیں، سب سے ادنی یہ ہے کہ اس سے بدبو کا ازالہ ہوتا ہے، اور اعلی یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ شہادت نصیب ہوجاتا ہے(۲) اس کے علاوہ مزید فائدے علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے بیان کئے ہیں، ان میں سے مکررات کو حذف کر کے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

مسواک دانتوں کو طاقت دیتی ہے، بدن کو قوت بخشتی ہے، یادداشت اور عقل میں اضافہ کرتی ہے، ذہن کو جلا بخشتی ہے، نماز کے لئے جاتے وقت فرشتے اس کی وجہ سے مشایعت کرتے ہیں، اس کے لئے حاملین عرش اور انبیاء ورسل استغفار کرتے ہیں، اس کی وجہ سے اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، عبادات پر اس سے قوت ملتی ہے، جسم کے درد اور اس کی حرارت کو کم کرتی ہے، پشت کو قوی کرتی ہے، اخلاق کی درستگی کا سبب ہے، زبان کو صاف کرتی ہے، رطوبت کو قطع کرتی ہے، مال واولاد میں اضافہ کا باعث ہے، دنیوی ضروریات کے پورا ہونے میں معین ہے، قبر میں کشادگی اور اس میں انس کا ذریعہ ہے، مسواک نہ کرنے والا اس دن جتنی عبادت کرتا ہے اس کا ثواب مسواک کرنے والوں کے لئے بھی لکھا جاتا ہے، ان کے

---

(۱) سعایہ ۱/۱۱۸، باب السواك ، المبحث السادس

(۲) فيض القدير شرح الجامع الصغير رقم الحديث : ۷/۱۰۳، فصل في المحلى بأل من هذا الحرف أي السين

(۳) شامی : ۱/۱۱۴، سنن الوضوء

لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور فرشتے ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ انبیاء کی پیروی کرنے والا ہے، ان کے نقش قدم پر چلنے والا اور روزانہ ان حضرات کے اسوۂ حسنہ کی تلاش وجستجو میں رہنے والا ہے، اس پر جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، وہ دنیا سے گناہوں کی گندگی سے بالکل پاک وصاف ہوکر رخصت ہوتا ہے، ملک الموت اس کی روح نکالنے کے لئے نہایت اچھی صورت میں آتے ہیں، اور موت سے پہلے پہلے وہ دنیا ہی میں حضور ﷺ کے حوض یعنی رحیق مختوم سے سیراب ہوجاتا ہے، ان فضائل کو نقل کرنے کے بعد علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"قال بعضهم هذه الفضائل كلها مروية بعضها مرفوع وبعضها موقوف و ان كان في سنادها مقال فينبغي العمل بها "(۱)

"بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ سارے فضائل مرفوع وموقوف دونوں سندوں سے مروی ہیں، اور اس کی سند میں اگرچہ محدثین کو کلام ہے لیکن (فضائل کے باب میں سے ہونے کی وجہ سے) اس پر عمل کرنا مناسب ہے (کیونکہ فضائل کے باب میں ضعیف حدیث پر بھی عمل جائز ہے)"

اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کسی امر شرعی کے بارے میں کسی شخص کو اللہ یا اس کے رسول کے حوالے سے فضیلت اور غیر معمولی ثواب ملنے کا علم ہوا ہو، اور وہ ایمانی جذبہ سے سرشار ہوکر اور ثواب کے حصول میں عمل کرنا شروع کردیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی فیاض ذات اسے وہ ثواب ضرور عطا کرے گی، اگرچہ حقیقت کچھ اور ہی ہو، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک ضعیف حدیث (۲) میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"من بلغه عن الله عز وجل فضيلة فأخذ بها إيمانا ورجاء

---

(۱) حاشية الطحطاوی علی مراقي الفلاح ،ص:۶۹،فصل في سنن الوضوء

(۲) تنزيه الشريعة :۲۶۵/۱،كتاب العلم ، الفصل الثاني

ثوابها أعطاه الله ذلک وإن لم یکن کذالک "(۱)

''جس شخص کو اللہ کے حوالے سے کسی عمل کی فضیلت کا علم ہوا ہو، اوراس نے ایمانی جذبے کے ساتھ بامید ثواب عمل کیا ہوتو اللہ تعالی اسے وہ ثواب عطا کرینگے اگرچہ حقیقت واقعہ ویسا نہ ہو''

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے مسواک کے کئی فوائد تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے اور بھی فوائد ہیں، لیکن ان میں سے اکثر کا تعلق طب اور دنیوی منفعت سے ہے؛ اس لئے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔(۲)

مسواک کس لکڑی کی ہو؟

ہر ایسی لکڑی کی مسواک استعمال کرنا درست ہے جو ضرر رساں نہ ہو، اور منہ کی میل کچیل اوراس کی بدبو کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، البتہ افضل ہونے کے اعتبار سے احناف کے یہاں اس کے تین درجات ہیں:

۱۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ مسواک کے لئے ادرک (پیلو) کی لکڑی استعمال کی جائے؛ کیونکہ اس میں خوشگوار بو ہوتی ہے، ریشے دار ہوتی ہے، دانتوں کے مابین موجود غذائی اجزاء اور بو وغیرہ کو خارج کرنے کی بھی اس میں بھرپور صلاحیت ہوتی ہے، مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے، دانتوں کو مختلف امراض سے بچاتی ہے، ہضم میں معین ہوتی ہے، اس سے پیشاب بھی کھل کر آتا ہے(۳) ان فوائد کے علاوہ اس کی سب سے اہم خوبی وہ ہے جو حضرت ابوخیرہ الصباحی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کنت في الوفد فزودنا رسول الله بالإراک وقال استاکوا بهذا "(۴)

(۱) شرح مذاهب أهل السنة لابن شاهين رقم الحديث :٦٨، باب الرجاء للعبد فيما بلغه من ثواب الله
(۲) سعايه :۱/۱۱۹، باب السواك ، المبحث السادس
(۳) فقه السنة :۱/۴۵، سنن الوضوء
(۴) عمدۃ القاری ۶/۱۸۱، باب السواك يوم الجمعة

’’میں وفد عبدالقیس کا ایک فرد تھا، آپ ﷺ نے ہم لوگوں کو زادراہ
کے طور پر (علاوہ دیگر اشیاء کے) پیلو کی لکڑی بھی دی تھی، اور فرمایا
اس سے مسواک کیا کرو‘‘

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کی مسواک کے انتظام پر مامور تھے (۱) وہ فرماتے ہیں:

’’کنت أجتنی لرسول اللہ ﷺ سوا کا من إراک ‘‘(۲)

’’میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیلو کی مسواک توڑ کر لایا کرتا تھا‘‘

۲۔ پیلو کی مسواک کے بعد زیتون کی لکڑی کی مسواک بہتر ہے، آپ ﷺ نے اس کی تعریف فرمائی ہے، حدیث میں ہے:

’’نعم السواک الزیتون من شجرۃ مبارکۃ یطیب الفم ویذھب بالحفر وھو سواکی وسواک الأنبیاء قبلی‘‘(۳)

’’زیتون جو شجرۂ مبارکہ ہے، اس کی مسواک بڑی اچھی ہوتی ہے،
منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے، بو کو زائل کرتی ہے، یہ میری مسواک
ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے‘‘

۳۔ اور تیسرے نمبر پر ہر اس لکڑی کی مسواک ہے جس میں عمدہ بو ہو اور ضرر رساں نہ ہو، اور اس میں کسی قدر کڑواہٹ بھی ہو، مثلاً نیم اور اس جیسی دوسری مسواک، کیونکہ وہ قاطع بلغم ہوتی ہے، سینہ کو صاف رکھتی ہے اور کھانے کے ہضم ہونے میں معین ہوا کرتی ہے۔

’’وأن یکون من شجر مر لیکون أقطع للبلغم وأنقی للصدر وأھنأ للطعام ‘‘(۴)

---

(۱) مسند أحمد رقم الحدیث :۳۹۹۱، مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۲) مسند أبي یعلی الموصلي رقم الحدیث :۵۳۱۰، مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۳) المعجم الأوسط رقم الحدیث :٦٧٨، من اسمہ أحمد

(۴) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:٦٨، فصل في سنن الوضوء

''مسواک ایسے درخت کی ہو جس میں کسی قدر کڑواہٹ ہو، کیونکہ
وہ بلغم کو اچھی طرح قطع کرتی ہے، سینہ کو خوب صاف کرتی ہے،
اور غذا کے ہضم کرنے میں بہتر کردار ادا کرتی ہے''

پھر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ ہی نے مسواک کے بہتر ہونے کی ترتیب یہ بیان کی ہے:

**''أفضله الإراک ثم الزیتون ویصح بکل عود إلاالرمان
والقصب لمضرتهما ''(۱)**

''سب سے بہتر مسواک پیلو کی ہے، پھر زیتون کی، اسکے بعد ہر اس
لکڑی کی جس میں نقصان دہ پہلو نہ ہو، ضرررساں ہونے ہی کی وجہ
سے بانس اور انار کے درخت کی مسواک ممنوع ہے''

لیکن علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے درمختار کے حاشیہ میں زیتون کی مسواک کو پیلو کی مسواک سے بھی افضل قرار دیا ہے، اور اس دعوی پر زیتون کی مسواک سے متعلق حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے۔(۲)

ان لکڑیوں کی مسواک مکروہ ہے

اس کے علاوہ جس لکڑی کی مسواک سے کچلی اور ڈاڑھ وغیرہ زخمی اور خون آلود ہوجائے یا اس سے کوئی اور ضرر یا مرض لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی مسواک استعمال کرنا مکروہ ہے:

**''نهی رسول الله ﷺ عن السواک بعود الریحان
والرمان وقال إنه یحرک عرق الجذام ''(۳)**

''آپ ﷺ نے ریحان اور انار کی لکڑی کو مسواک کے طور پر
استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے

(۱) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۶۸،فصل في سنن الوضوء

(۲) طحطاوی علی الدر ۱/۷۰،کتاب الطهارة

(۳) مصنف ابن أبي شيبة رقم الحديث :۲۶۵۴۸،في التخلل بالقصب والسواك بعود الريحان

کہ اس سے جذام پیدا ہونے کا خوف ہے‘‘

اس حدیث کا تعلق ’’احکام طب‘‘ سے ہے، فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جس لکڑی کے بارے میں اطباء کی یہ رائے ہو کہ وہ ضرر رساں ہے تو اس سے مسواک کرنا مکروہ ہوگا (۱) اور یہ بھی لکھا ہے کہ زہریلے درخت کی ٹہنی کو مسواک کیلئے استعمال کرنا حرام ہے (۲) کیونکہ اس سے جان کی ہلاکت یا پھر شدید قسم کا ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہے جو شرعاً ممنوع ہے (۳) اور جس لکڑی کے بارے میں علم نہ ہو کہ یہ نافع ہے یا نقصان دہ تو اس کو بھی استعمال نہ کرے، ممکن ہے کہ اس میں کوئی نقصان دہ پہلو ہو اور اس کی وجہ سے کوئی ضرر پہونچ جائے (۴) الغرض جو لکڑی متعارف ہو، اور تجربے سے اس کا ضرر رساں نہ ہونا معلوم ہو، اور مسواک کی غرض وغایت مثلاً بو وغیرہ کو زائل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اسی کا استعمال کرنا چاہئے۔

مسواک کیسی ہو؟

مسواک معتدل قسم کی ہونی چاہئے، نہ اتنی نرم ہو کہ مڑ جائے، اور دانتوں کی زردی وغیرہ کو صاف نہ کر سکے، اور نہ اتنی کھردری اور خشک ہو کہ کچلی کو زخمی کر دے، اس کی موٹائی ہاتھ کی کسی بھی انگلی یا کم از کم چھوٹی انگلی کے بقدر ہو، گرہیں اس میں کم ہوں، اور لمبائی ایک بالشت ہو (۵) اس سے زائد نہ ہو، اگر بالشت سے کم ہو تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے (۶) استعمال کرنے والے کی بالشت کا اعتبار ہوگا یا معتاد بالشت کا، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے استعمال کرنے والے کی بالشت کا اعتبار کیا ہے (۷) جب کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے عادۃً بالشت کی جو مقدار ہوتی ہے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۸)

---

(۱) موسوعہ فقہیہ ۱۴۱/۴، ما يحظر الاستياك به أو يكره
(۲) درمع الشامی ۱۱۴/۱، سنن الوضوء
(۳) البقرہ: ۱۹۵
(۴) کشاف القناع: ۷۴/۱، باب السواك وغيره
(۵) شامی: ۱۱۴/۱، سنن الوضوء
(۶) تقريرات رافعي: ۱۷/۱، كتاب الطهارة
(۷) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص: ۶۸، فصل في سنن الوضوء
(۸) شامی: ۱۱۴/۱، سنن الوضوء

لکڑی کے علاوہ اشیاء کا استعمال

کتب فقہ میں یہ تصریح ہے کہ جب درخت کی مسواک موجود ہوتو انگلی یا کھردرے کپڑے سے مسواک کا کام لینے سے سنت ادا نہ ہوگی (۱) یہی بحر، منیہ اور اس کی شرح حلبی اور جامع مضمرات میں ہے (۲) ہاں اگر مسواک موجود نہ ہوتو دانتوں پر انگلی مل لینے سے بھی مسواک کی سنت ادا ہوجائیگی، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"الأصابع تجري مجرى السواک إذا لم يكن سواک"(۳)

''جب مسواک نہ ہوتو انگلی مسواک کے قائم مقام ہوجاتی ہے''

لیکن بعض احادیث مطلق ہیں، مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

"تجزی من السواک الأصابع"(۴)

''انگلیاں مسواک کے قائم مقام ہیں''

اس حدیث میں بلا کسی قید کے انگلیوں کو مسواک کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، لہذا اس جیسی مطلق احادیث کے پیش نظر بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسواک کے موجود ہوتے ہوئے بھی انگلی سے اگر کوئی مسواک کرلے تو مسواک کی سنت ادا ہوجائیگی ۔(۵)

مسواک کی موجودگی میں برش کا استعمال

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس مسواک موجود ہو، پھر بھی وہ برش اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال کرے تو اس کا کیا حکم ہے کیا اس سے مسواک کی سنت ادا ہوجائیگی؟ اس قسم کے ایک سوال کا جواب مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے:

''مسواک کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے جو صورت علی المواظبت

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح ،ص:۶۹،فصل في سنن الوضوء
(۲) سعايه :۱/۱۱۷،باب السواك ، المبحث الثاني
(۳) المعجم الأوسط رقم الحديث :۶۴۳۷،من اسمه محمد
(۴) السنن الكبرى للبيهقي رقم الحديث : ۱۷۶،باب الاستياك بالأصابع
(۵) سعايه :۱/۱۱۷،باب السواك ، المبحث الثاني

ثابت ہے وہ یہی ہے کہ لکڑی سے مسواک کی جائے، اور لکڑیوں میں بھی پیلو درخت کی لکڑی زیادہ پسندیدہ ہے، لیکن اگر لکڑی کی مسواک اتفاقاً موجود نہ ہو تو انگلی سے یا موٹے کپڑے وغیرہ سے دانت صاف کرلینا مسواک کے قائم مقام ہوسکتا ہے، قال فی الھدایۃ ''وعند فقده يعالج بالأصبع '' اس سے ظاہر ہوا کہ برش کا اصل حکم بھی یہی ہے کہ اگر اتفاقاً مسواک موجود نہ ہو تو اس کا استعمال قائم مقام مسواک کے ہوجائے گا، لیکن بطور فیشن اس کی عادت ڈال لینا مناسب نہیں، اور نہ بلاضرورت وہ مسواک کے قائم مقام ہوسکتا ہے''(۱)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ بھی اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :

''اصل سنت درخت کی مسواک ہے، وہ میسر نہ ہو یا دانت نہ ہوں یا دانت یا مسوڑھے کی خرابی کی وجہ سے مسواک سے تکلیف ہوتی ہو تو ضرورۃً ہاتھ کی انگلیوں یا موٹے کھر درے کپڑے، یا منجن، ٹوتھ پیسٹ یا برش سے مسواک کا کام لیا جاسکتا ہے، مگر مسواک کے ہوتے ہوئے مذکورہ چیزیں مسواک کی سنت ادا کرنے کیلئے کافی نہیں، اور مسواک کی سنت کا پورا اجر حاصل نہ ہوگا الخ''(۲)

اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں :

''مسواک کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، اور ان امور میں جن کی حیثیت عبادت کی ہو، عین اسی طریقہ کو اختیار کرنا ضروری ہے جو آپ ﷺ نے اختیار فرمایا ہے،

(۱) امداد المفتیین: ۱۰۹/۳، سوال نمبر: ۲۷۸

(۲) فتاویٰ رحیمیہ ۱۲۶/۱، كتاب الطهارة

پھر آپ ﷺ کا مسواک میں جو طریقہ منقول ہے وہ یہ ہیکہ آپ ﷺ لکڑی استعمال فرمایا کرتے تھے،لکڑی موجود نہ ہوتی تو آپ ﷺ نے انگلی پر اکتفا کرنے کا حکم دیا، یہی حکم آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی دیا جن کو دانت ہی نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ مسواک کی سنت اور عبادت اسی وقت ادا ہوسکتی ہے جب لکڑی یا انگلی سے دانت ملے جائیں......مسواک کی دوسری حیثیت ایک عام انسانی عادت کی ہے کہ مسواک کا مقصد دانتوں کی صفائی اور بدبو کا ازالہ ہے، اس لئے فقہاء لکھتے ہیں کہ دانت جب زرد پڑ جائیں تو مسواک کرنی چاہئے ورنہ کراہت پیدا ہوجائیگی، اس لحاظ سے ٹوتھ پیسٹ اور برش کا استعمال بھی کافی ہے، اگر اسکے استعمال سے دانت صاف ہوگئے تو اب کراہت باقی نہیں رہے گی" (۱)

مولانا مدظلہ کی یہ رائے بڑی وقیع اور بہت ہی محتاط ہے، اس تفصیل سے فقہاء کی آراء میں ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے، ورنہ آج کل عرب علماء نے برش کے استعمال کو بھی مسواک کی موجودگی میں سنت مسواک کی ادائیگی کے لئے کافی قرار دیا ہے، الموسوعۃ الفقہیہ جو وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ الکویت سے شائع ہوئی ہے، اور جس کی ترتیب ایک کمیٹی نے دی ہے، اس کمیٹی کے اراکین نے اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"**واللجنة ترى أن ممايؤدى الغرض من السواك التسوک بالفرشة إذا كانت من نوع جيد ينظف ولا يوذى**" (۲)

"اراکین کمیٹی کی رائے یہ ہیکہ مسواک کا مقصد برش سے بھی حاصل ہوجاتا ہے، جبکہ اچھے قسم کا ہو، اس سے منہ کی صفائی ہوجاتی

(۱) جدید فقہی مسائل ۱/۹۵-۹۶، پاکی اور ناپاکی

(۲) حاشیه موسوعه فقهيه:۴/۱۴۱،ما يحظر الاستياك به أو يكره

ہواور ضرررساں نہ ہو“

یہی رائے شیخ سید سابق کی ہے، چنانچہ وہ اپنی مشہور ترین کتاب فقہ السنہ میں لکھتے ہیں:

”وإن كانت السنة تحصل بكل مايزيل صفرة الأسنان فينظف الفم كالفرشة ونحوها “(۱)

”سنت مسواک کی ادائیگی ہر ایسی چیز کے استعمال سے ہوجائیگی جو دانتوں کی زردی کو دور کردے اور منہ کو صاف کردے خواہ برش ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز“

کیسا برش استعمال کرے؟

برش کی تیاری میں مختلف جانوروں کے بال استعمال کئے جاتے ہیں، بعض برش کی تیاری میں خنزیر کے بال بھی استعمال کئے جاتے ہیں، جو شرعی نقطہ نظر سے بالکل حرام اور ناجائز ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تناظر میں برش کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب کچھ تفصیل چاہتا ہے، دراصل اس کی تین صورتیں ہیں، اور ہر صورت کا حکم الگ الگ ہے، اگر یقین سے معلوم ہو کہ یہ خنزیر کے بال سے بنا ہوا نہیں ہے، تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلا کراہت حسب ضرورت اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اگر کسی برش کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ یہ خنزیر کے بال کا ہی بنا ہوا ہے، تو اس کا استعمال کرنا بالکل حرام ہوگا، اور اگر صرف شک وشبہ ہو تو اصل اشیاء کے اندر چونکہ حلت ہے، اس لئے اس صورت میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، البتہ احتیاط استعمال نہ کرنے ہی میں ہے۔(۲)

مسواک کرنے کا طریقہ

مسواک کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اسے پانی میں بھگولیں (۳) پھر اسے اس طرح

---

(۱) فقه السنه:۴۵/۱،سنن الوضوء

(۲) عزیز الفتاوی ۱۰۸/۷ ملخصا، سوال نمبر:۵۵۶

(۳) محیط برهانی :۴۵/۱،الفصل الأول في الوضوء

پکڑیں کہ چھوٹی انگلی اور انگوٹھا مسواک کے نیچے ہو، چھوٹی انگلی مسواک کے نچلے سرے اور انگوٹھا اس کے اوپری سرے کے نیچے ہو، اور بقیہ انگلیاں شہادت، بیچ والی اور اس کے بعد والی مسواک کے اوپر ہوں (۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے ایسا ہی نقل کیا ہے (۲) مسواک پہلے دائیں جانب کے اوپر والے دانتوں اور کچلیوں کے اندرونی وبیرونی حصوں پر، پھر اسی طرح بائیں طرف کے اوپر والے دانت اور کچلیوں پر، اس کے بعد دائیں طرف کے نیچے والے دانتوں اور کچلیوں کے اندرونی وبیرونی حصوں پر، پھر اسی طرح بائیں جانب کے نچلے دانتوں اور کچلیوں پر کرے، اس کے بعد زبان اور تالو کے اوپری حصہ پر آہستگی کے ساتھ کرے (۳) دانتوں اور کچلیوں پر مسواک عرضاً (چوڑائی میں) یعنی دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کرنا پسندیدہ ہے، لیکن طولاً (یعنی لمبائی میں) اوپر سے نیچے یا نیچے سے اوپر کرنے سے چونکہ کچلی کے زخمی اور خون آلود ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود حکم دیا ہے کہ مسواک عرضاً کیا کرو (۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کا معمول مسواک کرنے کے بارے میں یہی بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ مسواک عرضا کیا کرتے تھے، طولاً نہیں کرتے تھے (۵) البتہ بعض احادیث میں طولاً اور عرضاً دونوں طرح سے کرنے کا ذکر ہے، اسی لئے امام الحرمین نے فرمایا:

"یمر السواک علی طول الأسنان وعرضها" (۶)

''دانتوں پر مسواک طولاً اور عرضاً دونوں طرح کرنا چاہئے''

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

---

(۱) عالمگیری ۱/۷، الفصل الثانی في سنن الوضوء
(۲) موسوعہ فقہیہ ۴/۱۴۲، آداب السواك
(۳) شامی: ۱/۱۱۴، سنن الوضوء
(۴) مراسيل أبي داؤد رقم الحديث: ۵، كتاب الطهارة
(۵) عمدة القاری: ۶/۱۸۱، باب السواك يوم الجمعة
(۶) المنهل العذب: ۱/۱۷۹، كيفية استعمال السواك

"**یشوص فاہ بالسواک**"(۱)

"آپ ﷺ اپنے منہ کو مسواک سے صاف کیا کرتے تھے"

میں عام طور پر "عرضاً" مسواک کرنے کے معنی لئے جاتے ہیں، لیکن ایک قول:

"**الإمرار علی الأسنان من أسفل إلی فوق**"(۲)

"دانتوں پر نیچے سے اوپر مسواک کرنا" بھی آتا ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ابن امیر الحاج کے حوالے سے ان دو طرح کی احادیث کے درمیان تطبیق کی شکل یہ پیدا کی ہے کہ عرضاً کرنا صرف دانتوں پر ہوا کرتا تھا، اور زبان پر طولاً کیا کرتے تھے، راوی نے اختصار کی خاطر "**طولاً وعرضاً**" کہہ دیا، اس طرح دونوں حدیث پر بیک وقت عمل ہو جائیگا(۳) بہر حال ضرر سے بچتے ہوئے سہولت کے ساتھ جو طریقہ اپنالیا جائے مناسب ہے، مقصود اچھی طرح منہ کی صفائی ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے جو طریقہ مناسب ہو اختیار کیا جاسکتا ہے، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"**ینبغی للإنسان أن یبلغ بالسواک أقاصی الفم فیخرج بلاغم الحلق والصدر والاستقصاء فی السواک یذهب بالقلاع ویصفی الصوت ویطیب النکهة**"(۴)

"مناسب یہ ہے کہ منہ کے آخری حصے تک مسواک کرے، اور حلق وسینہ کا بلغم نکالنے کی کوشش کرے، منہ میں خوب اندر تک مسواک کرنے سے مرض قلاع (منہ کی ایک قسم کی بیماری) دور ہو جاتا ہے، آواز صاف ہوتی ہے اور منہ خوشبودار ہو جاتا ہے"

مسواک کتنی بار کی جائے؟

مسواک کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ منہ کی بو زائل ہو جائے، اس لئے اس میں کوئی

---

(۱) بخاری رقم الحدیث: ۲۴۵، باب السواک
(۲) نیل الأوطار: ۱/۱۳۷، باب الحث علی السواک
(۳) سعایہ ۱/۱۱۸، باب السواک ، المبحث الخامس
(۴) حجة الله البالغه: ۱/۳۱۰، خصال الفطرة وما یتصل بها

عدد شرعاً متعین نہیں ہے، اتنا کرے کہ بو کے ختم ہو جانے کا اطمینان ہو جائے (۱) ہاں اگر کسی کو یہ اطمینان تین مرتبہ مسواک کرنے سے پہلے ہی حاصل ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ وہ تین کی تعداد مکمل کرلے اور ہر مرتبہ پانی کا بھی استعمال کرے (۲) اور علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے یہ صراحت کی ہے کہ مقصد کے حاصل ہونے پر قلبی اطمینان ہو جانا کافی ہے، اس کے لئے کوئی تعداد متعین نہیں ہے، البتہ تین بار تین پانی سے مسواک کرنا اور ہر بار مسواک کو دھو لینا مستحب ہے۔ (۳)

انگلی سے دانتوں کو رگڑنے کا طریقہ

مسواک جب موجود نہ ہو اور انگلی سے دانتوں کو صاف کیا جائے تو دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کو استعمال کیا جائے، انگوٹھے سے دائیں طرف کے نیچے اور اوپر کے دانتوں کو ملا جائے، اور شہادت کی انگلی سے بائیں طرف کے اوپر اور نیچے کے دانت ملے جائیں۔ (۴)

مسواک کرتے وقت کی دعا

علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح بخاری اور شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسواک کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

"اللهم طهر فمی ونور قلبی وطهر بدنی وحرم جسدی علی النار وأدخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین "(۵)

''اے اللہ! میرے منہ کو پاک وصاف کردے، دل کو روشن فرمادے
میرے بدن کو بھی پاک کردے اور جہنم کی آگ اس پر حرام کردے،
اور مجھے محض اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمادے''

---

(۱) بنایه:۱/۲۰۶،کیفیة الاستیاك
(۲) شامی:۱/۱۱۴،سنن الوضوء
(۳) فتح القدیر :۱/۲۵،کتاب الطهارات
(۴) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۶۹،فصل في سنن الوضوء
(۵) عمدة القاری :۶/۱۸۱،باب السواك یوم الجمعة ، بنایه:۱/۲۰۶،کیفیة الاستیاك

اور ایک دعا علامہ بہوتی حنبلی رحمہ اللہ نے ''الرعایۃ الکبری'' نامی کتاب سے نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''اللهم طهر قلبي ومحص ذنوبي ''(۱)

''اے اللہ! میرے دل کو پاک کردے، اور گناہوں کو معاف فرمادے''

لیکن شیخ محمد امین ضناوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ دعا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔(۲)

مسواک لیٹ کر نہ کرے

طبی نقطۂ نظر سے لیٹ کر مسواک کرنا نقصان دہ ہے، اس سے جگر کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ سراج وہاج کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ويكره أن يستاك مضطجعا فإنه يورث كبر الطحال ''(۳)

''لیٹ کر مسواک کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے جگر کے بڑے ہوجانے کا خوف ہے''

مسواک مٹھی باندھ کر نہ کرے

مسواک مٹھی باندھ کر کرنا ایک تو سنت کے خلاف ہے، دوسرے بواسیر ہوجانے کا بھی احتمال ہے(۴) صاحب بحر فرماتے ہیں:

''ولا يقبض القبضة على السواك فإن ذلك يورث الباسور ''(۵)

''مسواک مٹھی باندھ کر نہ کرے، کیونکہ اس سے بواسیر ہوجاتا ہے''

---

(۱) كشاف القناع :۷۴/۱،باب السواك وغيره

(۲) حاشيه كشاف القناع :۶۹/۱،فصل ويسن الامتشاط والادهان الخ

(۳) البحر الرائق :۲۱/۱،سنن الوضوء

(۴) شامی:۱۱۴/۱،سنن الوضوء

(۵) البحر الرائق :۲۱/۱،سنن الوضوء

لعاب نہ نگلے

مسواک کرتے وقت اسے چوس چوس کر لعاب کو حلق کے نیچے نہیں اتارنا چاہئے، اس سے آنکھوں کی روشنی جاتے رہنا کا خدشہ ہے۔(۱)

مسواک دھوکر رکھے

مسواک کر کے جب فارغ ہو جائے تو اسے دھو کر رکھے، یوں ہی لعاب آلود رکھنے سے احتراز کرنا چاہئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا معمول بیان کرتی ہیں:

"کان نبی الله ﷺ یستاک فیعطینی السواک لأغسله فأبدأ به فأستاک ثم أغسله و أدفعه إلیه"(۲)

"نبی کریم ﷺ جب مسواک کر کے فارغ ہو جاتے تو مجھے دھونے کے لئے عطا فرماتے، میں (آپ ﷺ کے لعاب سے برکت حاصل کرنیکی خاطر(۳) پہلے وہ مسواک کر لیتی تھی پھر اچھی طرح دھو کر آپ ﷺ کو دیا کرتی تھی"

ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح مشکوۃ میں اسی حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"ففیہ دلیل علی أن غسل السواک مستحب بعد الاستیاک"(۴)

"حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک کرنے کے بعد اس کا دھونا مستحب ہے"

مسواک کھڑی کر کے رکھے

مسواک کر کے دھونے کے بعد اسے یونہی نہ ڈال دے، بلکہ کھڑا کر کے رکھنا چاہئے۔(۵)

---

(۱) درمع الشامی:۱/۱۱۴، سنن الوضوء
(۲) أبو داؤد رقم الحديث :۵۲، باب غسل السواك
(۳) مرقاة :۱/۳۹۹، باب السواك (۴) حوالہ سابق
(۵) شامی :۱/۱۱۴، سنن الوضوء

مسواک کس ہاتھ سے کرے؟

طریقۂ مسواک کا بیان ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک بات کی وضاحت کردی جائے، اور وہ یہ کہ مسواک دائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے یا بائیں ہاتھ سے، عام طور پر کتب احناف میں مذکور ہے کہ دائیں ہاتھ سے مسواک کرنا مستحب ہے(۱) ابن ارسلان شافعی سے بھی یہی منقول ہے(۲) اور بعض کتب میں استحباب کی تصریح کے بغیر یہ لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ سے مسواک کرنی چاہئے (۳) ''درر'' نامی کتاب میں دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کو منقول ومتوارث قرار دیا گیا ہے، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کا اس پر یہ تبصرہ ہے کہ درر کے قول سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دائیں ہاتھ سے مسواک کرنا نبی کریم ﷺ سے منقول ہے، مگر درر کے محشی علامہ نوح آفندی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ حضور ﷺ سے منقول ہونے کا دعوی بلا دلیل ہے، پھر انہوں نے فرمایا کہ مسئلہ مذکور اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ مسواک کرنے کا مقصد کیا ہے؟ آیا منہ کی صفائی کرنا یا منہ کی گندگی کو دور کرنا ہے؟ اگر اسے منہ کی صفائی کے قبیل سے قرار دیا جائے تو اس کے لئے بہر حال دائیں ہاتھ کا استعمال ہونا چاہئے، اور اگر منہ کی گندگی دور کرنے کے قبیل سے ہے تو اس کے واسطے بائیں ہاتھ کا استعمال مناسب ہے، بعض حضرات نے اس بات پر کہ مسواک کرنا پاک کرنے کے زمرہ میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے :

''**كان رسول الله ﷺ يحب التيامن ما استطاع في شأنه كله في طهوره وترجله ونعله قال مسلم : وسواكه**''(۴)

''نبی کریم ﷺ کنگھا کرنے، چپل پہننے نیز وضو اور مسواک کرنے

(۱) درمع الشامی:۱/۱۱۴، سنن الوضوء، بحر:۱/۲۱، سنن الوضوء، عالمگیری:۱/۷، الفصل الثاني في سنن الوضوء
(۲) سعایه :۱/۱۱۴، باب السواك ، المبحث الأول
(۳) عمدة القاری:۶/۱۸۱، باب السواك يوم الجمعة
(۴) أبو داؤد رقم الحديث :۴۱۴۰، باب في الانتعال

میں حسب استطاعت داہنی جانب کو پسند فرماتے تھے‘‘

مگر حدیث مذکور سے دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے پر استدلال درست نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس سے منہ کا دایاں حصہ مراد ہو کہ آپ ﷺ جب مسواک فرماتے تھے تو پہلے منہ کی داہنی طرف کے دانتوں پر مسواک کرتے تھے،(۱) اور قاعدہ ہے کہ جب حدیث میں مدعی کے خلاف دوسرا احتمال پیدا ہو جائے تو وہ حدیث لائق استدلال نہیں رہتی (۲) اسی لئے علامہ آفندی نے مسواک کو ’’ازالۃ اذی ‘‘ کے باب سے ہونا راجح قرار دیا ہے، اور بائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کو بہتر لکھا ہے، یہی امام مالک رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے (۳) اور بعض دوسرے حضرات بھی اسی کے قائل ہیں (۴) علامہ طحطاوی رحمہ اللہ اور صاحب تقریرات رافعی رحمہ اللہ نے اسی کو قیاس کے مطابق قرار دیا ہے (۵) علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی بڑے پر زور انداز میں بائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کو ثابت کیا ہے، اور اس پر ہونے والے ممکنہ اعتراضات کا معقول جواب بھی دیا ہے (۶) البتہ صاحب تقریرات رافعی رحمہ اللہ نے علامہ سندھی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسواک کرنا اعمال طہارت میں سے ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد:

’’السواک مطھرۃ للفم الخ ‘‘(۷)

’’مسواک منہ کی طہارت کا سبب ہے‘‘

اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے، نیز حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے بائیں ہاتھ سے مسواک

---

(۱) شامی:۱/۱۴۴،سنن الوضوء

(۲) إعلاء السنن: ۱/۳۰۴،باب النهي عن استقبال القبلة واستدبارها في البول والتغوط

(۳) شامی:۱/۱۴۴،سنن الوضوء

(۴) تقریرات رافعی ۱/۱۷،کتاب الطهارة

(۵) طحطاوی علی الدر : ۱/۷۰،کتاب الطهارة ، تقریرات رافعی :۱/۱۷،کتاب الطهارة

(۶) فتاوی ابن تیمیه ۲۱/۱۰۸،سئل عن السواك باليمنىٰ أفضل أم اليسرى؟

(۷) بخاری تعليقا باب سواك الرطب واليابس للصائم

کرنے کوشیطانی فعل قرار دیا ہے،اس لئے دائیں ہاتھ سے کرنا زیادہ مناسب ہے(۱)اور آج کل عمل بھی اسی پر ہے،مگر یہ استدلال بھی کمزور ہے؛ کیونکہ یہ حدیث بھی گذشتہ حدیث کی طرح کئی احتمال رکھتی ہے اور دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کے استحباب؛ بلکہ جواز ثابت کرنے کے لئے بھی یہ حدیث صریح نہیں ہے۔(۲)

(۱) تقریرات رافعی:۱/۱۷،کتاب الطهارة
(۲) حوالہ سابق

اعذار کے وقت مسواک کا حکم

مسواک کرنے سے قئ آنا

بعض حضرات کو مسواک کرنے سے ابکائی آنے لگتی ہے، قئی بھی ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص اس کی وجہ سے مسواک نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ومن خشی من السواک تحریک القئی ترکه'' (۱)

''مسواک کرنے سے جسے یہ خوف ہو کہ قئی آنے لگے گی تو نہ کرے''

مسواک کرنے سے خون نکلنا

اسی طرح اگر مسوڑھے اور کچلی اتنے کمزور ہوں کہ مسواک کی ہلکی رگڑ بھی برداشت نہ کر سکتے ہوں اور خون آلود ہو جاتے ہوں، یا پیریا (ایک قسم کا دانتوں کا مرض) ہو گیا ہو، جس کی وجہ سے مسواک کرتے ہی خون جاری ہو جاتا ہو، تو ان کے لئے بھی مسواک کرنا مستحب نہیں ہے؛ کیونکہ اس حالت میں مسواک کرنا حرج ومشقت کا باعث ہے۔(۲)

مسواک کی پابندی سے تکلیف

کوئی شخص مسواک تو کر سکتا ہے؛ لیکن اس پر پابندی کرنے سے اسے تکلیف پہونچتی ہو، مثلاً مسوڑھوں میں اتنی قوت نہ ہو کہ مسواک کے بار بار کی رگڑ کو برداشت کر سکے تو اسے برداشت کے بقدر مسواک کرنے کی اجازت ہے، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ولا یستحب لمن یوذیه المواظبة علیه بل یفعله أحیانا ''(۳)

(۱) ہندیہ ۱/۷، الفصل الثانی سنن الوضوء

(۲) موسوعہ فقہیہ ۴/۱۴۴، ادماء السواک للفم

(۳) طحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص:۶۸، فصل فی سنن الوضوء

''جسے پابندی سے مسواک کرنے میں تکلیف ہوتی ہو اس کے حق میں پابندی مستحب نہیں ہے، کسی کسی وقت کرلیا کرے''

جسے دانت نہ ہوں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ جس کے دانت نہ ہوں، کیا وہ بھی مسواک کرے گا؟ آپ ﷺ نے اس کا جواب اثبات میں دیا، تو (میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس شخص کو تو مسواک کرنے سے تکلیف ہوگی، مسوڑھے چھل جائیں گے، لہذا) میں نے پوچھا کہ وہ کیسے مسواک کرے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''يدخل وإصبعه في فيه''(۱)

''انگلی سے کرے''

گویا اگر وہ مسواک کے بجائے انگلی سے اپنے منہ کو صاف کرلے تو بھی وہ مسواک کے ثواب کا مستحق ہوگا (۲) ہاں اگر مسواک کرنے سے بھی تکلیف نہ پہونچتی ہو تو بہتر ہے کہ وہ مسواک ہی کرے، چنانچہ علامہ بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فإن سقطت أسنانه استاک علی لثته ولسانه''(۳)

''اگر کسی کے سارے دانت گر جائیں تو مسوڑھوں اور زبان پر مسواک کرے''

---

(۱) المعجم الأوسط رقم الحديث:۶۶۷۸، من اسمه محمد

(۲) البحر الرائق:۲۱/۱،سنن الوضوء

(۳) كشاف القناع ۷۱/۱،با ب السواك وغيره

مسواک کے دیگر احکام

عورت کے لئے علک

علک ایک قسم کے گوند کا نام ہے، جسے منہ کی بدبو دور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اس کے استعمال سے منہ میں ایک قسم کی خوشبو پیدا ہوجاتی ہے، وہ سفید اور کالے رنگ کا ہوتا ہے(۱) اسی کی ترقی یافتہ شکل آج کل ''چنگم'' ہے، عورت چونکہ فطرۃً نازک ہے، ان کے مسوڑھے اور دانت بھی نسبتاً کمزور ہوتے ہیں، مسواک کرنے کی وجہ سے ممکن ہے کہ اسے ضرر پہونچے، اس لئے فقہاء نے عورت کو مسواک کے بجائے ''علک'' استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''والعلک یقوم مقامه للمرأة لکون المواظبة علیه تضعف أسنانها فیستحب لها فعله'' (۲)

''عورتوں کا علک استعمال کرنا مسواک ہی کے قائم ہے، کیونکہ پابندی سے مسواک کرنیکی صورت میں (ممکن ہے کہ) ان کے دانت کمزور پڑ جائیں، لہذا ان کے لئے علک ہی بہتر ہوگا''

یہی بات عالمگیری (۳) اور مراقی الفلاح میں بھی ہے (۴) علامہ بدرالدین عینی نے بھی محیط سے یہی نقل کیا ہے (۵) مگر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے حق

---

(۱) فتح القدیر ۳۴۵/۲، باب مایوجب القضاء والکفارة

(۲) بحر ۲۱/۱، سنن الوضوء

(۳) عالمگیری ۷/۱، الفصل الثانی سنن الوضوء

(۴) مراقی الفلاح مع طحطاوی، ص: ۶۹، فصل فی سنن الوضوء

(۵) عمدة القاری ۱۸۱/۶، باب السواك یوم الجمعة

میں علک کا درجہ مسواک جیسا نہیں ہے، کیونکہ مردوں کی طرح ان کو بھی اصلاً یہی حکم ہے کہ مسواک کیا کریں، ہاں اگر مسواک کرنے سے ضرر لاحق ہو تو پھر علک وغیرہ کی اجازت دی جاسکتی ہے، عام حالات میں ان کے حق میں یہ حکم نہیں ہے(۱) اس لئے کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات عموماً مسواک ہی کیا کرتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تو یہ مشہور ہی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے لعاب سے تر مسواک کو تبرکاً استعمال کرتی تھیں، پھر اسے اچھی طرح دھو کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتی تھیں (۲) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی مسواک ہی کیا کرتی تھیں (۳) نیز مسواک کے باب کی ساری احادیث عام ہیں، اس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے، اس لئے عام حالات میں عورتوں کے لئے بھی یہی حکم ہونا چاہئے کہ وہ مسواک کریں، البتہ اگر مجبوری ہو تو دوسری بات ہے، اسی لئے علامہ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ظاهر الأخبار استواء الرجال والنساء في استنان السواک إلا أن يخاف منه أمر فحينئذ يصار إلى الإصبع"(۴)

"ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک کرنا مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں سنت ہے، ہاں جب ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو انگلی (وغیرہ) سے کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے"

مسجد میں مسواک کرنا

مسجد خدا کا گھر ہے، اسے پاک وصاف رکھنا ہر مسلمان کا ایمانی تقاضہ ہے، احادیث میں بھی اس کی صفائی کی خاص طور سے تاکید مذکور ہے، مسجد میں مسواک کرنے کی

---

(۱) طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۶۹، فصل فی سنن الوضوء
(۲) أبوداؤد، رقم الحدیث:۵۲، باب غسل السواك
(۳) مصنف ابن ابی شیبه، رقم الحدیث:۱۸۰۱، ما ذکر فی السواك
(۴) سعایہ۱/۱۱۶، باب السواك ، المبحث الأول

صورت میں گرنے والے لعاب سے فرش کے گندہ ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے بعض ائمہ نے اس سے منع کیا ہے (۱) لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بھی مسواک کی جاسکتی ہے (۲) اس لئے احناف نے مسجد میں مسواک کرنے کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ لعاب وغیرہ سے مسجد کا فرش ملوث نہ ہو (۳) گویا مسجد میں مسواک کرنا بذات خود جائز ہے، لیکن گندگی پھیلنے کے اندیشہ کی صورت میں جائز نہیں ہے۔ (۴)

دوسرے کی مسواک کرنا

کسی دوسرے کی مسواک اگر اس کی رضا مندی سے کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، خاص طور سے جب کہ ان دونوں کے درمیان الفت ومحبت ہو، جیسا کہ عموماً میاں بیوی کے درمیان ہوا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لعاب سے تر آپ ﷺ کی مسواک کو بغرض تبرک استعمال کر لیتی تھیں (۵) خود آپ ﷺ نے مرض وفات میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی مسواک استعمال کی تھی (۶) اسی لئے علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" استعمال سواک الغیر برضاہ غیر مکروہ "(۷)

''دوسرے کی مسواک اس کی رضامندی سے استعمال کرنا مکروہ نہیں ہے''

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ مسواک، کنگھا اور سرمہ لگانے والی سلائی میں شرکت درست نہیں ہے، مکروہ ہے، یہ بالکل بے بنیاد بات ہے،

(۱) عمدۃ القاری ۱۸۲/۶ ،باب السواك يوم الجمعة
(۲) حوالہ سابق
(۳) مرقاۃ: ۳۹۶/۱،باب السواك
(۴) عمدۃ القاری ۱۸۲/۶، مرقاۃ ۳۹۶/۱،باب السواك
(۵) ابوداؤد رقم الحديث: ۵۲،باب غسل السواك
(۶) بخاری رقم الحديث :۸۹۰،باب من تسوك بسواك غيره
(۷) مرقاۃ ۳۹۹/۱،باب السواك

احادیث سے اس کی تردید ہوتی ہے، صاحب فتاوی خیریہ انہی تینوں چیزوں کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"لا بأس به والکراهة لکراهة نفوسهم الاشتراک "(۱)

"مذکورہ تینوں چیزوں میں شرکت جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں ہے،

اور کراہت سے مراد کراہت طبعی ہے(کراہت شرعی نہیں ہے)"

مطلب یہ ہے کہ طبعاً انسان دوسروں کی مسواک، کنگھا اور سلائی استعمال کرنے سے انقباض محسوس کرتا ہے، خوشدلی سے اس پر آمادہ نہیں ہوتا، ورنہ شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

ہاں اگر قرینہ سے یہ معلوم ہو کہ فلاں کی مسواک کرنے سے وہ برا مانے گا، تو پھر یہ فعل تکلیف دینے کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار پائے گا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسروں کو تکلیف نہ پہو نچے۔(۲)

ایک مسواک کئی دن استعمال کرنا

ایک مسواک کئی دنوں تک استعمال کی جاسکتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے کئے ہوئے مسواک کو دھو کر رکھ دیا کرتی تھیں، اور پھر دوسرے وقت میں وہی مسواک استعمال کرنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں، (۳) نیز گذشتہ سطور میں یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ ایک آدمی کی مسواک دوسرا شخص کرسکتا ہے، بشرطیکہ اس کو انقباض نہ ہو، تو خود صاحب مسواک اگر دوسری مرتبہ اسی مسواک کو استعمال کرے تو کیا مضائقہ ہے؛ اسی لئے صاحب اقناع لکھتے ہیں:

"ولا بأس أن یتسوک بالعود الواحد اثنان فصاعدا " (۴)

---

(۱) حاشیه بذل المجهود :۳۲/۱ ،باب فی الرجل یستاك بسواك غیره

(۲) بخاری رقم الحدیث:۱۰،باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده

(۳) أبوداؤدرقم الحدیث:۵۲، باب غسل السواك

(۴) كشاف القناع۷۴/۱،باب السواك وغیره

''ایک مسواک کو دو یا اس سے زائد مرتبہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے''

البتہ کرتے کرتے جب وہ اس قدر چھوٹی ہوجائے کہ اسے ہاتھ سے تھام کر دانتوں، مسوڑھوں اور زبان پر ملنا مشکل ہوجائے تو دوسری مسواک کا انتظام کرلینا چاہئے، کیونکہ اب اس سے مسواک کا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

مسواک کی تیاری میں دوسروں سے مدد

مسواک کے انتظام اور اس کی تیاری میں دوسروں سے مدد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، آپ ﷺ کی مسواک کا انتظام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا (۱) اور وہ پیلو کی مسواک جنگل سے توڑ کر لایا کرتے تھے (۲) اسی طرح جب آپ ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے منشا کو سمجھ کر اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے ان کی مسواک لی، اور اس کے سرے کو کاٹ کر جدا کیا، پھر اسے نرم کر کے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا (۳) ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک کے انتظام و تیاری کے سلسلے میں دوسروں سے تعاون لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ جو حضرات کسی اہم دینی کام کی انجام دہی میں مشغول ہوں تو ان کے لئے مناسب ہے کہ اس خدمت پر کسی لائق آدمی کو متعین کردیں، تاکہ اس تعلق سے بے فکر ہوکر اطمینان سے اپنے کاموں میں مشغول رہ سکیں، اور جس کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی جائے، اس کو بڑی بشاشت اور خوش دلی سے قبول کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اس سے ایک مسلمان کی دینی ضرورت کی تکمیل ہوگی، اور مسواک کرنے سے جتنا ثواب اس کو ملے گا، اس کا سبب بننے والا بھی اتنا ہی ثواب پائے گا، اور مسواک کی وجہ سے اس کی نماز جتنی قیمتی بنے گی اس میں اس شخص کا بھی حصہ ہوگا، نیز ایک مسلمان کی تکمیل ضرورت پر گناہوں کا معاف ہونا، پل صراط سے تیزی کے ساتھ گذر جانا،

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث:۸۴۵۲،من مناقب ابن مسعود رضی الله عنه
(۲) اعلاء السنن ۳۲/۱،باب سنية السواك
(۳) بخاری رقم الحدیث:۸۹۰،باب من تسوك بسواك غيره

صاحب ضرورت کی شفاعت کا مستحق ہونا، فرشتوں کی دعاؤں کا حقدار ہونا، تکمیل ضرورت کے لئے جاتے ہوئے ہر ہر قدم پر نیکی کا ملنا، جنت کے اعلی درجہ کا مستحق ہونا (۱) وغیرہ وغیرہ ایسی نعمتیں ہیں جن پر دنیا کی ہزار راحتیں قربان، اگر زندگی کی ساری راحتوں کو ختم کر دینے کے بعد بھی ان میں سے کوئی ایک نعمت مل جائے تو واقعتاً بڑا سستا سودا ہوگا، چہ جائیکہ اللہ تعالی کی کریم ذات معمولی معمولی خدمتوں پر بھی غیر معمولی انعام واکرام سے نواز رہی ہے، اسے حاصل کرنے کے لئے تو انسان کو اپنی ساری امکانی قوتوں کو صرف کر دینا چاہئے، ایک روایت میں ہیکہ ایک دوزخی کو کسی جنتی سے اتفاقاً ملاقات ہو جائیگی، تو وہ جنتی سے کہے گا کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ جنتی لاعلمی کا اظہار کرے گا، تب وہ کہے گا کہ میں وہی شخص ہوں جس نے دنیا میں ایک بار وضو کرنے کے لئے پانی دیا تھا، جنتی شخص کو وہ واقعہ یاد آ جائیگا، اوراس خدمت کے نتیجے میں اللہ سے اس کی نجات کے لئے سفارش کرے گا، اللہ تعالی اس کی سفارش کو قبول فرمائے گا اور جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل فرما دے گا (۲) اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ جہنمی کو جب ایک جنتی شخص سے ملاقات ہوگی تو وہ اپنا تعارف کرائے گا اور کہے گا کہ میں نے فلاں موقع پر آپ کی پیاس بجھائی تھی اس لئے آج آپ اس کے عوض میرے لئے اللہ کے دربار میں سفارش کر دیجئے، جنتی کو وہ واقعہ یاد آ جائے گا، چنانچہ وہ اللہ تعالی سے اس کے حق میں سفارش کرے گا، اوراس کے نتیجے میں وہ شخص جہنم کے عذاب سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (۳)

غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالی محض ان چھوٹی چھوٹی خدمتوں پر کتنا عظیم اکرام کرتا ہے؟ جہنم کی تکلیف اور اس میں پیش آنے والی سختیوں سے نجات مذکورہ دونوں حضرات کو کتنی آسانی سے مل گئی، اس نعمت کے مقابلے میں ان خدمتوں کی کوئی وقعت ہے؟ اپنے بارے میں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ہم جنت ہی میں جائیں گے، اور کس کے اعمال جنت میں

---

(۱) الترغیب والترهیب للمنذری، جلد ثالث، کتاب البر والصلة

(۲) حوالۂ سابق ۲۶۴/۳، رقم الحدیث: ۳۹۷۴، کتاب البر والصلة

(۳) الترغیب والترهیب ۳۹/۲، رقم الحدیث: ۱۴۱۵، ترغیب المرأة فی الصدقة الخ

پہونچانے کے ضامن ہوسکتے ہیں؟ کسی جرم کے نتیجے میں اگر خدانخواستہ جہنم میں جانا پڑے، اور ہمارے نامہ اعمال میں اس طرح کی خدمتیں بھی ہوں تو ممکن ہے کہ ان صالحین کی سفارش کی بدولت اس عذاب وسزا والے مقام سے نکلنا نصیب ہوجائے، اس لئے جہاں تک ہوسکے ہم اہم دینی امور میں مشغول حضرات کی خدمت کو سعادت سمجھیں، اور از خود ان کی ضرورتوں کو معلوم کر کے انھیں رضا کارانہ طور پر انجام دیں، تا کہ ان کے دینی کاموں میں ہمارا بھی حصہ ہو، اور اگر آخرت میں خدانخواستہ مصیبت میں گرفتار ہوجائیں تو ان کی سفارش کی وجہ سے آسانی کی شکل پیدا ہوجائے، واللہ الموفق

چوتھی فصل

کلی کرنا

اسلام میں بدن کے ہر عضو کی نظافت مطلوب ہے، بعض اعضاء جو عام طور پر گندگی سے متاثر ہوجاتے ہیں، ان کو خاص طور سے پاک وصاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، منہ کی صفائی بھی اسی قبیل سے ہے، اس لئے اہتمام سے اس کی صفائی پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، منہ کی بدبو کو دور کرنے کے لئے مسواک بہت مفید ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی تاکید بہت سی احادیث میں آئی ہے، جن کی تفصیل گذر چکی ہے، مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کلی کرنے سے بھی منہ کی صفائی ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے منہ میں غذا کے موجود ریزے اور چکنائی وغیرہ باہر آجاتے ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ امور فطرت دس ہیں، جن میں سے ایک کلی کرنا بھی ہے۔(۱)

کلی کرنا وضو کا جزء ہے؟

کلی کرنے کا حکم عام ہے یا یہ حکم صرف وضو سے متعلق ہے؟ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ یہ وضو کے ساتھ خاص ہے، اور انہوں نے کلی کرنے کو وضو کی سنتوں میں سے قرار دیا ہے،(۲) مگر صاحب عون المعبود کی بیان کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کلی کرنا وضو ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ اس کا حکم عام ہے، حسب ضرورت اس پر عمل کیا جائے گا، جب منہ میں بومحسوس ہونے لگے یا منہ کا مزہ بدل جائے تو کلی کرلی جائے، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کلی کرنے کو امور فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے، جس کا تقاضا ہے کہ یہ

(۱) مسلم رقم الحديث:۲٦١،باب خصال الفطرة

(۲) حجة الله البالغه۲۹٦/۱،باب صفة الوضوء ، و۳۰۹،خصال الفطرة وما يتصل بها

حکم عام ہو، وضو کے ساتھ مخصوص نہ ہو، خود نبی کریم ﷺ سے بھی وضو کے علاوہ دیگر مواقع پر کلی کرنا ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، اور اس کے بعد کلی فرمائی (۱) اسی طرح حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ستو کھایا، اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، تو حضور ﷺ نے اور ہم سبھوں نے کلی کر کے نماز ادا کی (۲) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کلی کرنا وضو کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، حسب ضرورت دیگر مواقع پر کلی کرنا مستحب ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وضو کے وقت کلی کرنے کا حکم زیادہ مؤکد ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے کسی وضو میں کلی (مضمضہ) کا ترک کرنا منقول نہیں ہے۔ (۳)

کلی کرنے کا حکم کیوں؟

کلی کرنے سے منہ کی بدبو، کھانے کے ریزے اور اس سے پیدا ہونے والی سرانڈ دور ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے دانتوں کو جو نقصانات پہونچتے ہیں اس سے حفاظت ہوتی ہے، پاس اٹھنے بیٹھنے والے حضرات بھی سرانڈ اور بو سے محفوظ ہوجاتے ہیں، کیونکہ تجربہ ہے کہ منہ کی بدبو کی وجہ سے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کو غیر معمولی اذیت پہونچتی ہے خصوصاً جبکہ وہ نازک مزاج ہوں تب تو ان کی پریشانی اپنی انتہاء کو پہونچ جاتی ہے، تفسیر خازن میں ہے:

"وأما...... المضمضة...... فلتنظيف الفم ...... من الطعام والقلح "(۴)

"کلی کو اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ کھانے کے ریزے اور بو سے منہ کی صفائی ہوجائے"

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی امور فطرت کی حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔(۵)

(۱) بخاری رقم الحديث:۲۱۱،باب هل يمضمض من اللبن
(۲) بخاری رقم الحديث:۲۰۹،باب من مضمض من السويق
(۳) عون المعبود وحاشيه ابن قيم۱/۲۸۵،باب مقدار الماء الذى يجزئ به الغسل
(۴) تفسیر خازن ۱/۷۶،سورة البقرة ۔
(۵) حجة الله البالغه۱/۳۰۹،خصال الفطرة ومايتصل بها

کلی کرنے کا طریقہ

جب کلی کرنے کی غرض ہی یہ ہے کہ منہ کی بو وغیرہ دور ہو جائے تو منہ میں پانی ڈال کر اسے خوب حرکت دینی چاہئے، تا کہ منہ کے تمام حصوں میں پانی اچھی طرح پہونچ جائے، تعفن دور ہو جائے اور غذائی ریزے وغیرہ نکل جائیں، کلی کرنا چونکہ طہارت و نظافت سے متعلق ہے، اور اس میں سیدھے ہاتھ کو استعمال کیا جاتا ہے، اس لئے کلی کرنے کے لئے سیدھے ہاتھ میں پانی لے کر منہ میں ڈالنا چاہئے (۱) پھر انگلی ڈال کر دانتوں اور مسوڑھوں کو رگڑنا بھی چاہئے؛ تا کہ جو غذائی اجزاء دانتوں کی جڑوں سے چپک گئے ہوں وہ بھی نکل جائیں۔(۲)

کھانے کے بعد کلی کرنا

کھانا کھانے کے بعد دانتوں کے درمیان کچھ نہ کچھ غذائی اجزاء بہرحال باقی رہ جاتے ہیں، اگر انھیں یونہی چھوڑ دیا جائے تو منہ میں بدبو پیدا ہو جائے گی، اور یہ پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کی تکلیف کا سبب ہوگا، اس سے دانت بھی کمزور ہونگے، اور مختلف قسم کے امراض سے بھی دوچار ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے کھانا کھانے کے بعد کلی کرنا شرعاً مستحب ہے(۳) حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ستو کھانے کے بعد کلی کرنا ثابت ہے۔(۴)

دودھ پینے کے بعد کلی کرنا

دودھ میں چونکہ ایک طرح کی دسومت اور چکنائی ہوتی ہے، جو پینے کے بعد منہ میں باقی رہ جاتی ہے، اگر اسے دور نہ کیا جائے تو ایک قسم کی بو پیدا ہو جاتی ہے، جس سے دانتوں کو خاص طور سے بہت مضرت پہونچتی ہے، اس لئے دودھ پینے کے بعد کلی کر لینا چاہئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا اور کلی کی، پھر فرمایا کہ دودھ میں چکنائی ہوتی ہے (اس لئے میں نے کلی کی ہے)۔(۵)

(۱) بحر ۲۲/۱، سنن الوضوء
(۲) درمع الشامی ۱۱۶/۱، ۱۱۷، سنن الوضوء
(۳) فتح الباری ۳۱۲/۱، باب من مضمض من السويق
(۴) بخاری رقم الحدیث: ۲۰۹، باب من مضمض من السويق
(۵) بخاری قم الحدیث: ۲۱۱، باب هل يمضمض من اللبن

چکنی چیزوں کے استعمال کے بعد کلی کرنا

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے عمل سے کلی کرنا صرف دودھ پینے کے بعد ہی ثابت نہیں ہوتا، بلکہ جن چیزوں کو بھی کھایا یا پیا جائے، اور ان میں چکنائی ہو تو اس کے بعد کلی کر لینے کا استحباب آپ ﷺ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔(۱)

کلی کرنے کے بعض احکام پانچویں فصل میں بھی مذکور ہیں، وہاں بھی ملاحظہ کیجئے۔

---

(۱) فتح الباری ۳۱۴/۱، باب هل يمضمض من اللبن

پانچویں فصل

ناک میں پانی ڈالنا اور اسے صاف کرنا

''استنشاق'' عربی لفظ ہے، اردو میں ناک کے نرم حصہ تک پانی پہونچانے کو ''استنشاق'' کہتے ہیں(۱) ''استـنـثـار'' بھی عربی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ناک میں موجود ریزش وغیرہ کو سانس کی قوت سے چھڑک کر نکالدینا (۲) اس تشریح کے مطابق استنشاق اور استنثار کے معانی الگ الگ ہیں، مگر بعض حضرات نے استنثار کا معنی بعینہ استنشاق کے بیان کیا ہے (۳) اس قول کے مطابق دونوں میں کوئی فرق نہ ہوگا، بہرحال دونوں کے معنی ایک ہوں یا الگ الگ، ان سے مقصود ناک کی صفائی ہے، حدیث میں دونوں کو امور فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اس میں ''استنشاق'' (ناک میں پانی ڈالنے) کا ذکر ہے (۴) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مستخرج ابوعوانہ میں جو روایت منقول ہے اس میں استنشاق کے بجائے ''استنثار'' (ناک صاف کرنے) کا ذکر ہے (۵) اب ان دونوں الفاظ کا مشترکہ مفہوم یہ ہوگا کہ ناک کی صفائی کیلئے پانی ناک میں کھینچ کر پھر سانس کی قوت سے چھڑک کر نکالدینا۔

یہ واقعہ ہے کہ سانس کے واسطے سے فضا میں موجود گرد وغبار ناک میں جمع ہوتے

---

(۱) مراقی الفلاح مع طحطاوی ص:۶۹، فصل فی سنن الوضوء

(۲) نیل الاوطار ۱/۱۷۷، باب المضمضة والاستنشاق

(۳) شرح السنه ۱/۴۱۳، باب المضمضة والاستنشاق

(۴) مسلم رقم الحدیث:۲۶۱، باب خصال الفطرة

(۵) مستخرج ابی عوانه رقم الحدیث:۴۲۷، ایجاب حلق العانة وقص الشارب

رہتے ہیں، جو ناک کی تری سے ملنے کے بعد خشک ہو کر سخت ہو جاتے ہیں، اگر اس کی صفائی پر توجہ نہ دی جائے تو خود ناک میں کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے، نیز ناک کے راستے سے جو سانس لی جائے گی وہ بھی اس گندگی سے متاثر ہو کر اندر پہونچے گی، اور اس کی وجہ سے جسم کا سارا نظام متاثر ہونے کا امکان ہے؛ اس لئے اسلام نے اس کی صفائی پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور اسے امور فطرت میں شامل کیا ہے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فتوحات مکیہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

> ''ہر مذہب وملت کے لوگ ناک کی بلغمی رطوبتوں کو رفع کرنا پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں، اگر ناک کو اندر سے نہ دھویا جائے تو ناک کے منجمد بلغم سے دماغ میں برا اثر پہونچتا ہے، جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتا ہے، نیز اہل عرب کے عرف میں (بلکہ ہمارے علاقوں میں بھی یہی بات ہے کہ) ناک کے لفظ کو عزت اور بڑائی کے محل پر استعمال کرتے ہیں، چنانچہ جب وہ کسی کے لئے بددعا کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ''رغم اللہ أنفہ'' خدائے تعالی اس کی ناک خاک آلود کرے۔
>
> اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس کو عزت و بڑائی کے مقام سے ذلت میں گرائے، پس ناک کو دھونا اپنے کبر وغرور کو چھوڑنے اور خدائے تعالی کی درگاہ میں اپنی کسرنفسی دکھانے کی طرف ایماء ہے'' (۱)

ایک حدیث میں ہے کہ شیطان ناک کے بانسہ میں رات گذارتا ہے (۲) ناک دھونے سے اس کا اثر بھی دور ہوگا، طبیعت سے سستی وغفلت جاتی رہے گی، اسی کے ساتھ زکام سے بھی نجات حاصل ہوگی۔ (۳)

---

(۱) المصالح العقلیہ ص:۴۶، وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت

(۲) بخاری رقم الحدیث:۳۲۹۵، باب صفة ابلیس وجنوده

(۳) حاشیة المصالح العقلیه ص:۴۶، وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت

ناک صاف کرنیکا طریقہ

ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے ڈالنا چاہئے، چھینکنے کے لئے بایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہئے، اور چھینکتے وقت بایاں ہاتھ ناک پر رکھ لینا بہتر ہے، اور ضرورت محسوس ہوتو ناک میں انگلی ڈال کر اچھی طرح اس کی صفائی کر لینی چاہئے؛ تا کہ خشک وتر دونوں طرح کی بلغمی رطوبتوں سے ناک صاف ہو جائے۔(۱)

وضو میں کلی اور ناک کی صفائی

وضو کرتے وقت خاص طور سے کلی کرنے اور ناک صاف کرنے کی تاکید آئی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''إذا توضأت فمضمض ''(۲)

''جب وضو کرو تو کلی بھی کیا کرو''

اور نسائی وترمذی میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''إذا توضأت فانتثر'' (۳)

''جب وضو کرو تو ناک بھی صاف کرو''

خود آپ ﷺ جب وضو فرماتے تو کلی اور ناک صاف کرنے کا ضرور اہتمام فرماتے تھے، کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں کبھی ترک کیا ہو، (۴) آپ ﷺ کی انہی قولی اور فعلی احادیث کی بناء پر فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ وضو میں کلی کرنا اور ناک صاف کرنا سنت مؤکدہ ہے، چنانچہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ اور ابن عابدین رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''وهما سنتان موكدتان (در) فلو تركهما أثم على

(۱) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، ص:۶۹،فصل فى سنن الوضوء

(۲) ابوداؤد رقم الحديث:۱۱۴،باب فى الاستنثار

(۳) نسائى رقم الحديث :۸۹،الامر بالاستنثار ، ترمذى رقم الحديث : ۲۷، باب ما جاء فى المضمضة

(۴) عون المعبود وحاشيه ابن قيم۱/۲۸۵،باب مقدار الماء الذى يجزئ به الغسل

الصحیح" (۱)

"کلی کرنا اور ناک صاف کرنا سنت مؤکدہ ہیں، لہذا اگر کوئی بلا عذر
ان دونوں کو وضو میں ترک کرنے کی عادت بنالے تو گنہگار رہوگا"

حتی کہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے حلیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اعضاء وضو کا تین تین بار دھونا سنت ہے، اور کلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی سنت ہے؛ لیکن اس کا درجہ اعضاء وضو کے تین تین بار دھونے سے بڑھا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کے پاس صرف اتنا پانی ہو کہ اس سے تین بار اعضاء وضو کو دھوئے گا تو کلی اور ناک کی صفائی نہیں کرسکتا، اور کلی اور ناک کی صفائی کرے تو اعضاء وضو کو صرف ایک بار دھوسکتا ہے، تو ایسی صورت میں کلی کرے اور ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرے اور اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھونے پر اکتفاء کرے۔(۲)

کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ

وضو میں کلی کرتے وقت مبالغہ کی بھی تاکید آئی ہے(۳) مبالغہ کا کئی طریقہ بیان کیا جاتا ہے(۴) لیکن راجح قول یہ ہے کہ غرغرہ کیا جائے، اور حلق تک پانی پہونچانے کی کوشش کی جائے (۵) اسی طرح ناک صاف کرنے میں بھی مبالغہ کا حکم ہے(۶) اور اس میں مبالغہ یہ ہے کہ ناک کے دونوں سوراخوں میں پانی ڈالتے وقت آہستگی سے سانس کی قوت کے ساتھ اس طرح اوپر پانی کھینچا جائے کہ ناک کے نرم حصوں تک پہونچ جائے (۷) حضرت لقیط بن صبرہ نے آپ ﷺ سے طریقۂ وضو دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے اس کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

(۱) شامی ۱/۱۱۶، سنن الوضوء
(۲) حوالہ سابق
(۳) بنایہ ۱/۲۱۳، المضمضة والاستنشاق
(۴) سعایہ ۱/۱۲۱ الاستنشاق بمیاہ
(۵) بنایہ ۱/۲۱۳، المضمضة والاستنشاق
(۶) ترمذی رقم الحدیث: ۷۸۸، باب ما جاء فی کراھیة مبالغة الاستنشاق للصائم
(۷) بنایہ ۱/۲۱۳، المضمضة و الاستنشاق

"بالغ فی والاستنشاق" (۱)

''ناک صاف کرنے میں مبالغہ سے کام لیا کرنا''

اور مبالغہ ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ منہ اور ناک میں انگلی ڈال کر اچھی طرح صفائی کی جائے؛(۲) البتہ کلی کرنا جو وضو کی سنت ہے، اس کی ادائیگی کے لئے پانی کو منہ میں حرکت دینا شرط نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی غٹ غٹ پانی پی لے تو اس سے بھی کلی کرنے کی سنت ادا ہو جائے گی۔(۳)

وضو میں کلی اور ناک کی صفائی میں ترتیب

کلی پہلے اور ناک کی صفائی بعد میں کرنا سنت ہے(۴) اور اس ترتیب کی رعایت نہ کرنا خلاف سنت ہے، اگر ترتیب کا لحاظ کئے بغیر بھی کوئی شخص ناک کی صفائی اور کلی کر لے تو بھی وضو کی یہ دونوں سنتیں ادا ہو جائیں گی (۵) علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلی اور ناک کی صفائی وضو میں دو مستقل سنتیں ہیں، جن کو ادا کرتے وقت سات امور کا لحاظ کرنا چاہئے، جن میں سے ایک کلی اور ناک کی صفائی میں ترتیب کی رعایت کرنا بھی ہے، ان کی پوری عبارت یہ ہے:

''واعلم أن المضمضة والاستنشاق سنتان مشتملتان علی سبع سنن : الترتیب والتثلیث والتجدید وفعلهما بالیمین والمبالغة فیهما والمج والاستنثار ''(۶)

''یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کلی اور ناک کی صفائی دو مستقل سنتیں ہیں، جو سات سنتوں پر مشتمل ہیں: ◆ دونوں کے درمیان ترتیب کا لحاظ

---

(۱) ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۲، باب فی الاستنثار

(۲) در مع شامی ۱/۱۱۶، ۱۱۷، سنن الوضوء

(۳) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۶۹، فصل فی سنن الوضوء

(۴) سعایه ۱/۱۱۲، باب السواك

(۵) شامی ۱/۱۱۶، سنن الوضوء

(۶) طحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۷۰، فصل فی سنن الوضوء

کرنا، ◆ دونوں کے لئے تین تین بار پانی لینا ◆ ہر مرتبہ نیا پانی لینا،
◆ دونوں میں پانی دائیں ہاتھ سے ڈالنا ◆ مبالغہ کرنا، ◆ پانی کو منہ
میں حرکت دینا اور ◆ ناک کو سانس کی قوت سے چھڑکنا''

وضو میں کلی اور ناک کی صفائی کرنے کا طریقہ

وضو میں کلی اور ناک کی صفائی کیسے کی جائے؟ اس سلسلے میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، اسی لئے ائمہ کرام رحمہ اللہ کے درمیان اس تعلق سے اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، (۱) احناف کے یہاں اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تین بار کلی کی جائے، اور ہر مرتبہ نیا پانی استعمال کیا جائے، اس کے بعد پھر تین مرتبہ ناک کی صفائی کی جائے، اور اس میں بھی ہر مرتبہ علحدہ علحدہ پانی لیا جائے، یہی احناف کے یہاں معمول بھی ہے۔ (۲)

فرض سے پہلے سنت ادا کرنے کا حکم کیوں؟

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ وضو میں چہرہ دھونا فرض ہے، اور گٹوں تک ہاتھ دھونا، کلی کرنا اور ناک کی صفائی کرنا وضو میں سنت ہیں، اور یہ بات تو مسلم ہے کہ فرض کا مرتبہ سنت سے اعلی وارفع ہوتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے چہرہ دھونا چاہئے، اس کے بعد ان سنتوں کی ادائیگی ہونی چاہئے، حالانکہ وضو کے باب میں اس کے خلاف ہے، پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے جاتے ہیں، پھر کلی اور ناک کی صفائی کی جاتی ہے، (جبکہ یہ سب وضو کی سنتیں ہیں) اس کے بعد چہرہ دھویا جاتا ہے، (جبکہ یہ فرض ہے)۔

اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے ابن امیر الحاج نے لکھا ہے کہ درحقیقت پانی میں تین اوصاف ہوتے ہیں، اور ان میں تغیر ہونے اور نہ ہونے پر ہی پانی کی پاکی وناپاکی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک وصف تو رنگ ہے دوسرا مزا اور تیسرا بو ہے، وضو کرتے وقت سب سے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوکر یہ دیکھا جاتا ہے کہ پانی کا رنگ تو ٹھیک ہے، اس میں کسی قسم کا تغیر تو واقع نہیں ہوا ہے؟ دوسرے نمبر پر کلی کر کے پانی کا مزہ معلوم کیا جاتا ہے کہ آیا وہ اپنی

---

(۱) سعایہ ۱/۱۲۵، تخليل اللحية
(۲) شامی ۱/۱۱۶، سنن الوضوء

طبعی حالت پر برقرار ہے یا اس میں تبدیلی آ چکی ہے؟ اور تیسرے نمبر پر ناک میں پانی ڈال کر اس کی بو دریافت کی جاتی ہے کہ وہ کیسی ہے، اس میں کسی قسم کی بد بو تو پیدا نہیں ہوگئی ہے؟ اس طرح ان تینوں اوصاف کو جانچ لینے کے بعد پھر اس سے فرض (چہرہ دھونا) ادا کیا جاتا ہے، تا کہ مکمل اطمینان کے ساتھ فرض ادا ہو جائے۔

ایک شبہ اور اس کا حل

یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مزہ کو پہلے اور بو کو بعد میں معلوم کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے برخلاف پہلے پانی کی بو (ناک میں پانی ڈال کر) معلوم کی جاتی، اور بعد میں اس کا مزہ (کلی کر کے) دریافت کیا جاتا تو کیا حرج تھا ؟ جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مزہ چونکہ منہ سے معلوم کیا جاتا ہے اور بو ناک سے محسوس کی جاتی ہے، اور منہ کے منافع ناک کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں، اس لئے منہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے حق تقدم حاصل ہوا، اور پہلے مزہ معلوم (کلی) کرنے کا حکم ہوا، اور بعد میں بو دریافت (ناک کی صفائی) کرنے کا حکم دیا گیا۔(۱)

غسل میں کلی اور ناک کی صفائی

غسل واجب خواہ جنابت کی وجہ سے ہو یا حیض ونفاس سے، اس میں کلی اور ناک کی صفائی کا تاکیدی حکم ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

"المضمضة والاستنشاق للجنب فريضة "(۲)

''جنبی کے لئے کلی اور ناک کی صفائی فرض ہے''

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص غسل کر رہا تھا، کلی اور ناک کی صفائی کرنا اتفاقاً وہ بھول گیا، تو کیا اس پر کلی اور ناک کی صفائی بعد میں کرنا لازم ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا يعيد إلا أن يكون جنبا "(۳)

---

(۱) طحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۷۰، فصل فی سنن الوضوء

(۲) سعایہ ۱/۲۷۶، فرض الغسل المضمضة والاستنشاق

(۳) سنن دار قطنی رقم الحدیث :۴۱۱، ۴۱۳، باب ما روی فی المضمضة

"بعد میں کلی اور ناک کی صفائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر وہ جنبی ہو تو کرنی ہوگی"

نیز ارشاد ربانی ہے:

"وإن كنتم جنبا فاطهروا" (۱)

"اگر جنبی ہو تو خوب خوب طہارت حاصل کرو"

انہی نصوص کے پیش نظر احناف کے یہاں کلی اور ناک کی صفائی غسل جنابت میں فرض ہے، اس کے بغیر شرعاً غسل معتبر نہ ہوگا (۲) اسی لئے کلی کرتے وقت اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ منہ کے ہر حصہ میں پانی پہونچ جائے، اگر منہ کے ہر حصہ میں پانی نہ پہونچا، خواہ اس کا سبب جو بھی ہو، غسل ادا نہ ہوگا۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے والد حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ آج کل ہندوستانی عورتیں عموماً علک (ایک قسم کی گوند) چبایا کرتی ہیں، اور اس میں ایک طرح کا ٹھوس پن اور چپکاہٹ بھی ہوتی ہے، جس جگہ وہ چپک جاتی ہے وہاں تک پانی نہیں پہونچ پاتا ہے، اگر اس کے کچھ اجزاء دانتوں کے درمیان پھنس کر رہ جائیں، اور غسل واجب کرتے وقت اسے دور نہ کریں، اور اس کی موجودگی ہی میں کلی کر لینے پر اکتفا کر لیا کریں تو ان کا غسل ادا ہوگا یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ غسل ادا نہ ہوگا، کیونکہ منہ کے ہر جزء میں پانی کا پہونچنا فرض ہے، اور اس کی موجودگی میں پانی پہونچ نہیں پاتا ہے، اس لئے غسل ادا نہ ہوگا، ہاں اگر وہ پانی کے پہونچنے میں رکاوٹ پیدا نہ کرتا ہو تو غسل درست ہو جائے گا (۳) اسی سے معلوم ہوا کہ آجکل جو "چنگم" کا استعمال عام ہے، یہ بھی دانتوں سے چپک جاتے ہیں، اور پانی کے پہونچنے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، اس لئے غسل فرض سے پہلے اہتمام کے ساتھ اس سے منہ کی صفائی کر لینی چاہئے، تاکہ منہ کے ہر حصے تک پانی پہونچنے میں کوئی شبہ باقی نہ رہ جائے۔

---

(۱) المائدة:٦

(۲) در مع الشامي: ۱/۱۵۶، سنن الغسل

(۳) سعایہ ۱/۲۸۰، وغسل اليدين

اسی طرح غسل کرتے وقت ناک کے نرم حصوں تک پانی پہونچانا ضروری ہے، اہتمام وتوجہ سے اس فعل کو انجام دینا چاہئے، تاکہ اس کا کوئی حصہ پانی سے تر ہونے سے نہ رہ جائے، حتی کہ اگر رینٹھ خشک ہوکر کھال سے چپکی ہوئی ہو، اوراس کو دور کئے بغیر ناک میں پانی ڈال لینے پر اکتفا کرلیا گیا تو غسل ادا نہ ہوگا، اس لئے غسل کرتے وقت اس کا بھی خاص خیال رکھنا چاہئے (۱) عموماً اس میں غفلت ہوجاتی ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

غسل میں کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ

غسل میں بھی کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کرنا مطلوب ہے، فقہاء نے اسے سنت قرار دیا ہے، علامہ لکھنوی رحمہ اللہ شرح بزدوی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"المبالغة في المضمضة والاستنشاق سنة في الطهارتين" (۲)

"کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کرنا وضو اور غسل دونوں میں سنت ہے"

غسل میں کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کا وہی طریقہ ہے جو وضو کرتے وقت مبالغہ کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

روزہ دار کے لئے مبالغہ کا حکم

وضو وغسل میں کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کرنا ان حضرات کے لئے سنت ہے جو روزہ سے نہ ہوں، لیکن جو حضرات روزے سے ہوں ان کے لئے کلی اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کرنا ممنوع ہے (۳) کیوں کہ اس سے حلق یا دماغ میں پانی چلے جانے کا اندیشہ ہے، اور یہ روزہ کے ٹوٹ جانے کا باعث ہوگا، اس لئے روزہ کی حالت میں اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ (۴)

---

(۱) شامی ۱۵۲/۱، فرض الغسل
(۲) سعایہ ۲۸۰/۱ ، وغسل البدن
(۳) ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲، باب فی الاستنشاق
(۴) مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی ص: ۶۷۳، باب ما یفسد الصوم الخ

چھٹی فصل

انگلی کے جوڑوں کا دھونا

انگلی کے جوڑوں کا دھونا (غسل براجم) بھی نظافت کے قبیل سے ہے، جس کے اختیار کرنے کا حکم اسلام نے اپنے ماننے والوں کو خاص طور سے دیا ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ امور فطرت میں سے ایک غسل براجم (جوڑوں کا دھونا) بھی ہے(۱) حدیث میں انگلی کے جوڑوں کا دھونا فطرت ابراہیمی کے قبیل سے قرار دیا گیا ہے، ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کی ہے:

"من فطرة إبراهيم غسل الذكر والبراجم" (۲)

"مقام پیشاب اور جوڑوں کا دھونا فطرت ابراہیمی میں سے ہے"

حضرت عبداللہ بن بشر مازنی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو غسل براجم (جوڑوں کے دھونے) کا حکم دیا ہے:

"قصوا أظافيركم وادفنوا قلاماتكم ونقوا براجمكم" (۳)

"ناخن تراشو، تراشے ہوئے اجزاء کو دفن کردو اور براجم (انگلی کے جوڑوں) کو صاف رکھا کرو"

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں تاخیر ہوگئی، آپ ﷺ نے ان سے تاخیر کی

(۱) مسلم رقم الحديث:۲۶۱، باب خصال الفطرة

(۲) درمنثور ۱/۲۷۵، تحت قوله تعالىٰ واذ ابتلى ابراهيم ربه الخ

(۳) فتح الباری ۱۰/۳۳۸، باب قص الشارب ، نوادر الاصول للحكيم الترمذى :۱/۱۸۵، فى النظافة

وجہ دریافت کی، توانہوں نے یہ عذر بیان کیا:

"کیف نأتیکم وأنتم لا تقصون أظفارکم ولا تنقون براجمکم ولا تستاکون " (۱)

" ہم کیسے آیا کریں؟ جب کہ آپ ﷺ کے (بعض) صحابہ ناخن نہیں کاٹتے، کوڑوں کو دھوتے نہیں اور نہ مسواک کرتے ہیں (حالانکہ اس کی وجہ سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے)"

ایک حدیث میں غسل براجم نہ کرنے پر جہنم کی وعید بھی آئی ہے (۲) جس سے اس کی اہمیت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، خلاصہ یہ کہ جوڑوں کو دھونا امور فطرت میں سے ہونے کے ساتھ اسوہ ابراہیمی بھی ہے، آپ ﷺ نے خاص طور پر اس کا حکم دیا ہے اور اس کا اہتمام نہ کرنے پر جہنم کی بھی وعید سنائی ہے، اس کا اہتمام نہ کرنا حضرت جبرئیل (بلکہ عام فرشتوں) کی اذیت کا باعث ہے، اس لئے پوری توجہ کے ساتھ اس حکم پر عمل کرنیکی ضرورت ہے۔

غسل براجم کا مطلب

براجم "برجمۃ" کی جمع ہے، انگلیوں کے جوڑ جو ہتھیلیوں کی پشت کی طرف ہوتے ہیں اسے براجم کہتے ہیں (۳) اب غسل براجم کا مطلب یہ ہوگا کہ ہتھیلیوں کی پشت کی طرف کی انگلیوں کے جوڑوں کو دھویا جائے، اور ان کی شکنوں میں جمے ہوئے گرد وغبار کو اہتمام سے صاف کیا جائے۔

غسل براجم کی حکمت

انگلیوں کے جوڑ جو ہتھیلیوں کی پشت کی طرف ہوتے ہیں، ان پر چونکہ کئی شکنیں ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے گرد وغبار وہاں پر جمع ہوتے رہتے ہیں اور گرد وغبار کی تہیں ان پر جم جانے کے بعد دیکھنے میں بھی وہ خراب معلوم ہوتے ہیں (۴) اس سے جلدی بیماریوں کا اندیشہ بھی

(۱) مصنف ابن ابی شیبه رقم الحدیث:۱۸۰۵،ما ذکر فی السواك

(۲) الزواجر ۲۱۰/۱، الکبرة الثانیة والسبعون ترك شئ من واجبات الوضوء

(۳) فتح الملهم ۳۱۳/۱،باب خصال الفطرة

(۴) تفسیر خازن ۷۶/۱، سورة البقرة ۱۲۴،۱۲۲

ہے، نیز اہل عرب عام طور پر کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھویا نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے کھانے کی تری اور چکنائی جوڑوں پر خاص طور سے لگی رہتی تھی، اور اس پر گرد وغبار جم جایا کرتے تھے (۱) اسلام چونکہ صاف ستھرا مذہب ہے، اس لئے اس کے دھونے کی اس نے خاص طور پر تاکید کی ہے۔

غسل براجم مستقل سنت ہے

انگلی کے جوڑوں کا دھونا چونکہ نظافت کے پیش نظر مشروع ہوا ہے، اس لئے یہ وضو ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ صرف وضو کرتے وقت اسے دھولیا جائے، اور دیگر مواقع پر اس کے دھونے کی ضرورت نہیں ہے، دراصل یہ امور فطرت میں سے ہے، جب بھی ان جوڑوں پر میل کچیل جم جائیں اسے دھو کر صاف کر دینا چاہئے، وضو کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهو سنة غير مختصة بالوضوء"(۲)

"جوڑوں کا دھونا مستقل سنت ہے، وضو کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے"

غسل براجم وضو میں

البتہ وضو کرتے وقت ان جوڑوں کے دھونے کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے، اس لئے اس وقت مزید اہتمام سے دھونا چاہئے، ایک حدیث میں ہے:

"أن النبي ﷺ أمر بتعاهد البراجم عند الوضوء لأن الوسخ إليها سريع "(۳)

"نبی کریم ﷺ نے وضو کرتے وقت جوڑوں کے دھونے پر خاص توجہ دینے کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ ان پر میل کچیل بہت جلد جمع ہو جاتے ہیں"

---

(۱) احیاء العلوم ۱/۱۳۸، القسم الثالث من النظافة

(۲) المجموع ۱/۲۸۸، باب السواك

(۳) فتح الباری ۱۰/۳۳۸، باب قص الشارب

غسل رواجب

بعض احادیث میں ''غسل رواجب'' کی بھی تاکید آئی ہے(۱) رواجب کی مختلف تشریح کی گئی ہے، ایک تشریح امام غزالی رحمہ اللہ نے یہ کی ہے کہ انگلی کے سروں پر اور بڑھے ہوئے ناخنوں کے اندر جو میل کچیل عموماً جمع ہوجاتے ہیں ان کو اچھی طرح صاف ستھرا رکھا جائے (۲) ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ اور معانی بھی ائمہ لغت کے حوالے سے نقل کئے ہیں، لیکن سارے اقوال کو سامنے رکھنے کے بعد قدر مشترک یہ نکلتا ہے کہ انگلیوں میں جہاں بھی شکن ہوں، اور جس جس جگہ میل کچیل کے جمع ہونے کا اندیشہ ہوا سے اہتمام کیساتھ دھونا چاہئے۔(۳)

غسل براجم کا ایک اور معنی

ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ غسل براجم کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ناخن کاٹنے کے بعد انگلیوں کے سروں کو دھولیا جائے، کیونکہ اگر ناخن کاٹنے کے بعد انگلیوں کے سروں کو نہ دھویا جائے، اور جسم کے کسی حصہ کو اسی حالت میں کھجایا جائے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس مقام پر کہیں خارش نہ پیدا ہوجائے (۴) مگر یہ معنی مراد لینے کی صورت میں احکام فطرت جو عموم کا تقاضا کرتے ہیں وہ باقی نہیں رہے گا، یہ حکم صرف ناخن تراشنے کے بعد سے متعلق ہوگا، اس لئے اس جگہ جمہور کا بیان کردہ پہلا معنی ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

بدن کے دوسرے حصوں کے میل کچیل

جوڑوں کے دھونے سے متعلق جتنی احادیث مروی ہیں انھیں سامنے رکھ کر علماء نے فرمایا کہ بدن کے جن حصوں پر میل کچیل جم جائیں خواہ کان کے سوراخ اور ان کے شکن ہوں، یا اس کے علاوہ کوئی اور عضو، ان سب کو صاف ستھرا رکھنا امور فطرت میں سے ہے، مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) احیاء العلوم ۱/۱۳۸، القسم الثالث من النظافة

(۳) فتح الباری: ۳۳۸/۱۰، باب قص الشارب

(۴) المغنی ۶۵/۱، فصل غسل رؤوس الأصابع

''بعض اکابر علماء نے فرمایا کہ اس حدیث (حدیث فطرت) سے یہ اصول معلوم ہوگیا کہ جسم کی صفائی اور اپنی ہیئت اور صورت کی درستی، اور ہر ایسی چیز کا ازالہ، اور اس سے اجتناب جن سے گھن آئے اور کراہیت پیدا ہو، احکام فطرت میں سے ہے، اور طریقۂ انبیاء ہے''(۱)

ابن حجر کی صراحت

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے:

''وقد ألحق بها إزالة ما يجتمع من الوسخ في معاطف الأذن وقعر الصماخ'' (۲)

''براجم ہی کے حکم میں کان کے شکن اور ان کے سوراخوں میں جمع ہونے والے میل کچیل کی صفائی بھی ہے''

اور علامہ محمود محمد خطاب سبکی رحمہ اللہ نے ذرا اور واضح انداز میں لکھا ہے:

'' ويلحق بذلك مايجتمع من الوسخ في معاطف الأذن والصماخ فيزيله بالمسح ...... وكذلك ما يجتمع في داخل الأنف وجميع وسخ المجتمع على أي موضع من البدن بالعرق والغبار ونحوهما '' (۳)

''غسل براجم ہی کے حکم میں کان کے شکن اور سوراخ میں جمع ہونے والی میل بھی ہے، لہذا اسے اچھی طرح صاف کرلیا جائے، اسی طرح وہ آلائش جو ناک میں جمع ہوجاتی ہے، نیز بدن کے جس حصہ پر بھی پسینہ اور گرد وغبار وغیرہ کی وجہ سے میل کچیل جم جائیں سب کو

---

(۱) معارف الحدیث ۶۲/۳، کتاب الطہارۃ

(۲) فتح الباری ۱۰/۳۳۸، باب قص الشارب

(۳) المنهل العذب ۱/۱۸۹، فوائد السواك وحكم الاستنشاق واستحباب قص الأظفار

صاف کرنا اسی حکم میں ہے (یعنی یہ بھی احکام فطرت میں سے ہے)"

اسی طرح ناک کے بال جب بڑے ہو جائیں، اور اس سے ناک کی رطوبت اور آلائش وغیرہ الجھنے لگیں تو اسے بھی کاٹ دینا چاہئے (۱) البتہ اس کے اکھیڑنے سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے مرض آکلہ (ایک خاص قسم کا مرض) ہو جانے کا اندیشہ ہے۔(۲)

---

(۱) فتح الملهم ۳۱۲/۱، باب خصال الفطرة

(۲) عالمگیری ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر فی الختان الخ

ساتویں فصل

ناخن تراشنا

ناخن تراشنا جسے عربی میں ''قص اظفار'' کہتے ہیں، یہ بھی امور نظافت میں سے ہے(۱) حدیث میں اسے احکام فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے(۲) ایک روایت میں اس کا فطرت ابراہیمی میں سے ہونا بھی بیان کیا گیا ہے(۳) احادیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے، ذیل میں اس تعلق سے کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

ناخن تراشنے کے بارے میں احادیث

حضرت عبداللہ بن بشر مازنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قصوا أظفاركم ''(۴) ''ناخن تراشو''، ایک حدیث میں ناخن تراشنے کو طہارت ونظافت کے امور میں سے قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''الطهارات أربع قص الشارب وحلق العانة وتقليم الأظفار والسواک ''(۵)

''چار چیزیں طہارت کے قبیل سے ہیں، مونچھیں کترنا، زیر ناف بال کا مونڈنا، ناخن تراشنا اور مسواک کرنا''

---

(۱) مسند بزار رقم الحديث :۴۱۴۶، حدیث ابی داؤد

(۲) مسلم رقم الحدیث:۲۶۱، باب خصال الفطرة

(۳) درمنثور ۱/۲۷۵، تحت قوله تعالى واذابتلى ابراهيم ربه

(۴) فتح الباری ۱۰/۳۳۸، باب قص الشارب

(۵) مسند بزار رقم الحديث :۴۱۴۶، حديث ابی الدرداء

حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"قصوا أظافیرکم فإن الشیطان یجری مابین اللحم والظفر"(۱)

"ناخن تراشا کرو، کیونکہ شیطان زندہ اور مردہ ناخن کے درمیان دوڑتا رہتا ہے"

امام غزالی رحمہ اللہ نے خطیب کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ بڑھے ہوئے ناخن پر شیطان بیٹھا کرتا ہے (۲) ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں تاخیر کی شکایت کی، اور ان کی آمد میں واقعتاً تاخیر ہوئی بھی تھی، تو جواباً آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ولم لا یبطئ عنی وأنتم حولی لاتستنون ولا تقلمون أظفارکم "(۳)

وہ کیوں دیر سے نہ آئیں؟ تم لوگ میرے پاس ہوتے ہو، حالانکہ تم مسواک کا اہتمام نہیں کرتے، اور نہ ناخن تراشتے ہو،

گویا ان امور کی وجہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو تکلیف ہوتی ہے، اور وہ آنے میں تاخیر کرتے ہیں، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو ناخن نہ تراشے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے (۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، اس میں آپ ﷺ کو سہو ہوگیا، نماز سے فراغت کے بعد جب آپ ﷺ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ما لا لي لاهم ورفغ أحدكم بين ظفره وأنمله "(۵)

---

(۱) درمنثور :۲۷۶/۱، تحت قوله تعالى واذا ابتلى ابراهيم ربه
(۲) احياء العلوم :۱۴۱/۱،القسم الثالث فى النظافة الخ
(۳) مسند احمد رقم الحديث :۲۱۸۱،مسند عبد الله بن عباس رضى الله عنه
(۴) مسند احمد رقم الحديث:۲۳۸۰،حديث رجل من بنى غفار
(۵) المعجم الكبير رقم الحديث:۱۰۴۰۱،الاختلاف عن الاعمش فى حديث عبدالله ﷺ

''مجھے سہو کیسے نہ ہو، جبکہ تم لوگوں کے ناخن اور پوروے میں میل کچیل بھرے ہوئے ہیں''

مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کے ناخن جو بڑھے ہوئے ہیں، اور اسی سے جسم کے مختلف حصوں کو کھجاتے ہو، جس کی وجہ سے اس میں میل کچیل بھر جایا کرتے ہیں، اور اسے اچھی طرح صاف کئے بغیر تم لوگ نماز کے لئے آجاتے ہو، اسی کے اثرات میرے اوپر نماز کی حالت میں پڑے، اور مجھے سہو ہو گیا، اس لئے تم لوگ ناخن نہ بڑھنے دیا کرو، تا کہ یہ شکل پیدا نہ ہو۔(۱)

ناخن تراشنے کے فوائد

ناخن تراشنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع نصیب ہوجاتی ہے، اور ایک مسلمان کو اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ چاہئے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے قاضی خاں کے حوالے سے لکھا ہے جس کا ناخن لمبا ہوتا ہے وہ رزق کی تنگی سے دوچار ہوتا ہے (۲) جس کا حاصل یہ ہے کہ ناخن تراشنے والا تنگیٔ رزق میں مبتلا نہیں ہوتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو جو لباس عطا کیا گیا تھا وہ ناخن کا تھا، پرندوں کے اجسام جس طرح پروں سے پورے طور پر چھپ جاتے ہیں، اسی طرح ان کا جسم بھی ناخن سے چھپ گیا تھا، لیکن جب ان سے لغزش ہوئی تو اللہ تعالی نے ان سے وہ لباس چھین لیا، اور زینت ومنفعت کے واسطے ناخن کو صرف انگلیوں کی حد تک باقی رکھا (۳) مگر حضرت سدی رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کا لباس جنت میں ناخن کے بجائے کھال کا تھا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ساٹھ ہاتھ لانبے تھے، اللہ تعالی نے انکے جسم کو کھال سے ڈھک دیا تھا، اور ہاتھ کی انگلیوں میں ناخن پیدا کر دیا تھا تا کہ جب انھیں کھجانے کی ضرورت محسوس ہو تو ان سے کام لے سکیں۔(۴)

---

(۱) فتح الباری: ۳۴۵/۱۰، باب قص الشارب

(۲) مرقاۃ ۲۸۱۶/۸، باب الترجل

(۳) حوالہ سابق ص: ۲۸۱۵، باب الترجل

(۴) حوالہ سابق

مگر یہی ناخن جب حد سے بڑھ جائے ،اور اسے یونہی چھوڑ دیا جائے تو جمال وزینت کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھدے معلوم ہونے لگتے ہیں (۱) نیز کام کاج کرتے وقت اور جسم کا کوئی عضو کھجاتے وقت اس جگہ موجود میل ناخن میں گھس جاتے ہیں اور کھاتے وقت نوالے کے ساتھ معدہ میں داخل ہو جاتے ہیں، جو نظافت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ طبی لحاظ سے صحت کے لئے بھی مضر ہے، کیونکہ میڈیکل اصول کے مطابق پیٹ کے کیڑوں کے انڈے انسانی ناخن میں پوشیدہ ہوتے ہیں، اور انسان جب کھانا کھاتا ہے تو یہ انڈے کھانے میں شامل ہو کر پیٹ میں چلے جاتے ہیں، اور اندر ہی اندر پھلتے پھولتے رہتے ہیں (۲) ظاہر ہے کہ یہ صحت کے لئے آگے چل کر بہت نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

بعض خواتین کی بری عادت

بعض خواتین میں ناخن بڑھانے کا رجحان پایا جاتا ہے، وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کی دیکھ بھال کرتی ہیں، تاکہ ناخن خوب بڑھ جائے ،مگر ان کے لئے بھی یہ کسی طرح فائدہ مند نہیں ہے، مذکورہ خرابی کے ساتھ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ جو خواتین ناخن بڑھاتی ہیں وہ خون کی کمی کا شکار ہو جاتی ہیں، اور نفسیاتی امراض میں بھی مبتلا ہو جاتی ہیں، ایک ماہر نفسیات کے بقول ناخن بڑھانا اتنا خطرناک ہے کہ وہ انسان کو بے حد نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے، حتی کہ وہ خود کشی کی طرف بھی مائل ہو جاتا ہے۔(۳)

ناخن تراشنا کیسا ہے؟

انہی وجوہ کی بناء پر اسلام نے ناخن تراشنے کی خاص تاکید کی ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**قصوا أظفاركم** ''(۴) ''ناخن تراشو'' اور محیط سرخسی کے حوالے سے فتاوی ہندیہ میں ہے: ''**قلم الأظفار سنة** ''(۵) ''ناخن تراشنا سنت ہے''

(۱) تفسیر خازن ۱/۶۷، سورۃ البقرۃ: ۱۲۲ تا ۱۲۴
(۲) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۴۵۰، ناخن کاٹنا سنت نبوی بھی، علاج بھی
(۳) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۴۵۰ ناخن کاٹنا سنت نبوی بھی، علاج بھی
(۴) فتح الباری ۱۰/۳۳۸، باب قص الشارب
(۵) عالمگیری ۵/۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الختان الخ

ابن عربی رحمہ اللہ نے ناخن تراشنے کے سنت ہونے پر تمام فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وقص الأظفار سنة إجماعا" (۱)

"ناخن تراشنا بالاتفاق سنت ہے"

اور علماء نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ یہ سنت مرد اور عورت دونوں کے حق میں ہے، نیز ناخن ہاتھ کے ہوں، یا پاؤں کے دونوں کو تراشنا سنت ہے۔(۲)

ناخن کی کتنی مقدار تراشے؟

زندہ ناخن سے زائد حصہ کو تراش لینا چاہئے، تاکہ صرف زندہ ناخن ہی باقی رہ جائے؛ البتہ اتنا زیادہ کاٹنے سے پرہیز کرنا چاہئے کہ ناخن کا زندہ حصہ بھی کٹ جائے، اور تکلیف وپریشانی کا باعث ہوجائے:

"ویستحب الاستقصاء فی إزالتها إلی حد لایدخل منه الضرر علی الأصح "(۳)

"ناخن اس حد تک کاٹنا مستحب ہے کہ اس سے انگلی میں تکلیف نہ ہو"

پہلے ناخن ہاتھ کا تراشے یا پاؤں کا؟

ناخن تراشنے کے بارے میں احادیث عام ہیں، جس میں بالاتفاق ہاتھ اور پاؤں دونوں کے ناخن تراشنا داخل ہے، لیکن ان دونوں میں پہلے ہاتھ کا ناخن تراشا جائے یا پاؤں کا؟ روایات اس سلسلے میں خاموش ہیں، کسی روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے، اس لئے علماء کا اس بارے میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے، ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کاٹنے والے کی صوابدید پر منحصر ہے، پہلے ہاتھ کا کاٹے یا پاؤں کا، بہرحال دونوں صورتوں میں اسے اختیار ہے، تراشتے وقت اپنے اختیار تمیزی اور سہولت وآسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے جس کا

---

(۱) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر :۴۵۵/۳ ،حرف الخاء

(۲) حوالہ سابق

(۳) فتح الملهم :۳۱۱/۱،باب خصال الفطرة

تراشنا چاہے، تراش سکتا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ پہلے ہاتھ کے ناخن تراشے جائیں، اور بعد میں پاؤں کے ناخن کاٹے جائیں، کیونکہ جس طرح وضو کا تعلق طہارت ونظافت سے ہے اسی طرح ناخن تراشنے کا تعلق بھی اسی باب سے ہے، وضو میں پہلے ہاتھ دھویا جاتا ہے، اور پاؤں بعد میں دھویا جاتا ہے، اسی طرح ناخن تراشتے ہوئے بھی پہلے ہاتھ کے ناخن کا اور بعد میں پاؤں کے ناخن کا تراشنا مستحب ہوگا۔(۱)

ہاتھ کے ناخن تراشنے کا طریقہ

جس طرح ہاتھ اور پاؤں کے ناخن تراشنے میں ترتیب کے متعلق کوئی صریح روایت نہیں ہے، اسی طرح ہاتھ کے ناخن کاٹنے کی ترتیب کیا ہو، پہلے کس انگلی کا ناخن کاٹا جائے، اور کس انگلی کا بعد میں کاٹا جائے، اس بارے میں بھی کوئی حدیث منقول نہیں ہے، (۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ولم یثبت فی ترتیب الأصابع عند القص شیء من الأحادیث''(۳)

ناخن تراشتے وقت انگلیوں کی ترتیب کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے،

لہٰذا جس طرح بھی اسے تراش لیا جائے سنت ادا ہو جائیگی (۴) البتہ کتابوں میں ناخن تراشنے کے چار طریقے ملتے ہیں، جنھیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

پہلا طریقہ: دونوں ہاتھوں میں سے پہلے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن تراشنا شروع کرے، پہلے شہادت کی انگلی، اس کے بعد بیچ والی (وسطی) اس کے بعد اس کے بغل والی (بنصر) پھر سب سے چھوٹی انگلی (خنصر) اور آخر میں انگوٹھا (ابہام) کے ناخن تراشے

---

(۱) فتح الباری ۳۴۵/۱۰، باب قص الشارب، عمدۃ القاری ۴۵،۲۲، باب تقلیم الأظفار، تفسیر خازن ۷۶/۱، سورۃ البقرۃ: ۱۲۲-۱۲۴

(۲) شامی ۴۰۶/۶، مسائل شتی / فصل فی البیع

(۳) فتح الباری: ۳۴۵/۱۰، باب قص الشارب

(۴) اتحاف السادۃ المتقین ۴۱۱/۲، خصال الفطرۃ

جائیں، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن تراشنے کی ابتداء اس کی سب سے چھوٹی انگلی (خنصر) سے کریں، پھر اس کے بغل والی (بنصر) پھر اس کے بعد والی (وسطی) پھر شہادت کی انگلی اور آخر میں انگوٹھا (ابہام) کے ناخن تراشیں، یہ طریقہ علامہ نووی رحمہ اللہ کا بیان کردہ ہے(۱) علامہ عینی (۲) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہ قول ان ہی سے نقل کیا ہے (۳) اور حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے دائیں ہاتھ سے ناخن تراشنے کی ابتداء کرنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جن کے الفاظ یہ ہیں:

"کان النبی ﷺ یحب التیمن فی طهوره وترجله وتنعله " (۴)

"آپ ﷺ دائیں جانب کا لحاظ کیا کرتے تھے، وضو کرنے میں، کنگھا کرنے میں اور جوتا پہننے میں"

اور دائیں ہاتھ میں سب سے پہلے شہادت کی انگلی کے ناخن تراشنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بقیہ انگلیوں کے مقابلہ میں اشرف ہے، کیونکہ کلمۂ تشہد پڑھتے وقت اس سے اشارہ کیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد انگوٹھے (ابہام) کے بجائے بیچ والی (وسطی) انگلی کے ناخن کو تراشنا اس وجہ سے ہے کہ ناخن تراشنے والا عموماً ہتھیلی کی پشت کی طرف سے کاٹتا ہے، اور ایسی حالت میں داہنی طرف بیچ والی انگلی (وسطی) ہی ہوا کرتی ہے، اس لئے وسطی اور اس کے بعد والی انگلیوں کے ناخن تراشنے کو کہا گیا ہے، اور آخر میں انگوٹھے (ابہام) کے ناخن کاٹنے کو کہا گیا ہے، اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں بھی داہنی جانب کی رعایت کی گئی ہے، اور اس میں داہنی جانب کی طرف آنا اسی وقت ہوگا جبکہ خنصر سے شروع کر کے ابہام پر ختم کیا جائے، اسی لئے اسی ترتیب کا لحاظ کرنے کو کہا گیا ہے۔ (۵)

(۱) حاشیہ نووی مع مسلم ۱۴۹/۳، باب خصال الفطرة
(۲) عمدۃ القاری ۴۵/۲۲، باب تقلیم الأظفار
(۳) فتح الباری ۳۴۵/۱۰، باب قص الشارب
(۴) فتح الباری ۳۴۵/۱۰، باب قص الشارب، بخاری رقم الحدیث :۵۸۵۴، باب یبدأ بالنعل الیمنی
(۵) فتح الباری ۳۴۵/۱۰، باب قص الشارب

جہاں تک بائیں ہاتھ میں خنصر سے شروع کر کے ابہام پر ختم کرنے میں مسلسل داہنی طرف آنے کی بات ہے تو واقعتاً مسلم ہے، اور بلا کسی پریشانی کے ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن داہنے ہاتھ میں شہادت کی انگلی کے بعد ابہام کے بجائے وسطی انگلی کے ناخن تراشنے میں جو داہنی طرف انتقال (آنے) کی بات کہی گئی ہے، وہ ایک تو عام نہیں ہے، دوسرے اس میں دشواری بھی بہت ہے، بلا تکلف داہنی جانب انتقال (آنا) نہیں ہوسکتا، جیسا کہ تجربہ شاہد ہے،

دوسرا طریقہ: دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے اس کی چھوٹی انگلی (خنصر) پر ختم کیا جائے، اور ابھی اس کے انگوٹھے کے ناخن کو نہ تراشا جائے، جب بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خنصر) کے ناخنسے تراشنے کی ابتداء کر کے اس کے انگوٹھے (ابہام) پر ختم کر دیا جائے تب آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن تراشا جائے، یہ طریقہ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔(۱)

مگر امام ابوعبداللہ مازنی رحمہ اللہ مالکی نے اس کا شدت سے انکار کیا ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے پہلے طریقہ کو ہی راجح قرار دیا ہے (۲) شاید یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا ہو کہ اس میں داہنی طرف مسلسل انتقال (آنا) ہو رہا ہے۔(۳)

تیسرا طریقہ: صاحب اقلید کے حوالے سے حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے ایک تیسرا طریقہ بھی لکھا ہے، اور وہ یہ کہ پہلے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خنصر) سے کاٹنا شروع کرے، پھر اس کے بعد والی، اسی طرح انگوٹھے (ابہام) پر پہونچے، اس کے بعد دائیں ہاتھ کے انگوٹھے (ابہام) سے شروع کر کے چھوٹی انگلی (خنصر) پر ختم کرے (۴) شاید ان کے پیش نظر یہ ہو کہ ناخن ہتھیلی کے اندرون سے بھی کاٹا جاتا ہے، تو اس صورت میں بھی داہنی طرف ہی انتقال (آنا) ہوگا۔(۵)

---

(۱) احیاء العلوم ۱/۱۴۱، القسم الثالث من النظافة الخ
(۲) المجموع ۱/۲۸۶، باب السواک
(۳) فتح الباری ۱۰/۳۴۵، باب قص الشارب
(۴) فتح الباری ۱۰/۳۴۵، باب قص الشارب
(۵) حوالہ سابق ۳۴۶، باب قص الشارب

چوتھا طریقہ: دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خنصر) سے ناخن تراشنے کی ابتداء کرے ، پھر بیچ والی (وسطی) کا، اس کے بعد انگوٹھے (ابہام) کا پھر چھوٹی انگلی کے بغل والی (بنصر) کا، اورسب سے آخر میں شہادت والی انگلی کا تراشے، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی انگلیوں کا ناخن تراشے، پہلے انگوٹھے (ابہام) کا ، اس کے بعد بیچ والی (وسطی) کا ، پھر چھوٹی انگلی (خنصر) کا، اس کے بعد شہادت والی اور آخر میں چھوٹی انگلی کے بغل والی (بنصر) کا تراشے۔(۱)

پاؤں کے ناخن تراشنے کا طریقہ

پاؤں کے ناخن تراشتے وقت پہلے کس انگلی کا تراشے اور آخر میں کس انگلی کے ناخن کاٹے ؟اس کے متعلق بھی کوئی روایت ذخیرۂ احادیث میں نہیں ہے(۲) البتہ کتابوں میں اس کے دو طریقے ملتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلا طریقہ: پاؤں کے ناخن تراشتے وقت پہلے دایاں پاؤں کی چھوٹی انگلی کا تراشے، پھر بالترتیب تراشتے ہوئے انگوٹھے کا سب سے آخر میں تراشے، پھر بایاں پاؤں کے انگوٹھے کا تراشے، پھر بالترتیب تراشتے ہوئے چھوٹی انگلی (خنصر) پر پہونچے، اورسب سے آخر میں اس کا ناخن تراشے، یہ طریقہ امام غزالی رحمہ اللہ کا بیان کردہ ہے(۳) اس ترتیب سے پاؤں کے ناخن کاٹنے کی وجہ یہ ہے کہ پاؤں کا ناخن تراشتے وقت عموماً تلوے کی جانب سے تراشے جاتے ہیں، ایسی صورت میں جب مذکورہ ترتیب کا لحاظ کیا جائے گا تو داہنی طرف انتقال (آنا) ہوگا، اور یہی مطلوب بھی ہے، اس لئے یہی طریقہ بہتر اور مناسب ہے۔(۴)

دوسرا طریقہ: پہلے دایاں پاؤں کی چھوٹی انگلی (خنصر)، پھر بیچ کی انگلی (وسطی)، اس کے بعد انگوٹھا (ابہام)، پھر چھوٹی انگلی کے بغل والی (بنصر) کا تراشے، اورسب سے آخر میں شہادت کی انگلی کا ناخن تراشے، اس کے بعد بایاں پاؤں میں اولا انگوٹھے (ابہام)، اس

---

(۱) درمع الشامی ۴۰۶/۶، فصل فی البیع
(۲) فتح الباری ۳۴۵/۱۰، باب قص الشارب
(۳) احیاء العلوم ۱۴۱/۱، القسم الثالث من النظافة الخ
(۴) فتح الباری ۳۴۵/۱۰، باب قص الشارب

کے بعد بیچ والی (وسطی)، پھر چھوٹی انگلی (خنصر)، پھر شہادت والی انگلی، اس کے بعد چھوٹی انگلی کے بغل والی (بنصر) کا تراشے۔(۱)

آنکھ آنے کی شکایت کا دور ہونا

ہاتھ اور پاؤں کے ناخن تراشنے کا بالترتیب جو چوتھا اور دوسرا طریقہ ذکر کیا گیا ہے، اگر اس کے مطابق ناخن تراشے جائیں، تو جنھیں آنکھ آنے کی شکایت عموماً رہتی ہے وہ اس سے نجات پا جائے گا، علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ مجرب ہے۔(۲)

سبھی ناخن ایک ساتھ تراشے جائیں

مناسب یہ ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کی ساری انگلیوں کے ناخن ایک ساتھ تراشے جائیں، کچھ انگلیوں کے تراشیں، اور کچھ کے چھوڑ دیں، یا ہاتھ کے ناخن تراشیں اور پاؤں کے چھوڑ دیں، یا اس کے برخلاف پاؤں کے کاٹیں اور ہاتھ کے چھوڑ دیں، یہ ساری صورتیں غیر مناسب ہیں، جس طرح دونوں پاؤں میں سے صرف ایک پاؤں میں جوتا پہن کر چلنا ایک ناپسندیدہ حرکت ہے، اسی طرح کچھ کے ناخن تراشنا اور کچھ کے چھوڑ دینا بھی غیر مناسب عمل ہے، علامہ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> **"لو اقتصر على بعضها مع استواء ها فى الحاجة لم يحصل المقصود بل هو كالمشى فى نعل واحدة"** (۳)
>
> ''جب ناخن تراشنے کا حکم ساری انگلیوں کے بارے میں برابر ہے تو کچھ کے تراشنا اور کچھ کے یونہی چھوڑ دینا مقصود (نظافت) کے خلاف ہے، بلکہ یہ ایک جوتا پہن کر چلنے کے حکم میں ہوگا (جو ممنوع ہے)''

---

(۱) در مع الشامی ۴۰۶/۶، فصل فی البیع

(۲) شامی ۴۰۶/۶، فصل فی البیع ، مسائل شتی

(۳) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۴۵۵/۳، حرف الخاء

زائد ہاتھ وانگلی کے ناخن

عام عادت تو یہی ہے کہ انسان کو دو ہاتھ اور ہر ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں؛لیکن اگر کسی کو تین ہاتھ ہوں، یا ہر ہاتھ میں پانچ انگلیوں سے زائد چھ یا اس سے بھی بڑھ کر انگلیاں ہوں،تو سوال یہ ہے کہ زائد ہاتھ اور زائد انگلیوں کے ناخن کا کیا حکم ہوگا؟ علماء فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ چونکہ عام ہیں،اس میں ہاتھ اور انگلیوں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے، اور قاعدہ ہے کہ عام حکم میں نادرالوقوع افراد(جو چیزیں عام طور پر نہ پائی جائیں) بھی داخل ہوجاتے ہیں،اس لئے زائد ہاتھ اور پانچ سے زیادہ انگلی اگر کسی کے پاس ہوں تو ان کے ناخن کو تراشنا بھی سنت ہوگا،چنانچہ علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وشمل الإصبع الزائدة واليدالزائدة'' (۱)

''الفاظ حدیث زائد انگلی اور زائد ہاتھ کو بھی شامل ہیں(یعنی ان کے ناخن بھی تراشے جائیں)''

ناخن کب تراشے؟

ناخن جب بڑھ جائیں تو انھیں تراش لینا چاہئے،خواہ جونسا دن ہو،اور دن کی بھی کوئی قید نہیں ہے،رات میں بھی انھیں تراشا جاسکتا ہے(۲) ناخن کے بڑھ جانے کے باوجود انھیں نہ تراشنا اور کسی خاص دن کا انتظار کرنا مکروہ ہے(۳) اسی لئے حافظ بن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''المعتمدأنه يستحب كيف ما احتاج إليه'' (۴)

(ناخن تراشنے کے بارے میں) معتمد قول یہ ہے کہ جب ضرورت ہوا سے تراش لینا مستحب ہے(دن کی کوئی تعیین نہیں ہے)

---

(۱) فیض القدیر شرح جامع الصغیر ۴۵۵/۳،حرف الخاء
(۲) عالمگیری ۳۵۸/۵ ،الباب التاسع عشر فی الختان الخ
(۳) خانیہ مع عالمگیری ۴۱۱/۳،فصل فی الختان
(۴) فتح الباری ۳۴۶/۱۰، باب قص الشارب

البتہ اگر ناخن زیادہ نہ بڑھے ہوں، اور حصول فضیلت کے لئے کوئی جمعہ کے دن کا انتظار کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ فقہاء اس کو مستحب قرار دیتے ہیں (۱) کیوں کہ بیہقی میں ابوجعفر باقر سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن ناخن ترشوانے کو بہتر فرماتے تھے (۲) اس لئے افضل یہ ہے کہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے تراش لیا جائے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

''کان یقلم أظفاره ﷺ...... یوم الجمعه قبل أن یروح إلی الصلوة'' (۳)

''نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ کیلئے جانے سے پہلے ناخن تراشا کرتے تھے''

ناخن تراشنے میں تاخیر

اس سے معلوم ہوا کہ ہر جمعہ ناخن تراشنا بہتر ہے، اگر ہر جمعہ ایسا نہ کر سکے تو کم از کم پندرہ دن پر کرلیا کرے، اور اگر پندرہ دن پر بھی نہ تراش سکا تو زیادہ سے زیادہ چالیس دن تاخیر کی گنجائش ہے، چالیس دن کے بعد وعید و گناہ کا مستحق ہوگا، گویا ہفتہ افضل ہے، پندرہ دن متوسط ہے، اور چالیس دن انتہائی مدت ہے۔ (۴)

ناخن دانت سے کترنا

ناخن نیل کٹر یا چاقو وغیرہ سے تراشے، دانتوں سے اسے نہیں کترنا چاہئے، طبی نقطۂ نظر سے اس کی وجہ سے مرض برص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے (۵) اس سے رزق میں تنگی اور غربت و محتاجی بھی آتی ہے۔ (٦)

---

(۱) درمع الشامی ٦/۴٠٦، فصل فی البیع
(۲) عمدۃ القاری ۲۲/۴٦ ، باب تقلیم الأظفار
(۳) شعب الایمان رقم الحدیث :۲۵٠۸، فضل الوضوء الخ
(۴) عالمگیری ۵/۳۵۸، الباب التاسع عشر فی الختان الخ
(۵) حوالہ سابق
(٦) اتحاف السادة المتقین ۲/۴۱۱، باب خصال الفطرة

ناخن تراشنے کے بعد انگلیوں کا دھونا

ناخن تراشنے کے بعد انگلیوں کو دھولینا چاہئے، کیونکہ ناخنوں کی جڑ میں موجود میل کچیل اس سے دور ہوجائے گی، اور نظافت جو مقصود ہے، وہ مکمل طور پر حاصل ہوگی (۱) اور طبی لحاظ سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر دھلی ہوئی انگلیوں سے بدن کے کسی حصہ کو کھجانے کی ضرورت پڑے تو کوئی نقصان نہ ہوگا، چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ویستحب غسل رؤوس الأصابع بعد قص الأظفار وقد قیل: إن الحک بالأظفار قبل غلسها یضر بالجسد" (۲)

"ناخن تراشنے کے بعد انگلیوں کے سرے کو دھولینا مستحب ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ دھونے سے پہلے اگر ان سے بدن کو کھجایا جائے تو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے"

تراشے ہوئے ناخن کو دفن کردے

تراشیدہ ناخن کو دفن کردینا بہتر ہے، کیونکہ یہ جزو بدن ہے جو لائق تعظیم ہے، اور ادھر ادھر ڈال دینے میں اس کی اہانت ہے؛ اس لئے اس سے بچنا چاہئے، نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے تراشیدہ ناخن کو دفن کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ جادوگروں کو ان پر جادو کرنے کا موقع مل جاتا ہے (۳) چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"وإذا قلم أظافیره أوجز شعره أن یدفن ذلک الظفر والشعر المجزور" (۴)

"تراشیدہ ناخن اور بال کو دفن کردینا چاہئے"

---

(۱) کشاف القناع ۷۶/۱، فصل الامتشاط والادھان
(۲) المغنی ۶۵/۱، فصل غسل رؤوس الأصابع
(۳) فتح الباری ۳۴۶/۱۰، باب قص الشارب
(۴) خانیہ مع عالمگیری ۴۱۱/۳، فصل فی الختان

نیز بیت الخلا، غسل خانہ اور ناپاک جگہوں پر انھیں ڈال دینے سے طرح طرح کے امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہے(۱) اس لئے اس سے بھی خاص طور پر بچنا چاہئے، اور اگر کوئی دفن کرنے کے بجائے کسی پاک مقام پر ڈال دے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) شامی ٦/٤٠٦، فصل فی البیع
(۲) اشعة اللمعات ۱/۲۱۲، باب السواك

متفرق مسائل

حالت جنابت میں ناخن تراشنا

جنابت کی حالت میں ناخن تراشنا مکروہ ہے، ہندیہ میں غرائب کے حوالے سے لکھا ہے:

"حلق الشعر حالة الجناية مكروه وكذا قص الأظافير"(۱)

''جنابت کی حالت میں بال مونڈنا اور ناخن تراشنا مکروہ ہے''۔

قربانی کرنے والے کا ناخن تراشنا

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''إذا رأيتم هلال ذی الحجة وأراد أحدكم أن يضحی فليمسک عن شعره وأظفاره''(۲)

''جب ذی الحجہ کا چاند نظر آجائے تو قربانی کرنے والا نہ بال کاٹے اور نہ ہی ناخن تراشے''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آجانے کے بعد قربانی کرنے والا قربانی کرنے سے فارغ ہونے تک ناخن نہ تراشے، اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں ناخن نہ تراشنا مستحب ہے۔(۳)

میت کے ناخن تراشنا

ناخن تراشنا چونکہ تقاضۂ نظافت ہونے کے ساتھ ساتھ جمال وزینت میں بھی داخل

(۱) عالمگیری ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر فی الختان الخ

(۲) مسلم رقم الحديث: ۱۹۷۷، باب نهی من دخل عليه عشر ذی الحجه الخ

(۳) شامی ۱۸۱/۲، مطلب فی ازالة الشعر والظفر فی عشر ذی الحجة

ہے(۱) اور یہ زندوں کے لئے ہے، مرنے کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور نہ ہی شرعاً یہ مطلوب ہے، اس لئے میت کے ناخن نہ تراشے جائیں، علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولایقص ظفره أی المیت" (۲)

"میت کے ناخن نہ تراشے"

البتہ اگر اس کے ناخن ٹوٹ گئے ہوں تو اسے کفن ہی میں رکھ دے۔(۳)

ناخن پالش

آج کل ناخن پالش کا استعمال عام ہو گیا ہے، عورتیں بڑے شوق سے اسے استعمال کرتی ہیں، یہ مسئلہ تو الگ ہے کہ اس کی موجودگی میں وضو درست نہیں ہوتا، اور وضو سے پہلے اس کا دور کرنا ضروری ہے (۴) اس کے علاوہ طبی لحاظ سے یہ صحت کے لئے بھی مضر ہے، چنانچہ حکیم محمد طارق محمود چغتائی لکھتے ہیں:

ناخن بھی جسم انسانی کی طرح زندہ ہیں، انھیں بھی آکسیجن اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے، یہ پانی کے طلبگار رہتے ہیں، اگر انھیں کوئی تکلیف پہونچے تو تمام جسم ان سے متاثر ہوتا ہے، ایک خاتون کو ہاتھوں پر دانے، خارش اور پیپ دار پھنسیاں تھیں، بہت علاج کرائے لیکن افاقہ نہ ہوا، ایک ماہر امراض جلد کے پاس گئیں، موصوف عمر رسیدہ اور بہت ماہر جانے جاتے تھے، ڈاکٹر صاحب مریضہ کا معائنہ کر کے فرمانے لگے: آپ ناخن پالش کتنے عرصہ سے استعمال کر رہی ہیں؟ مریضہ نے جواب دیا! گذشتہ ساڑھے پانچ سال سے، اور مرض کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟ مریضہ نے جواب دیا!

---

(۱) تفسیر خازن ۱/۶۷، سورۃ البقرۃ

(۲) مراقی الفلاح حاشیه طحطاوی ۵۷۱، باب احکام الجنائز

(۳) حوالہ سابق

(۴) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۶۲، فصل فی احکام الوضوء

پانچ سال سے مسلسل مرض موجود ہے، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا!
آپ ناخن پالش لگانا چھوڑ کر پھر مناسب مختصر علاج کریں (جس کی
وضاحت انہوں نے مریضہ سے کی) مریضہ کا کہنا ہے کہ صرف
تیسرے ہفتے میں مکمل صحت یاب ہوگئی'' (۱)

(۱) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۳۲۴، ناخن پالش اور جدید سائنس

آٹھویں فصل

بغل کے بال اکھاڑنا

امورنظافت ہی میں سے ایک بغل کے بال اکھاڑنا بھی ہے، احادیث میں اسے ''نتف إبــــط'' سے تعبیر کیا گیا ہے،(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احکام فطرت میں ''نتف إبــــط''(بغل کے بال اکھاڑنا) بھی ہے(۲) احادیث میں اس کی تاکید آئی ہے،اس لئے اس کی صفائی پر بھی خاص توجہ دینی چاہئے۔

بغل کے بال اکھاڑنے کا حکم

بغل کے بال کی صفائی کے متعلق احادیث میں ''نتف'' کا لفظ آیا ہے،جس کے معنی اکھاڑنے اور نوچنے کے ہیں،اس لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ افضل اس کے بال کو اکھاڑ کر صاف کرنا ہے؛(۳) کیونکہ اس کی وجہ سے بوکم سے کم پیدا ہوگی، بال گھنے اور موٹے نہیں نکلیں گے(۴) نیز بال دیر سے نکلیں گے، جس کی وجہ سے جلد جلد صفائی کی حاجت نہ ہوگی، اس لئے اس کا نوچنا اور اکھاڑنا افضل وبہتر ہے۔(۵)

بغل کے بال کی صفائی کا مستحب طریقہ

مستحب یہ ہے کہ پہلے دائیں بغل کے بال کو بائیں ہاتھ سے صاف کرے،اس کے

---

(۱) مسند بزار رقم الحديث :۸۵۶۳،عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ
(۲) مسلم رقم الحديث :۲۶۱،باب خصال الفطرة
(۳) شامی۶/۴۰۷،مسائل شتی ، فصل فی البيع
(۴) مرقاۃ۷/۲۸۱۵،باب الترجل
(۵) عالمگیری۵/۳۵۸،الباب التاسع عشر فی الختان الخ

بعد اگر بائیں بغل کے بال بائیں ہاتھ سے صاف کرنا ممکن ہو تو اسی سے کرے، اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو دائیں ہاتھ سے بھی صاف کرنے کی گنجائش ہے۔(۱)

صفائی کے بعد ہاتھ دھونا

بغل کے بال اکھاڑ کر جب فارغ ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ ہاتھ دھولے، تاکہ انگلیوں پر جو بو اور میل کچیل لگ گئی ہو وہ زائل ہو جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو بغل کھجاتے یا چھوتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا:

"قم فاغسل يديک أو تطهر" (۲)

"اٹھو! ہاتھ دھولو یا وضو کرلو"

البتہ ہاتھ دھونا یا وضو کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ بغل یا اس کا بال نہ تو ناپاک ہے، کہ اس کے چھونے سے ہاتھ ناپاک ہو جائے اور اس کا دھونا ضروری ہو، اور نہ ہی اس کا چھونا یا اکھاڑنا ناقض وضو ہے کہ اس سے وضو لازم ہو، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ليس عليه وضوء في نتف الإبط"(۳)

"بغل کے بال اکھاڑنے سے وضو واجب نہیں ہوتا ہے"

ہاتھ کا دھونا یا وضو کر لینا نظافت کے قبیل سے ہے، جس پر عمل کرنا شرعاً محمود و مطلوب ہے، واجب نہیں ہے،

بغل کے بال کی صفائی میں دوسروں سے مدد

بغل کے بال کی صفائی بلاضرورت دوسروں سے کرانے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، بعض اسے مکروہ قرار دیتے ہیں، اور بعض مروت کے خلاف ہونے کی وجہ سے خلاف ادب فرماتے ہیں(۴) اس لئے بہتر یہ ہے کہ بغل کے بال خود صاف کرے، حافظ بن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۱) فتح الباری: ۳۴۴/۱۰، باب قص الشارب

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۶۵، فی الرجل یمس إبطه أيتوضأ

(۳) حوالہ سابق رقم الحدیث: ۵۶۷، فی الرجل یمس أبطه أيتوضأ

(۴) عمدة القاری ۴۵/۲۲، باب تقليم الأظفار

"والأولى أن لا يفوضه لغيره" (۱)

''بہتر یہ ہے کہ بغل کے بال دوسروں سے صاف نہ کرائے''

البتہ ضرورت کے وقت دوسروں سے صاف کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے حجام سے صاف کرایا تھا۔ (۲)

صفائی میں کتنا وقفہ ہونا چاہیئے؟

اصل یہ ہے کہ جب بغل کے بال بڑے ہو جائیں تو حتی الامکان جلد ہی اسے صاف کر لینا چاہیئے، وقت کی اس بارے میں کوئی تحدید نہیں ہے، البتہ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اس کی صفائی میں چالیس دن سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے (۳) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنے پر وہ شخص مستحق وعید ہوگا:

"ويستحق الوعيد عندنا" (۴)

احناف کے یہاں (چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنے والا) مستحق وعید ہوگا،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ بغل کے بال چالیس دن کے اندر اندر صاف کر لیتے تھے (۵) نبی کریم ﷺ کا معمول بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مونچھ اور ناخن ہر جمعہ کو ترشواتے تھے (۶) اس حدیث میں بغل کے بال صاف کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر ہفتہ آپ ﷺ بغل کے بال صاف نہیں کراتے تھے، اس کے صاف کرانے میں تاخیر بھی ہوتی تھی، اور یہ قرین قیاس بھی ہے، کیونکہ عام طور پر وہاں کے بال اتنے بڑے نہیں ہو جاتے کہ انہیں ہر ہفتہ صاف کرنے کی ضرورت پڑے۔ (۷)

(۱) مرقاة: ۱/۳۹۷، باب السواك
(۲) فتح الباری ۱۰/۳۴۴، باب قص الشارب
(۳) مسلم رقم الحديث: ۲۵۸، باب خصال الفطرة
(۴) مرقاة ۷/۲۸۱۶، باب الترجل
(۵) التعليق الصبيح ۴/۴۰۵، باب الترجل، الفصل الاول
(۶) مرقاة ۷/۲۸۱۶، باب الترجل
(۷) حوالہ سابق

بغل کے بال کا مونڈنا

گذشتہ سطور میں یہ بات آچکی ہے کہ بغل کے بال کی صفائی میں افضل طریقہ نوچنا اور بالوں کو جڑ سے اکھاڑنا ہے،لیکن اگر عادت نہ ہونے کی وجہ سے اکھاڑنے کی ہمت نہ ہو، اوراس سے غیر معمولی تکلیف لاحق ہوتی ہوتو مونڈنا بھی جائز ہے،علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"النتف أفضل لمن قوى عليه" (۱)

"بغل کے بال کا اکھاڑنا اس شخص کے حق میں افضل ہے جو اس کی تکلیف کو برداشت کرسکتا ہو"

اور فتاوی ہندیہ میں ہے:

"وفى الإبط يجوز الحلق والنتف أولى "(۲)

"بغل کے بال کا مونڈنا جائز ہے،اوراس کا اکھاڑنا افضل ہے"

یونس بن عبدالاعلی ایک بار حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ حجام سے بغل کے بال منڈوارہے تھے،تو امام شافعی رحمہ اللہ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

" إنی علمت أن السنة النتف ولكن لا أقوى على الوجع "(۳)

"مجھے (بھی) معلوم ہے کہ بغل کے بال اکھاڑنا سنت ہے،لیکن اکھاڑنے کی صورت میں جو تکلیف مجھے لاحق ہوگی میں اسے برداشت نہیں کرسکتا"

بال کی صفائی کے لئے صابون کا استعمال

بال صاف کرنے والا صابون بازاروں میں ملتا ہے، اگر کوئی شخص بغل کے بال

---

(۱) مرقاۃ ۲۸۱۵/۷،باب الترجل

(۲) عالمگیری ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر فی الختان الخ

(۳) فتح الملہم ۳۱۱/۱ ،باب خصال الفطرة

اکھاڑنے اور مونڈنے کے بجائے اس صابن سے وہاں کے بال صاف کرلے تو یہ بھی جائز ہے؛(۱) کیونکہ اصل مقصود (صفائی) حاصل ہوگیا، البتہ اس کی عادت نہیں بنانی چاہئے، کیونکہ اس کے استعمال کے بعد بال مزید گھنے نکلتے ہیں، جس کی وجہ سے بار بار صفائی کی ضرورت پڑتی ہے، اوراس کی وجہ سے پسینہ کا اخراج بھی زیادہ ہوتا ہے، اس لئے موقع ضرورت پر ہی استعمال کرنا چاہئے۔

نورہ کا استعمال

پہلے زمانہ میں نورہ (ہڑتال) کا استعمال بالوں کی صفائی کے واسطے ہوتا تھا، اسی کی ترقی یافتہ شکل آج کل بالوں کی صفائی والا صابن ہے، شرعاً نورہ (ہڑتال) کے استعمال کی بھی اجازت ہے، چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والذی یقوم مقام النتف فی ذلک التنور" (۲)

بغل کے بالوں کے اکھاڑنے کا بدل نورہ (ہڑتال) کا استعمال کرنا بھی ہے،

لیکن نورہ (ہڑتال) کا استعمال پابندی سے کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے کھال نرم اور باریک ہوجاتی ہے، جس سے نقصان ہوسکتا ہے۔(۳)

آپ ﷺ کے بغل میں بال تھے؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ ﷺ کے بغل کی سفیدی نظر آتی تھی (۴) حضرات شوافع نے اس حدیث کی بناء پر یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ کے بغل میں بال نہیں تھے، کیونکہ اگر اس مقام پر بال ہوتے تو سفیدی نظر آنے کے بجائے کچھ سیاہی نظر آتی، حالانکہ ایسا نظر نہیں آتا تھا، اس لئے معلوم ہوا

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۱/۶۴، فصل حلق العانۃ

(۲) فتح الملہم ۱/۳۱۱، باب خصال الفطرۃ

(۳) حوالہ سابق

(۴) بخاری رقم الحدیث:۱۰۳۰، باب رفع الناس أیدیہم مع الامام فی الاستسقاء

کہ آپ ﷺ کے بغل میں بال نہیں تھے(۱) مگر عام حضرات نے اس کا انکار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بال تو آپ ﷺ کے بغل میں بھی تھے، لیکن وہ صاف رہتے تھے، باقی رہنے نہیں دیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے وہ مقام کالا نظر آنے کے بجائے چمکدار نظر آتا تھا، نیز آپ ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ بغل میں ناپسندیدہ بو پیدا نہیں ہوتی تھی ۔(۲)

(۱) اشعة اللمعات ۲۱۳/۱ ،باب السواك
(۲) اتحاف السادة المتقين ۴۰۹/۲،خصال الفطرة

نویں فصل

زیر ناف بال کا مونڈنا

امور نظافت میں سے زیر ناف بال کا مونڈنا بھی ہے، جسے احادیث میں ''حلق عانہ'' یا ''استحداد'' سے تعبیر کیا گیا ہے، روایتوں میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی ناف کے نیچے کا بال مونڈا تھا(۱) اسی لئے بعض احادیث میں اسے فطرت ابراہیمی میں سے شمار کیا گیا ہے۔(۲)

احادیث میں تاکید

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ احکام فطرت میں سے ''حلق عانہ'' یعنی ناف کے نیچے کا بال مونڈنا بھی ہے(۳) احادیث میں جن چار چیزوں کو امور طہارت ونظافت میں سے خاص طور سے شمار کیا گیا ہے ان میں سے ایک زیر ناف بال کا مونڈنا بھی ہے(۴) زیر ناف بال نہ منڈانے پر نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ بڑا تہدید آمیز جملہ ارشاد فرمایا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یزید بن عمرو المغافری کی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو مونچھیں نہ تراشے، ناخن نہ کٹائے اور ناف کے نیچے کے بال نہ مونڈے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(۵)

---

(۱) تفسیر در منثور ۱/۲۸۱،البقرة :۱۲۴
(۲) مصنف ابن ابی شیبه رقم الحدیث:۲۰۴۹،فی الفطرة ما یعد فیها
(۳) بخاری رقم الحدیث:۵۸۸۹،باب قص الشارب
(۴) مسند بزار رقم الحدیث:۸۵۶۳،عن ابی هریره رضی الله عنه
(۵) مسند احمد رقم الحدیث:۲۳۴۸۰،حدیث رجل من بنی غفار

شرعی حیثیت

اسی تاکید واہمیت کے پیشِ نظر فقہاء بالاتفاق زیر ناف بال کے مونڈنے کو سنت قرار دیتے ہیں۔(۱)

حکمت

بلوغ کے قریب عموماً زیر ناف بال نکل آتے ہیں، جو گھنے بھی ہوتے ہیں، پسینہ کے اخراج سے آلودہ بھی ہوتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی جڑوں میں میل کچیل جمع ہوکر گندگی اور بو پیدا ہونے لگتی ہے(۲) اور اسلام چونکہ طہارت ونظافت والا مذہب ہے اس لئے اس نے اس کی صفائی پر خاص توجہ دی ہے۔

حلق عانہ کا مفہوم

احادیث میں ''حلق عانہ'' کا حکم ہے، حلق کے معنی مونڈنے کے ہیں، اور عانہ کہتے ہیں: مرد وعورت کے آگے کی شرمگاہوں اور ان کے اردگرد اگنے والے بالوں کو، علامہ نووی رحمہ اللہ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اسی کو مشہور قول قرار دیا ہے(۳) البتہ کتاب الودائع جو ابوالعباس ابن سریج کی طرف منسوب ہے، اس میں یہ لکھا ہے کہ عانہ اس بال کو کہا جاتا ہے جو پچھلی شرمگاہ کے اردگرد اگے ہوئے ہوں، لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ کتاب مذکور کی نسبت ابوالعباس بن سریج کی طرف صحیح نہیں ہے، اور اگر ان کا یہ قول ہو بھی تو غیر معروف ہے(۴) جو لائق اعتبار نہیں، مگر محققین کا فیصلہ ہے کہ حتی الامکان دونوں شرمگاہ اور ان کے اردگرد اگے ہوئے بالوں کو صاف کیا جائے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''فیحصل من مجموع هذا استحباب حلق جميع ما

(۱) موسوعہ فقہیہ ۲۱۶/۳، استحداد
(۲) تفسیر خازن ۷۶/۱، سورۃ البقرۃ: ۱۲۲ تا ۱۲۴
(۳) المجموع ۲۸۹/۱، باب السواك، مرقاة ۲۸۱۴/۷، باب الترجل
(۴) المجموع ۲۸۹/۱، باب السواك

علی القبل والدبر وحولهما" (۱)

''مذکورہ دونوں اقوال کے مجموعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آگے اور پیچھے کی شرمگاہوں اور انکے اردگرد اگنے والے بالوں کا مونڈنا مستحب ہے''

علامہ زبیدی رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے(۲) اس لئے صفائی کے وقت اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

بال صاف کرنے کا بہتر طریقہ

حلق عانہ سے مقصود تو صرف یہ ہے کہ وہاں کے اگے ہوئے بال کو صاف کردیا جائے ،خواہ مونڈنے کے ذریعہ ہو یا کسی اور طریقے سے ہو، چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وبأی شئ أزاله صاحبه فلا بأس به لأن المقصود إزالته"(۳)

''زیرناف بال جس چیز سے صاف کرنا چاہے اس کی گنجائش ہے، کیونکہ مقصد تو محض بالوں کی صفائی ہے''

لیکن صاف کرتے وقت افضل یہ ہے کہ اسے استرہ یا بلیڈ وغیرہ سے مونڈا جائے ؛ کیونکہ احادیث میں یا تو حلق (مونڈنا) یا پھر استحداد (لوہا کا استعمال کرنا) مذکور ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے مونڈا جائے ، چنانچہ علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

"الحلق أفضل لموافقة الخبر"(۴)

''مونڈنا افضل ہے، کیونکہ یہ حدیث کے مطابق ہے''

---

(۱) فتح الباری ۳۴۳/۱۰،باب قص الشارب

(۲) اتحاف السادة المتقین ۴۰۹/۲،باب خصال الفطرة

(۳) المغنی ۶۴/۱،فصل حلق العانة

(۴) حوالہ سابق

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی حلق ہی کو سنت قرار دیا ہے (۱) اور طبی نقطۂ نظر سے زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے لوہے کی بنی ہوئی چیز مثلاً بلیڈ وغیرہ کو استعمال کرنا مقوی باہ ہے (۲) اگر کوئی حلق (مونڈنے) کے بجائے کسی اور طریقے سے وہاں کے بالوں کی صفائی کرلے تو طریقۂ سُنت کے خلاف ہوگا۔ (۳)

بال صاف کرنے کیلئے نورہ کا استعمال

زیر ناف بال دور کرنے کے لئے نورہ (ہڑتال) کا استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس سے بال بسہولت نکل جاتے ہیں، روایتوں میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی نورہ (ہڑتال) کا استعمال فرمایا ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے:

"وقد ثبت أنه عليه الصلوة والسلام استعمل النورة" (۴)

نبی کریم ﷺ سے نورہ (ہڑتال) کا استعمال کرنا ثابت ہے،

اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فتاوی ہندیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"ولو عالج بالنورة يجوز" (۵)

''نورہ (ہڑتال) کو استعمال کرنا بھی جائز ہے''

نورہ (ہڑتال) ہی کے حکم میں وہ پاؤڈر اور صابن بھی ہے جو آج کل بالوں کو صاف کرنے کے واسطے بازاروں میں دستیاب ہیں، ان کو بھی اگر کوئی زیر ناف بال دور کرنے کے لئے استعمال کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

صفائی کی غرض سے بال اکھاڑنا اور کترنا

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مقصود اس مقام پر موجود بالوں کی صفائی ہے، کترنے سے چونکہ پورے طور پر بال صاف نہیں ہوتے، کچھ نہ کچھ رہ جاتے ہیں، اس لئے کترنے سے

(۱) فتح الملهم ۳۱۱/۱ ،باب خصال الفطرة
(۲) کلیات نفیسی ص:۴۱۹ بحوالہ ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں :ص:۳۹، زیر ناف مونڈنا
(۳) مرقاة ۲۸۱/۷،باب الترجل
(۴) مرقاة ۳۹۷/۱،باب السواك
(۵) شامی ۴۰۷/۶،مسائل شتی ، فصل فی البيع

پورے طور پر سنت ادا نہ ہوگی، چنانچہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لو أزالها بالمقص مثلا لایکون آتیا بالسنة علی وجه الکمال"(۱)

"اگر زیر ناف بال کو قینچی سے کترا جائے تو مکمل طور سے سنت ادا نہ ہوگی"

امام احمد رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ زیر ناف بال کو اگر کوئی قینچی سے کترے، جبکہ اس سے بال پورے طور پر صاف نہیں ہوتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے، تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أرجو أن یجزی"(۲)

"میرا خیال ہے کہ کافی ہوجائیگا (اگرچہ مکمل طور پر سنت ادا نہ ہوگی)"

اور جب انہی سے اس بال کے جڑ سے اکھاڑنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے بڑے تعجب کے ساتھ دریافت کیا:

"وهل یقوی علی هذا أحد؟" (۳)

"بھلا اسکی کوئی ہمت کرسکتا ہے؟"

یعنی جواز وعدم جواز کی بات تو الگ رہی، کوئی شخص اس جگہ کے سخت بال کو اکھاڑ بھی سکتا ہے، ایسا عموماً ہوتا نہیں ہے، لیکن اگر کوئی ہمت کر کے اکھاڑنا بھی چاہے تو اس کے حق میں یہ بہتر نہیں ہے۔(۴)

عورت کیسے صاف کرے؟

البتہ عورتوں کے لئے وہاں کے بالوں کو اکھاڑ کر صاف کر دینا بہتر ہے، کیونکہ اس

---

(۱) مرقاۃ ۳۹۷/۱، باب السواك

(۲) فتح الباری ۳۴۳/۱۰، باب قص الشارب

(۳) حوالہ سابق

(۴) طحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۵۲۷، قبیل باب الجمعة

سے محل نرم رہتا ہے، جو عورت میں مطلوب ہے، البتہ اگر درد وغیرہ کا احتمال ہو تو پھر نورہ، صابن اور پاؤڈر وغیرہ سے صاف کرنے کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ اس سے بھی جگہ نرم رہتی ہے(۱) علامہ شامی رحمہ اللہ نے الاشباہ والنظائر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عورت اپنے زیر ناف بال کو اکھاڑ لیا کرے، یہی اس کے حق میں سنت ہے۔(۲)

حدیث میں صرف حلق واستحداد کا ذکر کیوں؟

سطور بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زیر ناف بال صاف کرنے میں اصل مقصد بالوں کی صفائی ہے، خواہ جس طرح سے بھی ہو، حلق (مونڈنا) ہی ضروری نہیں ہے، تو یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حدیث پاک میں ''حلق'' و''استحداد'' ہی کا ذکر کیوں ہے؟ اس سے تو بظاہر مونڈ کر صاف کرنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وذکر الحلق غالبی والمطلوب الإزالة'' (۳)

''زیر ناف بال میں مطلوب تو صفائی ہے، اور احادیث میں جو حلق کا ذکر ہے وہ عام معمول کے لحاظ سے ہے''

یعنی عام طور پر چونکہ زیر ناف بال کا حلق (مونڈا) ہی کیا جاتا ہے، اس لئے احادیث میں حلق (مونڈنے) کا ذکر ہے ورنہ یہ لازم نہیں ہے کہ حلق ہی کیا جائے، یہی جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی دیا ہے۔(۴)

ان بالوں کی صفائی کی ابتداء کہاں سے کرے؟

یہ بات تو ثابت ہوچکی ہے کہ اگلی اور پچھلی شرمگاہ اور اس کے ارد گرد کے بال کو ''عانہ'' کہا جاتا ہے، اور اس کا صاف کرنا شرعاً مطلوب ہے، لیکن یہ تعیین نہ ہوسکی کہ آگے والی

---

(۱) ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں ص:۵۴

(۲) شامی ۶/۴۰۷، مسائل شتی ، فصل فی البیع

(۳) فیض القدیر ۳/۴۵۵ ، حرف الخاء

(۴) فتح الباری ۱۰/۳۴۳، باب قص الشارب

شرمگاہ کے بال مونڈنے کی ابتداء کہاں سے کی جائے گی، ناف کے متصلاً نیچے یا پیڑو کی ہڈی سے، احتمال دونوں کا ہے، لیکن بعض قرائن کی بناء پر مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے زیرناف بال مونڈنے کی ابتداء پیڑو کی ہڈی سے کرنے کو ترجیح دی ہے، چنانچہ وہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

عانہ کی حد مثانہ سے نیچے پیڑو کی ہڈی سے شروع ہوتی ہے، جس پر دلائل ذیل ہیں:

(۱) شرمگاہ جس حصہ میں ہے اس کی ہڈی یہاں ختم ہوتی ہے۔

(۲) مخصوص نوعیت کے گھنے بالوں کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔

(۳) ستر کے بیان میں ''الخط المار بالسرۃ المحیط بجوانب البدن'' سے عانہ تک ایک عضو شمار کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عانہ اور سرہ کے درمیان ایک عضو فاصل ہے، اور سرہ سے پیڑو کی ہڈی تک ایک ہی نوعیت ہے، لہذا یہ عضو فاصل پیڑو کی ہڈی تک ہے، اور ہڈی سے عانہ شروع ہوتا ہے۔

(۴) فقہ کی کسی کتاب میں نظر سے گذرا ہے کہ خط تحت السرۃ سے نیچے عانہ ہے، اس وقت تلاش کرانے پر یہ جزئیہ نہیں ملا، ممکن ہے کہ بیان ستر کے تحت **الخط المار بالسرۃ** سے اشتباہ ہوا ہو، بہرکیف پیڑو کی ہڈی کے شروع میں بھی ایک خط ہے جو عانہ کی حد ہے، شامیہ کی آئندہ عبارت **الشعر القریب الخ** سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عانہ کی ابتداء سرۃ سے متصل نہیں ہے، سو پیڑو کی ہڈی کی ابتداء سے لیکر اعضاء ثلثہ، ان کے حوالی ان کی محاذات میں رانوں کا وہ حصہ جس کے تلوث کا خطرہ ہے، اور دبر کے بال صاف کرنا واجب ہے، دبر کے بالوں کی صفائی کو طحطاوی رحمہ اللہ نے مستحب لکھا ہے، مگر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے اس کا حکم بھی

عانہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ موکد قرار دیا ہے،

"قال الطحطاوی رحمه الله العانة هی الشعر الذی فوق الذکر وحواليه وحوالی فرجها ويستحب إزالة شعر الدبر خوفا من أن يعلق به شئ من النجاسة الخارجة فلا يتمكن من إزالته بالاستجمار "(طحطاوی علی المراقی ۲۸۷)

امام طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عانہ وہ بال ہے جو مرد وعورت کی اگلی شرمگاہ اور اس کے اردگرد ہو، اور پچھلی شرمگاہ کے بال کا صاف کرنا مستحب ہے، کیونکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں نجاست ان سے الجھ کر نہ رہ جائے، اور کلوخ سے اس کا ازالہ نہ ہو سکے۔

"وقال ابن عابدين رحمه الله فی فصل الإحرام والعانة الشعر القريب من فرج الرجل والمرأة ومثلها شعر الدبر بل هو أولی بالإزالة لئلا يتعلق به شیء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر " ردالمحتار ۴۸۱/۲)(۱)

"(اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ "فصل فی الاحرام" میں فرماتے ہیں کہ عانہ وہ بال ہے جو مرد وعورت کی اگلی شرمگاہ کے قریب قریب ہو اور پچھلی شرمگاہ کے بال بھی عانہ ہی کے حکم میں ہے، بلکہ اس کا صاف کرنا تو اور موکد ہے، تاکہ کلوخ کے وقت وہاں کی نجاست بالوں میں الجھ کر نہ رہ جائے)"

حالت جنابت میں بالوں کی صفائی

جنابت کی حالت میں ناف کے نیچے کا بال کاٹنا ممنوع ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(۱) احسن الفتاوی ۷۸/۸، بالوں کے احکام

"ویجب أن یعلم أنه لا یقطع شیئا من شعر وهو جنب " (۱)

یہ بات علم میں رہنی چاہئے کہ جنابت کی حالت میں کسی جگہ کے بال صاف نہیں کرنے چاہئیں،

بال خود صاف کرے

زیر ناف بال خود مونڈنا چاہئے، کسی اجنبی سے مونڈوانا حرام وناجائز ہے، کیونکہ دوسروں کے سامنے شرمگاہ کا کھولنا اوراس کا چھونا لازم آئے گا، اور یہ دونوں شرعا درست نہیں ہیں، ہاں اگر بیوی سے یہ کام لے تو حرام تو نہ ہوگا؛ لیکن کراہت سے پھر بھی خالی نہ ہوگا، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ویحلق عانته بنفسه ویحرم أن یولیها غیره إلازوجته أوجاریة التی تستبیح النظر إلی عورته ومسها فیجوز مع الکراهة" (۲)

''زیر ناف بال خود مونڈے، دوسروں سے منڈوانا حرام ہے، ہاں اگر بیوی اور باندی جن کیلئے اپنے شوہر وآقا کی شرمگاہ کا دیکھنا اورچھونا جائز ہے، مونڈے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے''

بال کب صاف کئے جائیں؟

ناف کے نیچے کے بال کی صفائی میں بھی اصل یہ ہے کہ جب وہ بڑے ہوجائیں تو اسے صاف کرلینا چاہئے، اس سلسلے میں کم سے کم وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ البتہ ہفتہ میں ایک بار اسے صاف کرلینا مستحب ہے، اور افضل جمعہ کا دن ہے (۳) پندرہ بیس روز میں ایک بار صفائی کرے تو وہ بھی جائز ہے (۴) لیکن چالیس دن سے زائد ہوجانے کے باوجود اگر کوئی صفائی نہ کرے تو وہ شخص مکروہ تحریمی کا مرتکب ہوگا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں :

(۱) مرقاۃ ۲۸۱۴/۷، باب الترجل
(۲) المجموع ۲۸۹/۱، باب السواك
(۳) شامی ۴۰۷/۶، مسائل شتی ، فصل فی البیع
(۴) مرقاۃ ۲۸۱۴/۷، باب الترجل

”وقت لنا فی قص الشارب وتقلیم الأظفار ونتف الإبط وحلق العانة أن لانترک أکثر من أربعین لیلة“ (۱)

”رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے مونچھیں تراشنے، ناخن کٹانے، بغل کے بال صاف کرنے، اور زیر ناف بال مونڈنے کیلئے وقت کی تحدید فرمادی ہے کہ ہم انھیں چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں“

مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ چالیس روز تک ان سب کو چھوڑے رکھنے کی گنجائش ہے، اس کے بعد گنجائش نہیں ہے (۲) بلکہ مکروہ تحریمی ہے (۳) اوراس کی وجہ سے اس شخص کی نماز بھی مکروہ ہوگی، قنیہ میں ہے: **”فان ترک الی أربعین یوما فصلاته مکروهة“** اگر چالیس دن تک چھوڑے رکھا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔ (۴)

بال کو دفن کردے

زیرناف بال کا کسی دوسرے کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اس لئے غسل خانہ وغیرہ میں اس طرح نہ چھوڑے کہ اس پر دوسروں کی نگاہ پڑے (۵) ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ جزء آدمی ہے جو لائق احترام ہے، اس لئے اس کے احترام کے پیش نظر دفن کردینا ہی مناسب ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی دفن کرنے کا تھا، نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بال وناخن کو دفن کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت مِمل بنت مشرح الاشعریہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب کو ناخن کاٹنے کے بعد اسے دفن کرتے ہوئے دیکھا، اورانہوں نے یہ بھی فرمایا کہ نبی کریم ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے، اسی وجہ سے اس مسئلہ میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں ہے۔ (۶)

---

(۱) مسلم رقم الحدیث:۲۵۸، باب خصال الفطرة

(۲) مرقاة ۲۸۱۶/۷، باب الترجل

(۳) شامی ۴۰۷/۶، مسائل شتی، فصل فی البیع

(۴) امالی شیخ انورشاہ قدس سرہ بحوالہ ڈاڑھی اورانبیاء کی سنتیں،ص:۴۱-۴۲، زیر ناف مونڈنا

(۵) شامی ۴۰۶/۶، مسائل شتی، فصل فی البیع

(۶) موسوعہ فقہیہ ۲۱۸/۳، استحداد

تیسرا باب

زیب وزینت

اسلام میں زیب وزینت بھی مطلوب ہے، حدیث میں اللہ تعالی کے اسماء حسنی میں سے ایک نام ''جمیل'' بھی ہے:

"إن الله جميل يحب الجمال"(۱)

''اللہ تعالی سراپا جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں''

اس حدیث سے جمال وزینت کے اختیار کرنے کا نہ صرف جواز بلکہ اس کی ترغیب بھی معلوم ہوتی ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب اللہ تعالی کسی بندہ کو نعمتوں سے نوازتا ہے تو اس کے اوپر نعمت کے ظاہری آثار کو بھی دیکھنا چاہتا ہے''(۲)

ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نعمتوں پر شکر ادا کرنا اور دل سے ان کی قدر کرنا باطنی جمال ہے، اور عمدہ کپڑے پہننا ظاہری جمال میں داخل ہے(۳) اور اسلام میں جمال کی یہ دونوں قسمیں مطلوب ہیں، علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اور قیمتی لباس پہننا صاحب حیثیت کے لئے بہتر اور پسندیدہ ہے(۴) نبی کریم ﷺ سے بھی ایک ہزار درہم کی چادر کا استعمال کرنا ثابت ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ چارسو دینار کی چادر استعمال فرماتے تھے، اور اپنے دوست واحباب کو بھی اس جیسی قیمتی چادر استعمال کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر خوارج (ایک فرقہ) کے پاس بھیجنے لگے تا کہ ان کے شکوک وشبہات کو

(۱) مسلم رقم الحديث:۹۱، باب تحريم الكبر
(۲) المعجم الكبير للطبراني رقم الحديث:۲۸۱،فضيل بن فضالة عن أبي رجاء الخ
(۳) الفوائد ۱/۱۸۴،فصل وقوله الى الحديث ان الله جميل الخ
(۴) روح المعاني :۴/۳۵۱،الأعراف :۳۲

دور کرسکیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نہایت عمدہ لباس زیب تن کیا، اچھی قسم کی خوشبو لگائی، اور بہترین سواری پر سوار ہو کر ان کے یہاں پہونچے، ان لوگوں نے اپنی فطرت کے مطابق جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی موجودہ حالت پر اعتراض کیا تو انہوں نے آیت ذیل کی تلاوت فرمائی:

"قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده" (۱)

"آپ فرمائیے کہ اللہ تعالی کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے...... کس شخص نے حرام کیا ہے؟"

(ترجمہ حکیم الامت)

مطلب یہ ہے کہ جن امور کی حرمت شرعاً ثابت نہ ہو، اور وہ جمال وزینت کے قبیل سے ہوں، تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور نہ اس پر کوئی پابندی ہے، البتہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان امور کے برتنے میں ریا، شہرت اور تکبر پیش نظر نہ ہو، ورنہ ان امور کی وجہ سے ان کا استعمال کرنا شرعاً ممنوع ہوگا، اور جو وعیدیں ریا، شہرت اور تکبر کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان سب کا وہ شخص مستحق ہوگا (۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو عمدہ اور قیمتی لباس پہننے کا اہتمام فرماتے تھے، جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا! یہ خدا کے دربار میں حاضری کا وقت ہے، خدائے تعالی اور اس کے دربار (مسجد) کی عظمت کا تقاضا ہے کہ زیب وزینت والے لباس کو پہن کر حاضر ہوا جائے (۳) پھر فرمایا کہ خود باری تعالی کا ارشاد ہے:

"خذوا زينتكم عند كل مسجد" (۴)

"تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو" (ترجمہ حکیم الامت)

---

(۱) الأعراف :۳۲
(۲) روح المعانی :۳۵۱/۴، الأعراف :۳۲
(۳) حوالہ سابق
(۴) الأعراف :۳۱

اس آیت کے ذیل میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ’’ نماز کے وقت تجمل اورزیب وزینت کا اختیار کرنا شرعاً مسنون ہے‘‘(۱) یہی وجہ ہے کہ بلا وجہ کھلے سر، کھلی کہنی اورکرتے کے بغیر صرف بنیان پہن کرنماز پڑھنے کوفقہاء مکروہ قرار دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ زینت صرف اچھا اور قیمتی لباس پہننے ہی میں منحصر نہیں ہے، بلکہ سرمہ لگانا، سفید بالوں میں خضاب کرنا، جمعہ وعیدین میں اچھے کپڑے پہننے کے ساتھ خوشبو اور تیل لگانا، اسی طرح ڈاڑھی اور سر کے بال کو درست کرنے کے لئے کنگھا کرنا بھی زینت میں داخل ہے، اور شرعاً پسندیدہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ ﷺ کی زیارت کے لئے باہر منتظر تھی، آپ ﷺ ان حضرات کوشرف زیارت بخشنے سے پہلے دروازے پر موجود پیالے کے پانی کی مدد سے اپنے سر کے بال اور ڈاڑھی مبارک کو درست فرمانے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! آپ تو خود بڑے حسین وجمیل ہیں، اور لوگ بھی آپ کو ایسا ہی سمجھتے ہیں، پھر بالوں کی درستگی اور ان میں کنگھا کرنے پر اتنی توجہ کیوں دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’إذا خرج الرجل إلى إخوانه فليهئى من نفسه فإن الله يحب الجمال‘‘ (۲)

’’جب کوئی آدمی اپنے بھائیوں سے ملنے جائے تو اپنی شکل وصورت کو درست کرلیا کرے، کیونکہ اللہ تعالی جمال کو پسند کرتے ہیں‘‘

یعنی کسی وفد سے ملاقات کرنی ہو، یا کسی مجلس میں بغرض شرکت جانے کا ارادہ ہوتو اچھی ہیئت کے ساتھ وہاں جانا چاہئے، تاکہ لوگ انس محسوس کریں، اور بدحالی کو دیکھ کر کبیدگی اور رنج میں مبتلا نہ ہوں، زینت ہی کے قبیل سے یہ بھی ہے کہ زائد اعضاء یا زائد انگلی کو جسم سے جدا کردیا جائے، فقہاء اسے جائز قرار دیتے ہیں، گھر اور اس کے صحن کو صاف ستھرا رکھنا،

---

(۱) روح المعانی: ۳۴۸/۴، الأعراف: ۳۱

(۲) أدب الاملاء والاستملاء للسمعانی ص :۳۲ ،فصل فی ادب المملی ینبغی للمحدث الخ

اور اشیاء کو قرینہ اور ترتیب سے رکھنا، نیز گھر کو ریشمی کپڑے اور سونے چاندی کے برتنوں سے سجانا بھی زینت میں داخل ہے(۱) زیور پہننے کی غرض سے عورتوں کے ناک اور کان کا چھیدنا اور ان کا حالت احرام میں بھی ہر طرح کے کپڑے استعمال کرنا زینت ہی کے قبیل سے ہے، ان سب کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے، اسی کے ساتھ اسلام نے قابل زینت چیزوں کی خرید وفروخت کو بھی جائز قرار دیا ہے، دلہن کو سنوارنے اور انھیں آراستہ کرنے کیلئے کسی ماہر عورت کی خدمات بھی حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، سامان زینت کو عاریت کے طور پر لینا اور اسے استعمال کرنا بھی درست قرار دیا گیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے ایک سفر میں اپنی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ہار بطور عاریت لے کر استعمال فرمایا تھا۔

ان امور پر غور کرنے سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ اسلام نے زیب وزینت کے تعلق سے ایک جامع نظام پیش کیا ہے، اس کے جائز حدود کی نشاندہی فرما کر اسے اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے، اور بعض وہ امور جنہیں زینت کے قبیل سے عرف ومعاشرہ میں اگرچہ شمار کیا جاتا ہے لیکن اسلام انہیں پسند نہیں کرتا ہے تو ان کی بھی واضح طور پر نشاندہی کردی گئی ہے، تاکہ لوگ ان سے بچتے رہیں، زیب وزینت سے متعلق آیات واحادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء فرماتے ہیں کہ بعض حالات میں یہ واجب ومستحب ہوجاتی ہے، اور بعض حالات میں حرام ومکروہ قرار پاتی ہے، مثلاً جب کوئی مرد اپنی بیوی کو زیب وزینت اختیار کرنے کا حکم دے تو اس عورت پر اپنے شوہر کے لئے زیب وزینت اختیار کرنا واجب ہوجاتا ہے، اور جمعہ وعیدین میں اچھے کپڑے استعمال کرنا، خوشبو لگانا زینت کے قبیل سے ہے اور شرعاً مستحب ہے، اور کسی شخص کا زیب وزینت کی خاطر عورتوں کے رنگ اور اس کی ساخت کے مطابق لباس بنانا، یا خود عورت کا مرد جیسا لباس استعمال کرنا شرعاً حرام ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث میں خدا کی لعنت برسنے کی وعید آئی ہے، یا مرد کا بغرض زینت ریشمی کپڑے یا سونے کی انگوٹھی پہننا، یا کسی عورت کا اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے زینت اختیار کرنا، شوہر کے انتقال کے بعد چار ماہ دس دن کے اندر اندر اسباب زینت کو برتنا

(۱) الفتاوی الهندیة :۳۳۴/۵، الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة

اورمحرم کا خوشبو لگانا یہ سب زینت میں داخل ہیں،لیکن اسلام نے ان تمام صورتوں کوحرام قرار دیا ہے، اورمردوں کے لئے زعفرانی رنگ کا کپڑا اورمعصفر (یعنی عصفر میں رنگا ہوا کپڑا جوزرد رنگ کا ہوتا ہے)استعمال کرنا شرعاً مکروہ ہے،

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے زیب وزینت کے معاملہ میں اعتدال اورمیانہ روی کا راستہ اختیار کیا ہے،اس نے ایک طرف آرائش وزیبائش کے لئے غیر معمولی اور بے جا تکلف سے بھی منع کیا ہے، اور دوسری طرف ایک خاص حد میں اس کی اجازت بھی دی ہے،شریعت میں جائز امور زینت کی ایک لمبی فہرست ہے،جس کی تفصیل ایک رسالہ کی متقاضی ہے، اس لئے یہاں اس کی تفصیل میں جانے کے بجائے اتنا سمجھ لیا جائے کہ جائز امور زینت کے قبیل سے ڈاڑھی بڑھانا،مونچھیں کترنا اور مانگ نکالنا بھی ہیں، آئندہ صفحات میں اسی ترتیب سے ان کے احکام تین الگ الگ فصلوں کے تحت پیش کئے جارہے ہیں۔

پہلی فصل

ڈاڑھی بڑھانا

امور زینت میں سے ڈاڑھی بڑھانا (اعفاء لحیہ) بھی ہے (۱) یہ اسلام کے اہم شعائر میں سے ہے (۲) شرافت و بزرگی کی علامت ہے، چھوٹے اور بڑے میں وجہ امتیاز ہے، اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل ہوتی ہے (۳) یہ وقار و زینت کی چیز ہے، اور آسمان پر فرشتے:

"سبحان من زين الرجال باللحى "

پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی کے ذریعہ زینت بخشی،

کے ذریعہ خدا کی تسبیح بیان کرتے ہیں (۴) ڈاڑھی رکھنا تمام انبیاء کرام کی سنت مستمرہ رہی ہے، حضور ﷺ کا دائمی عمل تھا، آپ ﷺ نے اسے امور فطرت میں سے قرار دیا ہے، اور امت کو اس کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

احادیث میں ڈاڑھی کی تاکید

احادیث میں ڈاڑھی رکھنے کی بہت تاکید آئی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"أحفوا الشوارب وأعفو اللحى" (۵)

(۱) تکمله بحر:۳۷۷/۸،فصل فی بیان ما یلحق بدية النفس
(۲) امداد الفتاوی ۲۳۱/۴ بالوں کے حلق وقصر اور خضاب وغیرہ کے احکام
(۳) إحياء العلوم :۱۴۴/۱، النوع الثانی فيما يحدث فی البدن فی الاجزاء
(۴) تکمله بحر :۳۷۷/۸،فصل فی بیان ما یلحق بدية النفس
(۵) مسلم رقم الحدیث :۲۵۹،باب خصال الفطرة

''مونچھیں پست کرواور ڈاڑھی بڑھاؤ''

ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خالفوا المشركين أحفوا الشوارب وأوفوا اللحى'' (۱)

''مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں پست کرواور ڈاڑھی بڑھاؤ''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

''جزوا الشوارب وأرخوا اللحى خالفوا المجوس''(۲)

''مونچھیں کٹاؤ، ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو''

اسی حدیث کی سند میں ابن ماہان سے ''ارخو'' کے بجائے ''ارجو'' منقول ہے، اس کا معنی بھی یہی ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھنے دو، اس میں تراش خراش نہ کرو، چنانچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أنه وقع في رواية الأكثرين كما ذكرنا وأنه وقع عند ابن ماهان أرجوا بالجيم ...... ومعناه أتركوها ولا تتعرضوا لها بتغيير'' (۳)

''اکثر راوی نے ''أرخوا اللحى'' (ڈاڑھی بڑھاؤ) ہی ذکر کیا ہے، لیکن ابن ماہان نامی راوی سے ''أرجو اللحى'' منقول ہے، اور اس کا معنی بھی یہی ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھنے دو، اس میں تراش خراش نہ کرو''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

''خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب''(۴)

---

(۱) مسلم رقم الحديث :۲۵۹،باب خصال الفطرة

(۲) مسلم رقم الحديث ۲۶۰،باب خصال الفطرة

(۳) نووی مع مسلم ۱۵۱/۳،باب الاستطابة

(۴) بخاری رقم الحديث :۵۸۹۲، باب تقليم الأظفار

''مشرکین کی مخالفت کرو، ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو''

ایک مرتبہ ایک مجوسی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا، جس نے ڈاڑھی منڈا رکھی تھی، اور مونچھیں بڑھائے ہوا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا: یہ کیا بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا میرے دین میں یہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دین میں تو یہ ہے کہ مونچھیں کٹواؤں اور ڈاڑھی بڑھاؤں (۱) ایک مرتبہ کسری کے دو قاصد ڈاڑھی منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ ان کی یہ صورت دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے، پوچھا ایسی صورت بنانے کا تم لوگوں کو کس نے حکم دیا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہمارے رب کسریٰ نے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''ولکن ربی أمرنی بإعفاء لحیتی وقص شاربی'' (۲)

''لیکن میرے رب نے تو مجھے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم دیا ہے''

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ میرے بعد تیری زندگی دراز ہو، تم لوگوں کو یہ بتا دینا کہ جو شخص اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائے یا ڈاڑھی چڑھائے، یا گلے میں تانت کا ہار ڈالے، یا گوبر و ہڈی سے استنجاء کرے تو محمد (ﷺ) اس سے بری ہیں (۳) ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ قوم لوط کی بستی جن اسباب کی وجہ سے الٹی گئی تھی، پھر ان پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی، ان میں سے ایک سبب ان کا ڈاڑھی منڈانا بھی تھا۔ (۴)

ڈاڑھی کے متعلق احادیث میں واردشدہ الفاظ

احادیث میں ڈاڑھی رکھنے کے متعلق پانچ مختلف الفاظ مذکور ہیں، اعفوا، اوفوا، ارخوا،

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۵۵۰۲،مایؤمر به الرجل من اعفاء اللحية الخ
(۲) السيرة النبوية لابن كثير:۵۰۹/۳،ذکر بعثه الى كسرى ملك الفرس
(۳) ابوداؤد رقم الحديث :۳۶،باب ماينهى عنه ان يستنجى به
(۴) تاريخ دمشق لابن عساكر :۳۲۲/۵۰،ترجمه لوط بن هاران الخ

ارجو، اور وفروا، یہ پانچوں الفاظ اگرچہ اپنے اپنے مادۂ اشتقاق کے لحاظ سے مختلف ہیں؛ لیکن سب کے معانی قریب قریب ایک ہی ہیں کہ ڈاڑھی کو بڑھاؤ اور اس میں تراش خراش نہ کیا کرو، چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقد حصل من مجموع الأحاديث خمس روايات أعفوا وأوفوا وأرخوا وأرجو ووفروا ومعناها كلها تركها على حالها"(۱)

''احادیث کی روشنی میں ڈاڑھی کے متعلق منقول الفاظ پانچ ہیں، أعفوا، أأوفوا، رخوا، ارجو، اوروفروا، لیکن سب کا مفہوم یہی ہے کہ اسے اپنی حالت پر چھوڑ دو (تراش خراش نہ کرو)''

البتہ طبرانی کی روایت میں ان پانچ الفاظ کے علاوہ ایک چھٹا لفظ ''دعوا'' بھی وارد ہوا ہے، جس کے معنی ہیں ''چھوڑ دو'' (۲) اب کل الفاظ چھ ہوگئے، اور سب کا حاصل بس یہی ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھنے دیا جائے، کاٹا نہ جائے۔

حضور ﷺ کی ڈاڑھی

حضور ﷺ کی ڈاڑھی گھنی اور اتنی گنجان تھی کہ اس نے سینۂ مبارک کے بالائی حصہ کو طول وعرض میں بھرلیا تھا، یہی بات حضرت عمر، عبداللہ بن مسعود اور ام معبد رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی منقول ہے (۳) روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ وضو کرتے وقت ڈاڑھی کا خلال کرتے تھے (۴) یہ تو آپ ﷺ کی ڈاڑھی کی کیفیت تھی، لیکن وہ کتنی لمبی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابومعمر رحمہ اللہ نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت فرماتے تھے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ قرأت

(۱) نیل الاوطار ۱/۱۴۹، باب اخذ الشارب واعفاء اللحية
(۲) المعجم الكبير للطبراني رقم الحديث:۱۳۴۷۶، مجاهد عن ابن عمر رضی اللہ عنہ
(۳) شرح الشفاء لملا علی القاری :۱/۶۰، الباب الثانی فی تکمیل الله تعالی له المحاسن خلقا ، الشمائل الشريفه للسيوطی :۱/۳۸، ۴۴، باب كان وهی الشمائل الشريفه
(۴) ترمذی رقم الحديث:۲۹، باب ما جاء فی تخليل اللحية

فرماتے تھے، پھر انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ قرأت فرما رہے ہیں، جبکہ ان دونوں نماز میں سراً (آہستہ) قرأت کی جاتی ہے؟ اس پر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم آپ ﷺ کی ریش مبارک کے ہلنے سے سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ قرأت فرمارہے ہیں'' (۱)

اور یہ ظاہر ہے کہ قرأت کرنے کے دوران وہی ڈاڑھی ہلے گی جو کافی لمبی ہو، ڈاڑھی اگر خشخشی ہو یا معمولی لمبی ہو، تو اس کی حرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، نیز وضو کے دوران ڈاڑھی کا خلال کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھی لمبی تھی، جس میں خلال کیا جاتا تھا،

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ڈاڑھی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی بہت گھنی تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی اگرچہ گھنی نہیں تھی لیکن دراز تھی (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی اتنی چوڑی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دونوں شانوں کے درمیان کی جگہ بھر رکھی تھی (۳) اس کے علاوہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ وضو کرتے وقت اپنی اپنی ڈاڑھی کا خلال کیا کرتے تھے (۴) اس سے ان حضرات کی ڈاڑھی کا بھی قابل لحاظ حد تک لمبی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اسلاف میں ڈاڑھی کی قدر و قیمت

حضرت احنف بن قیس اور قاضی شریح اطلس (پیدائشی طور پر ڈاڑھی نہ ہونا) تھے، انھیں خلقی طور پر ڈاڑھی نہیں تھی، جس کا انھیں بہت صدمہ تھا، انھیں بڑی خواہش تھی کہ کاش

---

(۱) بخاری رقم الحدیث :۷۶۰،باب القرأة فی الظهر

(۲) شمس الضحی ص۱۱ بحوالہ ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں ۲۱، ڈاڑہی کتنی رکھنا مسنون ہے؟

(۳) التمهيد لما فی المؤطا من المعانی والاسانيد:۲۱/۸۴،باب السين ، الحديث الرابع

(۴) سعايه:۱/۱۲۶، وتخليل اللحية

مجھے بھی ڈاڑھی ہوتی، ایک مرتبہ بڑے متاسفانہ لہجہ میں قاضی شریح رحمہ اللہ نے فرمایا:

”وددت أن لی لحیة ولو بعشرة آلاف“(١)

”مجھے تمنا ہے کہ مجھے ڈاڑھی ہوجاتی، اگر چہ اس کے لئے دس ہزار کی موٹی رقم صرف کرنی پڑتی“

اور احنف بن قیس کی خواہش وصدمہ کا اندازہ لگا کر ان کے مزاج شناس شاگرد بول پڑے:

”وددنا أن نشتری للأحنف لحیة ولو بعشرین ألفا“ (٢)

”اگر بیس ہزار میں بھی ڈاڑھی ملتی تو ہم اپنے استاد احنف کے لئے ضرور خرید لیتے (مگر افسوس کہ خلقی چیز خریدی نہیں جاسکتی)“

ڈاڑھی رکھنے کی حکمت

اسلام ایک مستقل دین اور مستقل تہذیب ہے، اس نے اپنے ماننے والوں کو مخصوص نظام حیات عطا کیا ہے، جس میں ان کے رہن سہن، چال ڈھال، شکل وصورت، رنگ ڈھنگ اور طور وطریق غرض ساری چیزوں کو دوسرے اقوام سے ممتاز رکھا گیا ہے، اسلام کا اپنے ماننے والوں سے مطالبہ ہے کہ وہ اسلام کی مکمل تصویر بنیں، بلکہ ان کا وجود ہی اسلام کا ترجمان ہو، وہ پوری طرح دین میں رنگا ہوا ہو اور دنیا کی دوسری قوموں سے مشابہت اختیار نہ کرتا ہو، تاکہ اس کی شناخت واضح رہے، بہرحال اسی غرض سے مسلمانوں کو جس طرح ہر شعبہ زندگی میں دیگر اقوام کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے، خاص ڈاڑھی کے مسئلہ میں بھی روکا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

”أرخوا اللحی خالفوا المجوس“(٣)

”ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو“

---

(١) احیاء العلوم ١٤٤/١، القسم الثالث

(٢) حوالہ سابق

(٣) مسلم رقم الحدیث:٢٦٠، باب خصال الفطرة

۱۔ غرض ڈاڑھی رکھنے میں دوسری اقوام سے امتیاز اور مجوس ومشرکین کی مخالفت ہے جوشرعاً مطلوب ہے۔(۱)

۲۔ ڈاڑھی رکھنے سے عورتوں کے ساتھ مشابہت نہیں رہتی ہے،شریعت نے عورتوں سے مشابہت کوحرام قرار دیا ہے،تا کہ ہرنوع کے نوعی اقتضاءات دوسری نوع سے ممتاز رہیں، اور ایک دوسرے سے مل کر گڈ مڈ نہ ہوجائیں، اسی حکمت کی بناء پر آپ ﷺ نے نوعی مشابہت ختم کرنے والوں پرلعنت فرمائی ہے،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"لعن رسول الله ﷺ المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال "(۲)

''اللہ تعالی نے ان مردوں پرلعنت فرمائی ہے جوعورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کرتی ہے''

۳۔ اسلام میں اللہ اوراس کے رسول ﷺ کوایذا دینااورانھیں ناراض کرنا حرام ہے(۳) یہ دنیاوآخرت دونوں میں انسان کی محرومی کی بات ہوگی کہ اس کے کسی فعل سے اللہ یا اس کا رسول ناراض ہوجائے، ایک حدیث میں ہے کہ کسری (شاہ ایران) نے یمن کے گورنر باذان (جواس کا ماتحت تھا) کےتوسط سے دوقاصد آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا،تا کہ یہ دونوں نبی کریم ﷺ کونعوذ باللہ گرفتار کر کے کسری کے دربار میں بھیج دیں، جب یہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں پہونچے تو ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، ان کے چہروں پرنظر ڈال کر آپ ﷺ کوسخت تکلیف ہوئی، آپ ﷺ نے سب سے پہلا سوال ان دونوں سے یہ کیا کہ ایسی صورت تم نے کیوں بنالی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے دین میں یہی ہے،آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:

---

(۱) بخاری رقم الحدیث:۵۸۹۲، تقلیم الأظفار

(۲) بخاری رقم الحدیث:۵۸۸۵،باب المتشبهون بالنساء

(۳) الأحزاب:۵۷

"فی دیننا أن نجز الشارب وأن نعفی اللحیة "(۱)
''لیکن ہمارے مذہب میں مونچھیں پست کرنا، اور ڈاڑھی بڑھانا ہے''

بڑی عبرت کا مقام ہے کہ غیر مسلم سفیروں کے چہرہ پر ڈاڑھی نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کو غیر معمولی تکلیف ہوئی، جس کا اظہار آپ ﷺ نے ان کے سامنے ہی اپنی زبان مبارک سے فرمادیا، اگر کوئی مسلمان اپنے چہرہ پر ڈاڑھی نہیں رکھتا ہے، اور بطور فیشن اپنی ڈاڑھی ترشواتا یا منڈواتا ہے تو اس سے آپ ﷺ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ ہر صاحب دل اس کا اندازہ لگا سکتا ہے!

۴۔ ڈاڑھی بڑھانے میں تجمّل وزیبائش بھی ہے (۲) جیسا کہ گذشتہ سطور میں بھی آچکا ہے، مگر اس کا ادراک کرنا سلیم الفطرت حضرات کا کام ہے، ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔

ڈاڑھی رکھنے کے طبی فوائد

طب یونانی میں تو یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ ڈاڑھی مرد کے لئے زینت کا باعث اور گردن اور سینہ کے لئے محافظ ہے (۳) لیکن خود طب جدید نے بھی ڈاڑھی رکھنے کے فوائد کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ ایک ڈاکٹر لکھتا ہے کہ لمبی ڈاڑھی مضر صحت جراثیم کو اپنے اندر الجھا کر حلق اور سینہ تک پہونچنے سے روک لیتی ہے (۴) ڈاکٹر ہومر لکھتے ہیں کہ نتھنوں اور منہ کے سامنے تھوڑے سے بالوں کی موجودگی ایک اچھی چھلنی کا کام دیتی ہے، اور مضرت رساں خاک، مٹی اور بہت سے جراثیم ناک یا منہ میں نہیں جانے پاتے، لمبی اور گھنی ڈاڑھی گلے کو سردی کے اثرات سے بچائے رکھتی ہے۔(۵)

(۱) مصنف ابن ابی شیبه رقم الحدیث:٢٥٥٠٢، ما یؤمر به الرجل من اعفاء اللحیة الخ
(۲) تکمله بحر ٣٧٧/٨، فصل فی بیان مایلحق بدیة النفس
(۳) ڈاڑھی کا وجوب، ص:٢٦
(۴) حوالہ سابق
(۵) حوالہ سابق، ص:٢٨

ڈاڑھی کی مقدار

اب تک ڈاڑھی کے متعلق جتنی احادیث پیش کی جاچکی ہیں، یا حضور ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور اسلاف کا عمل ذکر کیا گیا ہے، یا ڈاڑھی کی حکمت اور اس کے طبی فوائد بیان کئے گئے ہیں، ان سب سے صرف یہ معلوم ہوا کہ ڈاڑھی رکھنی چاہئے، اسے بڑھنے دینا چاہئے، اس لئے حضرات شوافع کا کہنا ہے کہ ڈاڑھی کو علی حالہ باقی رکھا جائے، اس میں کاٹ چھانٹ نہ کی جائے، خواہ ایک مشت سے زائد ہی کیوں نہ ہوجائے، یہی ان کے یہاں راجح اور پسندیدہ قول ہے، اور یہی ایک قول حنابلہ کا بھی ہے، مالکیہ کا مذہب مختار یہ ہے کہ جو ڈاڑھی حد سے زیادہ بڑھ جائے اس کو کم تو کیا جائے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک مشت سے زائد نہ رکھی جائے (۱) مگر ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض سے بالوں کو کترتے تھے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"کان یأخذ من لحیته من عرضها وطولها "(۲)

"نبی کریم ﷺ اپنی ڈاڑھی کے بالوں کو طول وعرض سے کاٹتے تھے"

اور اس کترنے کی تحدید شرح شرعۃ الاسلام میں مذکور اسی حدیث کے آخر میں ایک لفظ سے معلوم ہوتی ہے، حدیث اس طرح ہے:

"عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أنه ﷺ کان یأخذ من لحیته طولا وعرضا علی قدر القبضة "(۳)

"حضرت عمرو اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ڈاڑھی کے یکمشت ہوجانے کی صورت میں طول وعرض سے کترتے تھے"

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تصریح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) اوجزالمسالک ۶/۳۲۴، السنة فی الشعر

(۲) ترمذی رقم الحدیث :۲۷۶۲، باب ما جاء فی الأخذ من اللحیة

(۳) فتاوی رحیمیہ ۶/۲۴۳، کتاب الحظر والاباحة بحواله شرح شرعة الاسلام ۲۹۸

"روی الترمذی عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أنه ﷺ کان یأخذ من لحیته طولا وعرضا صاحب مفاتیح وغرائب درآخر این حدیث لفظ "إذا زاد علی قدر القبضة" نیز نقل کرده اند" (۱)

"امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے واسطے سے نقل کی ہے، اور جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ اپنی ڈاڑھی کو طول وعرض سے کترتے تھے، اسی حدیث کے آخر میں مفاتیح اور غرائب نامی کتابوں میں "اذا زاد علی قدر القبضة" بھی منقول ہے (جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی ڈاڑھی کے بال کو طول وعرض سے اس وقت لیا کرتے تھے جبکہ وہ یکمشت سے زائد ہو جاتی تھی)"

اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو نبی کریم ﷺ کے افعال کا مشاہدہ کرنے والے تھے، اور آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو اپنے معمولات میں داخل کرنا ان کی فطرت میں داخل تھا، ان کے طرز عمل سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی جب ایک مشت سے زائد ہو جائے تو اسے کترنا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، ان کے متعلق حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"أنه کان یاخذ مافوق القبضة" (۲)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کو کاٹ ڈالتے تھے"

امام محمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، وبه نأخذ وهو قول أبی حنیفة (۳) ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، اور اسی کے

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ ۶/۲۴۳، کتاب الحظر والاباحة بحوالہ الطرائف والظرائف

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۵۴۸۲، ما قالوا فی الأخذ من اللحیة

(۳) کتاب الآثار لامام محمد ص: ۱۹۸، باب حف الشعر من الوجه

قائل امام ابوحنیفہ بھی ہیں، بعض حضرات نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کو حج وعمرہ کے ساتھ خاص مانا ہے، اور یہ دعوی کیا ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یکمشت سے زائد ڈاڑھی کو کاٹنا ثابت نہیں ہے، لہٰذا ان مواقع پر تو اس کی گنجائش ہوگی، لیکن عام حالات میں یہ عمل درست نہ ہوگا، لیکن ابن حجر نے اس کا انکار کیا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل حج وعمرہ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، اس کے علاوہ بھی ان سے ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کا کاٹنا ثابت ہے (۱) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی بتاتا ہے کہ یکمشت سے زائد ڈاڑھی کو کاٹا جاسکتا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے:

''كان أبو هريرة رضی اللہ عنہ يقبض على لحيته ثم يأخذ ما فضل عن القبضة'' (۲)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مٹھی سے اپنی ڈاڑھی کو پکڑتے تھے، اور مٹھی سے زائد حصہ کو کاٹ ڈالتے تھے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے مٹھی سے زائد ڈاڑھی کو کاٹ دیا تھا (۳) تابعین کی ایک جماعت کا بھی اسی پر عمل تھا، حضرت شعبی رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ اسی کو بہتر سمجھتے تھے (۴) ان دلائل کے پیش نظر حضرات حنفیہ کے یہاں مستحب یہ ہے کہ ایک مشت سے ڈاڑھی جتنی زیادہ ہو اس کو کاٹ دینا چاہئے (۵) علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وهو أي القدر المسنون في اللحية القبضة'' (۶)

''ڈاڑھی کی مسنون مقدار ایک مٹھی ہونا ہے''

---

(۱) فتح الباری: ۳۵۰/۱۰، باب تقلیم الأظفار
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۵۴۸۱، ما قالوا فی الأخذ من اللحية
(۳) فتح الباری: ۳۵۰/۱۰، باب تقلیم الأظفار، عمدۃ القاری ۴۷/۲۲، باب تقلیم الأظفار
(۴) مرقاۃ المفاتیح: ۲۸۲۲/۷، باب الترجل
(۵) شامی ۴۱۸/۲، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسدہ
(۶) فتح القدیر ۳۴۷/۲، باب ما یوجب القضاء والکفارۃ

ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کی شرعی حیثیت

ایک مشت ڈاڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے، شارح مشکوۃ حضرت شاہ محدث عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وگذاشتن آن بقدر قبضه واجب است''(۱)

''ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے''

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے جو کتاب الآثار (۲) میں یا دیگر فقہاء مثلاً ابن ہمام رحمہ اللہ (۳) علامہ حصکفی رحمہ اللہ اور ابن عابدین رحمہ اللہ (۴) نے اپنی اپنی کتابوں میں یکمشت ڈاڑھی رکھنے کو سنت کہا ہے، اس کا مطلب سنت اصطلاحی (۵) نہیں ہے، بلکہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا دین اسلام میں ایک رائج اور دائمی طریقہ ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے، جیسا کہ نماز عید پر سنت کا اطلاق کردیتے ہیں، حالانکہ اصلاً وہ واجب ہے، یہی حال اس کا بھی ہے۔(۶)

یکمشت سے زائد ڈاڑھی کاٹنے کا طریقہ

آثار اور فقہی عبارات جو گذشتہ سطور میں ذکر کی گئی ہیں، ان کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ٹھوڑی سے نیچے مٹھی باندھے، اور مٹھی سے زائد جو بال ہوں انھیں کاٹ ڈالے، مگر ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن تین رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ٹھوڑی کے نیچے چار انگلیاں ملا کر رکھے، اور جو بال ان کے نیچے ہوں انھیں کتر ڈالے (۷) مگر یہ قول روایت کے

(۱) اشعة اللمعات ۲۱۲/۱

(۲) کتاب الآثار، ص:۱۹۸باب حف الشعر من الوجه

(۳) فتح القدير: ۳۴۷/۲، باب ما يوجب القضاء والكفارة

(۴) درمختار مع شامی: ۴۰۷/۲، مسائل شتى، فصل فى البيع

(۵) جسے حضور ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو یا اس کی تاکید فرمائی ہو، جس کا ترک موجب اِساءت ہو اور کرنا ثواب ہو (آمدی)

(۶) اشعة اللمعات: ۲۱۲/۱، باب السواک

(۷) فتح البارى ۳۵۱/۱۰، باب تقليم الأظفار

عام الفاظ کے خلاف ہے، اس صورت میں بال زیادہ کترنے ہونگے، اس لئے احتیاط پہلے قول کو لینے میں ہے۔

ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے کا حکم

حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنا واجب ہے، لہذا اس سے کم رکھنا یا خشخشی ڈاڑھی رکھنا از روئے شرع جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے؛ چنانچہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہے:

"وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد" (۱)

"ڈاڑھی کو اس قدر کترنا کہ وہ ایک مشت سے کم رہ جائے، جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں اس کو کسی نے جائز قرار نہیں دیا ہے"

اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ کے اس قول: "**لم يبحه أحد**" (۲) "ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے کو کسی نے جائز نہیں کہا ہے"، پر یہ نوٹ لکھا ہے: "**نص في الإجماع**" (۳)، علامہ حصکفی رحمہ اللہ کا مذکورہ قول ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے کے جائز نہ ہونے پر اجماع کی صریح دلیل ہے، اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ تقریر بخاری میں فرماتے ہیں:

"وأما قطع مادون ذلك فحرام إجماعا بين الأئمة رحمهم الله" (۴)

"ڈاڑھی کا اتنا کاٹنا کہ مٹھی سے بھی کم رہ جائے بالاتفاق حرام ہے"

---

(۱) درمختار مع الشامی :۴۱۸/۲، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده

(۲) حوالہ سابق

(۳) بوادر النوادر ۴۴۳/۲، ۵۵واں نادرہ اجماع بر حرمت اخذ لحیۃ دون القبضۃ

(۴) حاشیه فیض الباری :۳۸۰/۴، کتاب اللباس

نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

"تراشیدن ریش پیش از قبضه حرام است" (۱)

''ڈاڑھی کو کتر کر ایک مشت سے کم کردینا حرام ہے''

اور مولانا تھانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ڈاڑھی رکھنا واجب اور قبضہ (مٹھی) سے زائد کٹانا حرام ہے''(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور قاضی مدینہ ابن ابی لیلی رحمہ اللہ ایسے حضرات کی شہادت کو قبول کرنے سے انکار کردیتے تھے جو ڈاڑھی کو تراشا کرتے تھے، حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آخر زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو اپنی ڈاڑھی کو کبوتر کے پروں کی طرح کتریں گے، ایسے لوگ بڑے ہی کم نصیب ہونگے''(۳)

خلاصہ یہ کہ ڈاڑھی کا یکمشت سے کم کرانا سنت متوارثہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے، اور اس پر اصرار کرنا فسق ہے۔(۴)

ڈاڑھی منڈانا

جب ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے تو اس کا منڈانا تو بدرجہ اولی ناجائز ہوگا، مذاہب اربعہ کے فقہاء اس کی حرمت پر متفق ہیں، طوالت کے خوف سے ہر دبستان فقہ کی ایک ایک کتاب سے ذیل میں حوالہ پیش کیا جارہا ہے، فقہ حنفی کی مستند شخصیت علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

"یحرم علی الرجل قطع لحیته" (۵)

''ڈاڑھی منڈانا حرام ہے''

(۱) مالابدمنہ ص:۱۳۰ ،کتاب التقوی

(۲) امداد الفتاوی ۴/۲۲۳، بالوں کے حلق وقصر اور خضاب وغیرہ کے احکام

(۳) احیاء العلوم ۱/۱۴۴،۱۴۵،کتاب اسرار الصلاۃ

(۴) ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں ص:۳۰، ڈاڑھی منڈانے والا فاسق ہے۔

(۵) درمختار مع الشامی :۶/۴۰۷،مشائل شتی ، فصل فی البیع

فقہ مالکی کے ایک مشہور عالم شیخ احمد نضر اوی امام ابوزید کے رسالہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ہمارے زمانہ کے فوجیوں کا جو طریقہ ڈاڑھی منڈانے اور مونچھیں نہ منڈوانے کا ہے، وہ بلا شک وشبہ حرام ہے''(۱)

فقہ شافعی کی مشہور کتاب تحفۃ المحتاج میں ہے:

''الصواب تحريم حلقها جملة بغير علة بها'' (۲)

''صحیح بات یہ ہے کہ بلا کسی عذر کے پوری ڈاڑھی کا منڈانا حرام ہے''

ابن حزم ظاہری ''المحلی''میں لکھتے ہیں:

''فرض قص الشارب وإعفاء اللحية''(۳)

مونچھ کٹانا اور ڈاڑھی بڑھانا فرض ہے،

اور فقہ حنبلی کی مفتی بہ کتاب ''الاقناع''میں ہے:

''ويحرم حلقها''(۴)

''ڈاڑھی کا منڈانا حرام ہے''

علامہ محمود محمد خطاب سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صریح وصحیح احادیث میں ڈاڑھی بڑھانے کا امر ہے، اور''امر'' جب مطلق ہوتو وجوب پر محمول ہوتا ہے، اسی وجہ سے تمام ائمہ مجتہدین مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ڈارھی منڈانا حرام ہے، (۵) نیز ڈاڑھی منڈانے میں مشرکین، مجوس، مخنثوں اور عورتوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، جس کا ناجائز اور حرام ہونا احادیث سے

(۱) الفواكه الدواني على رسالة ابن ابي زيد القرواني:۳۰۶/۲،باب في الفطرة والختان
(۲) تحفة المحتاج :۳۷۶/۹،فصل في العقيقة
(۳) المحلى بالاثار لابن حزم :۴۲۴/۱،الفطرة
(۴) الاقناع في فقه الامام احمد بن حنبل۲۰/۱،فصل ويسن الامتشاط
(۵) المنهل العذب۱۸۶/۱،حكم اللحية

ثابت ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''من تشبه بقوم فهو منهم''(۱)

''جو کسی جماعت سے مشابہت اختیار کرے گا تو اس کا شمار اسی جماعت میں ہوگا''

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان مردوں پر لعنت کرتے ہیں جو (ڈاڑھی منڈا کر یا زنانہ لباس پہن کر) عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں (۲) اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مردرا تشبه به زنان وزن راتشبه به مردان ومسلم راتشبه به کفار وفساق حرام است''(۳)

''مرد کو عورتوں کی، اور عورت کو مردوں کی، اسی طرح کسی مسلمان کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے''

نیز مفسرین نے ''**ولآمرنهم فليغيرن خلق الله**'' (اور میں ان کو تعلیم دوں گا، جس سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت بگاڑا کریں گے) میں ڈاڑھی منڈانے کو بھی داخل مانا ہے کہ اس سے اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا ہے (۴) عقیل بن مدرک سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے کسی نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہدو کہ وہ میرے دشمنوں کا کھانا نہ کھائیں، اور میرے دشمنوں کا پانی نہ پئیں، اور میرے دشمنوں کی شکل نہ بنائیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ بھی میرے دشمن ہونگے، جیسا کہ وہ لوگ جو حقیقی دشمن ہیں۔ (۵)

---

(۱) المعجم الاوسط رقم الحديث :۸۳۲۷،من بقيه من اول اسمه ميم

(۲) بخارى رقم الحديث:۵۸۸۵،باب المتشبهون بالنساء

(۳) مالابدمنہ ص:۱۱۴،كتاب التقوى

(۴) حاشيه بيان القرآن، النساء :۱۵۹

(۵) كتاب الزهد لامام احمدرقم الحديث:۵۲۵، بقية زهد عيسى عليه السلام

ڈاڑھی منڈانے کے نقصانات

ڈاڑھی منڈانے کا حرام ہونا گذشتہ سطور سے معلوم ہو چکا ہے، اب ذیل میں سائنسی لحاظ سے منڈانے کے نقصانات بیان کئے جا رہے ہیں، برلن یونیورسٹی کے ڈاکٹر مور نے یہ لکھا ہے :

''ڈاڑھی منڈانے سے جتنا زیادہ نقصان جلد کو پہونچتا ہے شاید جسم کے کسی اور حصے کو پہونچتا ہو، ڈاڑھی منڈاتے وقت بار بار تیز استرے یا بلیڈ سے جلد کو چھیلا جاتا ہے، جس سے چہرے کی جلد حساس ہو جاتی ہے، اور طرح طرح کے امراض قبول اور حصول کی صلاحیت پیدا کر لیتی ہے''(۱)

حکیم محمد طارق محمود چغتائی لکھتے ہیں :

''مسلسل ڈاڑھی منڈانے سے غدۂ نخامیہ پر برے اثرات پڑتے ہیں، پھر اس گلینڈ کے نقص کی وجہ سے اعصابی نظام اور جنسی نظام بہت متاثر ہوتے ہیں (۲) نیز بار بار منڈانے کی وجہ سے چہرہ کی کھال بہت حساس ہو جاتی ہے، پھر دھوپ میں ''الٹراوائیلٹ'' شعائیں ہوتی ہیں، یہ شعاعیں ان حساس جلدوں پر فوری اثر ڈالتی ہیں، جس سے جلد کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے، اس سے جلد کے روغنی غدود کا نظام بہت متاثر ہوتا ہے، اور انسان طرح طرح کے امراض کا شکار ہو جاتا ہے''(۳)

ایک اور ڈاکٹر لکھتا ہے:

''ڈاڑھی پر بار بار استرہ چلانے سے آنکھوں کی رگوں پر اثر پڑتا ہے اور بینائی کمزور ہو جاتی ہے''(۴)

---

(۱) سنت نبوی اور جدید سائنس ۲۸۲/۱، شیو کے نقصانات میڈیکل کی روشنی میں
(۲) سنت نبوی اور جدید سائنس ۲۸۳/۱، شیو کے نقصانات میڈیکل کی روشنی میں
(۳) حوالہ سابق (۴) ڈاڑھی کا وجوب ص ۲۶

ڈاکٹر موریہی کا کہنا ہے کہ بار بار ڈاڑھی منڈانے سے چہرہ اوراس کے ذریعہ پورا جسم بہت سی خطرناک بیماریوں کا شکار ہوجاتا ہے، مثلاً چہرے کے مہاسے، چہرے کی جلد کی خشکی، کیل اور چھائیاں، ناک پر دانے اور کیل، عام پھوڑے پھنسیاں، ایگزیما، پتی اچھلنا، اورالرجی وغیرہ (۱) ایک ڈاکٹر تو یہاں تک لکھتا ہے کہ اگر سات نسلوں تک مردوں میں ڈاڑھی منڈانے کی عادت قائم رہی تو آٹھویں نسل بے ڈاڑھی کے پیدا ہوگی، اوراس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نسل میں مادہ منویہ کم ہوتے ہوتے آٹھویں نسل میں مفقود ہوجائے گا، یہ اس ڈاکٹر کی پیشین گوئی نہیں ہے، جس کا تعلق نجوم سے ہے؛ بلکہ یہ ایک طبعی اصول ہے۔ (۲)

ڈاڑھی کی حد بندی

ڈاڑھی کی حد معلوم کرنے سے پہلے چند عربی الفاظ کے معانی ومفہوم کو ذہن میں رکھئے، جن کا تعلق چہرے کے مختلف حصوں سے ہے:

خد: آنکھ کے حلقے کے نیچے سے لیکر اس ہڈی تک کے درمیانی حصہ کو عربی میں خد کہتے ہیں جس پر دانت نکلتے ہیں۔ (۳)

صدغ: اردو میں اس کا معنی کنپٹی کیا جاتا ہے، کان کے سوراخ کے مقابل جو ابھری ہوئی ہڈی ہے، اس سے اوپری حصہ کو عربی میں صدغ کہا جاتا ہے۔ (۴)

عذار: یہ بھی عربی لفظ ہے، کان کے محاذات کا حصہ، جس کی ابتداء کنپٹی سے اور انتہا کان کے نچلے حصہ کے آخر پر ہوتی ہے۔ (۵)

عارض: کان کی حد کے ختم ہونے کے بعد اور ٹھوڑی سے پہلے پہلے کا حصہ عربی میں عارض کہلاتا ہے۔ (۶)

---

(۱) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۲۸۳، شیو کے نقصانات میڈیکل کی روشنی میں
(۲) ڈاڑھی کا وجوب ص ۲۷
(۳) القاموس المحيط :۱/۲۹۰، مادة : الخدان
(۴) مناوی علی جمع الوسائل:۱/۸۹، باب ما جاء فی شیب رسول الله ﷺ
(۵) منحة الخالق على البحر ۱/۱۲، سنن الوضوء
(۶) المغنی ۱/۸۶، فصل تقديم النية على الطهارة

ذقن: دونوں طرف سے ڈاڑھ آ کر جہاں پر ملتے ہیں، اسے عربی میں ذقن اور اردو میں ٹھوڑی کہا جاتا ہے۔(۱)

ان الفاظ کے معانی ذہن نشین کرنے کے بعد اب سمجھئے کہ عذار، عارض اور ذقن پر کے بالوں کو ڈاڑھی کہا جاتا ہے(۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"**واللحية هى اسم لما نبت على الخذين والذقن**"(۳)

''ڈاڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو رخسار (یعنی ڈاڑھوں) اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں''

لہٰذا جو بال عذار، عارض اور ذقن کے علاوہ کسی اور مقام پر ہوں، مثلاً: خد (گال) پر ہو، اسے ڈاڑھی نہیں کہیں گے، علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"**اما الأشعار التى على الخذين فليست من اللحية** "(۴)

''جو بال خد (گال) پر اگتے ہیں وہ ڈاڑھی میں داخل نہیں ہیں''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے وہاں سے ڈاڑھی شروع ہوتی ہے، اس سے اوپر سر ہے''(۵)

علامہ محمود بن خطاب مالکی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

''ڈاڑھی (لحیہ) ان بالوں کو کہتے ہیں کہ جو رخسار (یعنی لحیین) اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں''(۶)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ صرف تین مقامات (عذار، عارض اور ذقن) پر نکلنے

---

(۱) كشاف القناع ۹۵/۱، فصل يغسل وجهه

(۲) بحر ۱۶/۱، سنن الوضوء

(۳) فتح البارى ۳۵۰/۱۰، باب تقليم الأظفار

(۴) فيض البارى ۱۴۷/۷، باب اعفاء اللحية

(۵) امداد الفتاوی ۲۲۱/۴، بالوں کے حلق قصر اور خضاب وغیرہ کے احکام

(۶) المنهل العذب: ۱۸۵/۱، باب قص الشارب

والے بالوں کو ڈاڑھی کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ اگر خد (یعنی گال) پر بال نکل آئیں، جیسا کہ عام طور پر وہاں نکل ہی آتے ہیں تو انھیں ڈاڑھی نہیں کہا جائیگا، اور ان کا کٹانا جائز ہوگا، لیکن بقول علامہ کشمیری خلاف اولی ہے، کیونکہ یا تو اسے بلیڈ وغیرہ سے دور کیا جائیگا، یا نوچ کر صاف کیا جائے گا، پہلی صورت میں جلد پر خراش اور کھر دراپن آنے کا احتمال ہے، اور دوسری صورت میں آنکھ کے کمزور ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔(۱)

ڈاڑھی بچہ کا حکم

نیچے کے ہونٹ کے درمیانی حصہ اور ٹھوڑی کے اوپر جو بال اگتے ہیں، انھیں اردو میں ڈاڑھی بچہ اور عربی میں ''عنفقہ'' کہتے ہیں (۲) روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ڈاڑھی بچہ (عنفقہ) کے چند بال سفید تھے (۳) معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بھی ڈاڑھی بچہ رکھا کرتے تھے، انہیں کترتے یا منڈواتے نہیں تھے، فقہاء نے ڈاڑھی بچہ کو بھی ڈاڑھی ہی کے حکم میں مانا ہے، اس لئے اس کا مونڈنا یا کترنا جائز نہ ہوگا، علامہ محمود بن خطاب مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

"وأما شعر العنفقة فيحرم إزالته كحرمة إزالة شعر اللحية "(۴)

''ڈاڑھی کے بال صاف کرنا جس طرح حرام ہے، اسی طرح ڈاڑھی بچہ کے بال کو صاف کرنا بھی حرام ہے''

ڈاڑھی بچہ کے اغل بغل کے بال

ڈاڑھی بچہ کے اغل بغل کے بال جسے عربی میں ''فنیک'' کہا جاتا ہے، بعض حضرات مثلاً امام غزالی رحمہ اللہ اور صاحب غرائب نے اس کے منڈانے کو بدعت لکھا ہے (۵)

(۱) فیض الباری ۷:۱۴۷، باب اعفاء اللحیة
(۲) عمدة القاری ۲۲/۴۸: ، باب ما یذکر فی الشیب
(۳) المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث :۲۹۰۰، عبید الله بن أبي يزيد
(۴) المنهل العذب ۱/۱۸۷، ۱۸۸، مذاهب العلماء فی حکم اللحية
(۵) احياء العلوم ۱/۱۴۴، القسم الثالث من النظافة

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس کا منڈانا تغییر خلق اللہ میں داخل ہے، اس لئے شرعاً ممنوع ہے(۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے یہاں ایک شخص کسی معاملے میں گواہی دینے کے لئے حاضر ہوا، اور وہ ڈاڑھی بچہ کے اغل بغل کے بالوں کو منڈائے ہوئے تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا(۲) لیکن اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کا منڈانا جائز ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”گرفتن موئے فنیکین بروزن ملیکین که عبارت است از طرفین عنفقه باک ندارد محدث دهلوی درشرح صراط مستقیم می آرد حلق طرفین عنفقه لا باس به است“(۳)

”ڈاڑھی بچہ کے اغل بغل کے بال صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے صراط مستقیم کی شرح میں یہی بات لکھی ہے، البتہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے امداد الفتاوی میں یہ لکھا ہے کہ ”احتیاط اور معمول ترک حلق ہے“(۴)

(۱) الفتاوى الهندية :۳۵۸/۵، بـاب التاسع عشر في الختان الخ احياء العلوم :۱۴۴/۱، القسم الثالث من النظافة الخ

(۲) احياء العلوم :۱۴۴/۱، القسم الثالث من النظافة الخ

(۳) ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں ص:۵۵، بحوالہ الطرائف والظرائف

(۴) امدادالفتاوی:۲۳۰/۴، بالوں کے حلق وقصر اور خضاب وغیرہ کے احکام

ڈاڑھی سے متعلق بعض اور مسائل

ڈاڑھی کا اکرام

جب ڈاڑھی گھنی اور لمبی ہو تو اس کا اکرام کرنا چاہئے، اہتمام سے اسے دھونا، تیل لگانا اور کنگھا کرنا چاہئے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"من کان له شعر فلیکرمه"(۱)

"جسے بال ہوں اسے اس کا اکرام کرنا چاہئے"

اور اس کا اکرام یہی ہے کہ اس کو صاف ستھرا رکھا جائے، اس کے لئے تیل اور کنگھا استعمال کیا جائے، حضرت سعد بن سعد یہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا معمول بیان کرتے ہیں:

"یکثر دهن رأسه وتسریح لحیته"(۲)

"آپ ﷺ بکثرت سر میں تیل لگاتے، اور ڈاڑھی میں کنگھا کرتے تھے"

شعب الایمان میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ ڈاڑھی میں بکثرت کنگھا کرتے تھے(۳) حتی کہ جب آپ ﷺ سوتے تھے تو سرہانے میں دیگر چیزوں کے ساتھ کنگھا بھی ہوا کرتا تھا، اور رات میں جب تہجد کیلئے بیدار ہوتے تو وضو سے فارغ ہونے کے بعد کنگھا کرتے تھے(۴) معجم اوسط میں طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ ڈاڑھی میں کنگھا کرتے وقت آئینہ بھی دیکھا کرتے تھے(۵)

---

(۱) ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۶۳، باب فی اصلاح الشعر

(۲) شرح السنة للبغوی رقم الحدیث:۳۱۶۴، باب ترجیل الشعر وتدهینه

(۳) شعب الایمان رقم الحدیث:۶۰۴۶، فصل فی اکرام الشعر

(۴) اخلاق النبی لابی الشیخ الاصبهانی رقم الحدیث:۲۵۹، ذکر مرآته ومشطه الخ

(۵) المعجم الاوسط رقم الحدیث:۶۳۶۷، من اسمه محمد

بعض مرتبہ پانی سے بھرے ہوئے پیالہ کی مدد سے بھی آپ ﷺ کا بالوں کو درست کرنا ثابت ہے(۱) البتہ مردوں کو بناؤ سنگھار میں زیادہ مشغول نہ رہنا چاہئے کہ ہر وقت ان پر یہی فکر سوار ہو، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے روز روز کنگھا کرنے سے منع کیا ہے اس حدیث کے ذیل میں علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''والمراد به النهى عن المواظبة عليه والاهتمام به لأنه مبالغة فى التزين ''(۲)

''روز روز کنگھا کرنے سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ اس پر مداومت نہ کی جائے اور نہ خاص توجہ دی جائے، کیونکہ یہ بناؤ سنگار میں حد سے زیادہ بڑھ جانا ہے''

ڈاڑھی میں تیل لگانے کا طریقہ

آپ ﷺ سے ڈاڑھی میں تیل لگانا بھی ثابت ہے، جب آپ ﷺ تیل لگانے کا ارادہ فرماتے تو تیل کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھتے اور پہلے آنکھوں پر لگاتے، اس کے بعد ڈاڑھی میں حلق کی جانب سے لگانا شروع فرماتے تھے۔(۳)

ڈاڑھی میں کنگھا کرنے کا طریقہ

ڈاڑھی میں کنگھا کرنا مستحب ہے(۴) جب کنگھا کرنے کا ارادہ ہو تو کنگھا دائیں ہاتھ میں لیکر خود سے ڈاڑھی میں کنگھا کرنا چاہئے، بغیر مجبوری کے اس سلسلے میں دوسروں سے مدد لینا مناسب نہیں ہے، اور اگر مجبوری ہو یا بیوی از راہ محبت کنگھا کرنا چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے(۵) اور دائیں ہاتھ سے کنگھا کرنے کی دلیل وہ حدیث ہے، جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے :

---

(۱) ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی ص:۳۰،فصل فی ادب المملی الخ

(۲) ابوداؤد رقم الحديث:۴۱۵۹،كتاب الترجل

(۳) طیبی ۲۵۶/۸ ،باب الترجل

(۴) اسوہ رسول اکرم:ص:۱۳۹

(۵) جمع الوسائل ۸۲/۱،باب ما جاء فی ترجل رسول الله ﷺ

"إن كان رسول الله ﷺ ليحب التيمن في طهوره إذا تطهر وفي ترجله إذا ترجل وفي انتعاله إذا انتعل" (۱)

حضور ﷺ داہنی جانب کو پسند فرماتے تھے، وضو کرنے، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں،

البتہ اگر دائیں ہاتھ میں تکلیف ہو یا کسی وجہ سے اس ہاتھ سے کنگھا کرنا دشوار ہو تو بائیں ہاتھ سے بھی اس عمل کو انجام دیا جا سکتا ہے۔(۲)

ڈاڑھی کے سفید بال کا اکھاڑنا

روایتوں میں آیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بال سفید ہوا تھا (۳) اور یہ سفیدی ایک سو پچاس سال بعد ظاہر ہوئی تھی (۴) آپ ﷺ نے سفید بال کے اکھاڑنے سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سفید بال اسلام ایک مسلمان کے لئے نور ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھتا ہے، ایک برائی کو مٹاتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے(۵) ایک اور حدیث میں ہے کہ سفید بال مسلمانوں کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا (۶) اسی لئے ڈاڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑنا یا قینچی سے چن کر نکلوانا مکروہ ہے(۷) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"لاتنتفوا الشيب فإنه ما من عبد يشيب في الإسلام شيبة إلا كتب الله له بها حسنة وحط عنه خطيئة"(۸)

---

(۱) مسلم رقم الحديث:۲۶۸،باب التيمن فى الطهور وغيره
(۲) جمع الوسائل ۸۵/۱،باب ماجاء ترجل رسول الله ﷺ
(۳) مصنف ابن ابى شيبه رقم الحديث:۳۵۹۳۵،باب اول ما فعل ومن فعله
(۴) كشاف القناع ۷۷/۱،فصل فى الامتشاط والادهان
(۵) مسند احمد رقم الحديث :۲۹۶۲،مسند عبد الله بن عمرو بن العاص
(۶) ترمذى رقم الحديث :۱۶۳۴،باب ما جاء فى فضل من شاب شيبة فى سبيل الله
(۷) الفتاوى الهندية:۳۵۹/۵،الباب العشرون فى الزينة الخ
(۸) مسند احمد رقم الحديث:۶۶۷۵،مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه

''سفید بال نہ اکھاڑو، جس کے بال حالت اسلام میں سفید ہونگے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے لئے ایک نیکی لکھے گا اور ایک برائی مٹائے گا''

دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قصداً سفید بال اکھاڑے گا تو قیامت کے دن وہ بال نیزہ ہوجائے گا، جس سے اس کو بھونکا جائیگا (۱) خود حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ کوئی ڈاڑھی کے سفید بال کو اکھاڑے (۲) البتہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے مجتبیٰ اور ینابیع وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے: اگر سفید بال اکھاڑنے میں زینت پیش نظر نہ ہو تو اکھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (۳) لیکن آجکل جو حضرات اپنے سر یا ڈاڑھی کے سفید بالوں کو چن کر نکلواتے ہیں ان کے فعل سے ظاہر یہی ہے کہ وہ لوگ زینت کے ارادے سے کرتے ہیں، تاکہ یہ سفیدی دوسروں پر ظاہر نہ ہو، اور وہ جوان معلوم ہوں، لہٰذا اس سے احتراز ہی مناسب ہے، دل کا حال خدا کو معلوم ہے، وہ علام الغیوب اور علیم بذات الصدور ہے۔

ڈاڑھی کو اندر گھسانا

ڈاڑھی میں گرہ لگانا یا ان کے بالوں کو اندر گھسانا (جیسا کہ سکھوں کا معمول ہے) شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ احادیث میں اعفوا (بڑھاؤ) ارخوا (لٹکاؤ) جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یعنی عربی قواعد کے رو سے امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے، اس لئے ڈاڑھی میں گرہ لگانا یا اسے اندر گھسانا واجب کے خلاف ہوگا، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا:

''اے رویفع! شاید تم میرے بعد بھی زندہ رہو، تم لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو شخص داڑھی میں گرہ لگائے یا تانت کا قلادہ ڈالے یا گوبر یا ہڈی سے استنجا کرے تو محمد (ﷺ) اس سے بیزار ہیں'' (۴)

(۱) کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۸۰، ترجیل الشعر واکرامہ
(۲) جمع الوسائل ۱۰۲/۱، باب ماجاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ
(۳) شامی: ۴۱۸/۲، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ
(۴) ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶، باب ماینھی عنہ ان یستنجی بہ

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ''عقدلحیہ'' (ڈاڑھی میں گرہ لگانے) کا دو مطلب بیان کیا ہے، ایک یہ کہ اہل عجم میدان جنگ میں اپنی اپنی ڈاڑھیوں میں گرہ لگالیا کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے ان کی مشابہت سے بچنے کیلئے یہ خصوصی حکم دیا کہ اے مسلمانو! تم لوگ میدان جہاد میں ڈاڑھیوں میں گرہ نہ لگایا کرنا، اور دوسرا یہ کہ آپ ﷺ نے ڈاڑھی کے بال کو گھنگھریالا یا پیچدار بنانے سے خواہ وہ کسی تدبیر سے ہو، منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ بھی غیر اسلامی حرکت ہے۔(۱)

زینت کی خاطر ڈاڑھی بڑھانے کی کوشش کرنا

ڈاڑھی بڑھانا ایک حکم شرعی ہے، حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل سے ایک مشت رکھنے کی تحدید بھی ہو چکی ہے، اور اگر کوئی ایک مشت سے زائد رکھنا چاہے تو شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے، بشرطیکہ بدنما معلوم نہ ہو(۲) لیکن اگر کوئی محض زینت کی خاطر ایک مشت سے زائد کرنا چاہے خواہ تیل لگا کر ہو یا کسی اور تدبیر سے تو شرعاً مکروہ ہے، کیونکہ اس کا یہ جذبہ محمود نہیں ہے، شریعت کی اطاعت مقصود نہیں ہے، بلکہ اپنی ایک نفسانی خواہش کی تکمیل پیش نظر ہے۔(۳)

ڈاڑھی اگنے کے لئے استرہ چلانا

ایک شخص عمر کی اس حد میں داخل ہو چکا ہے جس میں عام طور پر ڈاڑھی نکل آیا کرتی ہے، لیکن اس کی ڈاڑھی نہیں نکل سکی، کیا ایسا شخص اپنی ڈاڑھی پر اس غرض سے استرہ چلاسکتا ہے کہ اس کی ڈاڑھی نکل آئے؟ اسی طرح کا ایک سوال مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ سے کیا گیا تھا تو انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا تھا، ملاحظہ فرمائیں:

سوال :- ایک شخص کی عمر ۲۳ سال ہے، مگر اس کی ڈاڑھی اور مونچھیں نہیں نکلیں، کیا وہ اس احتمال پر کہ شاید ڈاڑھی نکل آئے، استرہ چلاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) المجموع ۲۹۲/۱، باب السواك

(۲) اشعة اللمعات ۲۱۲/۱، باب السواك

(۳) هداية مع فتح القدير ۳۴۷/۲، باب ما يوجب القضاء

الجواب باسم ملهم الصواب :اس ضرورت سے استرہ چلانا
جائز ہے،**والله سبحانه وتعالى اعلم**"(۱)

ڈاڑھی میں عطر لگانا

ڈاڑھی میں عطر لگانا بھی درست ہے،حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں:

"كان يأخذ المسک فيمسح به رأسه ولحيته"(۲)

"آپ ﷺ مشک اپنے سر اور ڈاڑھی مبارک پر لگاتے تھے"

نائی کا ڈاڑھی مونڈنا

جس طرح کسی کا ڈاڑھی منڈوانا حرام وناجائز ہے،اسی طرح نائی وغیرہ کیلئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ کسی کے کہنے سے اس کی ڈاڑھی مونڈے یا ایک مشت سے کم کرے،حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نائی کو بھی جائز نہیں کہ کسی کے کہنے سے ایسا خط بنائے جو شرعاً ممنوع ہو،خواہ ڈاڑھی کا،یا سر کا،کیونکہ گناہ کی اعانت بھی گناہ ہے، اس کو چاہئے کہ عذر وانکار کردے"(۳)

بعض سعادتمند نائی ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود ضرورتمند ہونے کے ڈاڑھی مونڈنے سے بڑی صفائی سے انکار کردیتے ہیں،اگرچہ ایسے بہت کم ہوتے ہیں،حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے :

"ایک صاحب پٹنہ بہار کے رہنے والے حاجی پیدل کے نام سے حج کے لئے جارہے تھے، جو ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل پڑھتے

---

(۱) احسن الفتاوی ۷۶/۸، بالوں کے احکام

(۲) اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة رقم الحديث:۶۴۴۹،باب ماجاء فى طيبه وطيب رائحته

(۳) اصلاح الرسوم:ص:۲۲، چوتھی فصل منجملہ ان رسوم کے ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا

تھے، ان کے بہت سے اعزہ جو اونچے عہدوں پر تھے، وہ ان کے سفر کی خبر گیری رکھتے تھے، اور جب کسی ایسی جگہ پر جہاں ریل کی سہولت ہو جانے کا حال معلوم ہوتا تو وہ ریل سے ان سے ملنے آیا کرتے تھے، وہ حاجی صاحب جب سہارنپور پہونچے تو میرے مخلص دوست اور حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ کے مرید راؤ یعقوب علی خاں کے یہاں قیام ہوا، غالباً آگرہ کے ڈپٹی صاحب ان سے ملاقات کیلئے راؤ صاحب کے مکان پر پہونچے، اور حجامت کیلئے نائی کو بلایا، اس نے بہت بہتر حجامت بنائی، جس سے وہ صاحب بہت خوش ہوئے، لیکن جب ڈاڑھی منڈانے کا وقت آیا، تب اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضور! یہ کام میں عمر بھر نہیں کیا، اس پر وہ مہمان بہت خوش ہوئے، اور یاد پڑتا ہے کہ اس نائی کو کچھ انعام بھی دیا'' (۱)

ڈاڑھی میں دس باتیں مکروہ ہیں

امام غزالی رحمہ اللہ نے طہارت و نظافت کے ذیل میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے، جس میں ڈاڑھی کے دس مکروہات کو تفصیل سے شمار کرایا ہے، جو لائق مطالعہ ہے، یہاں اختصار کے ساتھ صرف ان دس امور کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱) ڈاڑھی میں سیاہ خضاب کرنا۔

۲) اسے گندھک وغیرہ لگا کر سفید کرنا۔

۳) نوچ کر اس کے بال کو کم کرنا۔

۴) سفید بال کو چن کر نکلوانا۔

۵) اس کا مونڈنا یا اکھاڑنا۔

۶) تخشخشی کرنا۔

۷) عارض اور صدغین کے بال میں زیادتی کرنا۔

(۱) ڈاڑھی کا وجوب: ص: ۱۷

۸) دکھلاوے کے لئے ڈاڑھی کو کنگھا کرنا۔

۹) اس کے کالے بال کو عجب کی نگاہ سے دیکھنا۔

۱۰) اسی طرح سفید بال کو بھی عجب کی نگاہ سے دیکھنا مکروہ ہے۔(۱)

ایک غلط خیال کی تردید

بعض جگہ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ وضو کے بعد ڈاڑھی کا جو پانی زمین پر گرتا ہے، اسے فرشتے اٹھاتے ہیں، اور انھیں اس کے اٹھانے میں تکلیف ہوتی ہے، اس لئے وضو کے بعد ڈاڑھی کو ضرور پوچھ لینا چاہئے، تاکہ پانی زمین پر نہ گرے، اور اس کے اٹھانے میں فرشتوں کو زحمت نہ ہو، مگر یہ خیال بالکل غلط ہے، کسی نص سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی ہے، چنانچہ ایک سائل نے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ سے اسی قسم کا سوال کیا تھا، ذیل میں وہ سوال اور مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کا جواب درج کیا جاتا ہے:

سوال:۵۷۳......بعض کہتے ہیں کہ جب ریش (ڈاڑھی) کا پانی زمین پر گرتا ہے تو فرشتوں کو اٹھانے میں تکلیف ہوتی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب:......یہ قول کہ ریش (ڈاڑھی) کا پانی گرنے سے فرشتوں کو اس کے اٹھانے میں تکلیف ہوتی ہے، بے اصل ہے، فقط واللہ اعلم۔(۲)

ایک قابل غور بات

ڈاڑھی کے متعلق آپ نے تفصیلات پڑھ لیں، اس کا شعائر اسلام میں سے ہونا اور ایک مشت رکھنے کا واجب ہونا نصوص سے ثابت ہو چکا ہے، مگر اس کے باوجود فی زمانہ ڈاڑھی رکھنے کو برا سمجھا جاتا ہے، اس پر طرح طرح کے فقرے کسے جاتے ہیں، جن میں سے اکثر کو ''فتاوی بزازیہ'' اور ''مالا بدمنہ'' وغیرہ میں کفریہ کلمہ قرار دیا گیا ہے، میں اس جگہ تفصیل میں جائے بغیر احسن الفتاوی سے ایک سوال اور اس کا جواب نقل کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں، اور وہ درج ذیل ہے:

---

(۱) احیاء العلوم ۱/۱۴۴، القسم الثالث من النظافة الخ

(۲) عزیز الفتاوی ۴/۳۰، سوال نمبر:۵۷۳

سوال : سنت نبویہ خصوصاً ڈاڑھی کا مذاق اڑانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب : کسی ادنی سے ادنی سنت کو برا سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا درحقیقت اسلام اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ استہزاء ہے، جس کے کفر ہونے میں کچھ شبہ نہیں، جب سنت سے استہزاء کفر ہے تو ڈاڑھی تو واجب ہے، اور شعار اسلام ہے، ایک مشت سے کم کرنا بالاجماع حرام ہے، اس کا مذاق اڑانا بطریق اولی کفر ہے:

"**قال فی العلائیة وأما الأخذ منها وهی دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه أحد**" (**در مع الشامی** :۴۱۸/۲، **باب ما یفسد الصوم ومالا یفسد**)
(درمختار میں ہے کہ ڈاڑھی کو اس قدر کترنا کہ وہ ایک مشت سے کم رہ جائے، جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں، اس کو کسی نے جائز قرار نہیں دیا ہے)

اسے دوبارہ مسلمان کر کے نکاح بھی دوبارہ کیا جائے، اور اگر دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو حاکم پر فرض ہے کہ اس کے قتل کا حکم دے فقط" (۱)

(۱) احسن الفتاوی ۴۲/۱، کتاب الایمان والعقائد

فصل دوم

مونچھ کترنا

مونچھ کترنا جسے عربی میں قص شارب کہا جاتا ہے یہ بھی امور فطرت میں سے ہے(۱)اور جمال وزینت میں داخل ہے،مونچھ کا نہ کترنا اوراسے یونہی بڑھتے ہوئے چھوڑ دینا جمال ونظافت کے خلاف ہے(۲)مونچھ کترنا فطرت ابراہیمی میں سے بھی ہے۔(۳)

مونچھ کترنے کے تعلق سے احادیث

ایک حدیث میں ہے کہ مونچھ بڑھانا مجوس اور عجمیوں کا فعل ہے،تم اس کی مخالفت کرو(۴)ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ کی آمد میں تاخیر ہوگئی،آپ ﷺ نے جب ان سے تاخیر کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے صحابہ طہارت ونظافت کا خیال نہیں کرتے،مسواک نہیں کرتے،ناخن نہیں تراشتے،مونچھیں نہیں کترتے،اور انگلی کے جوڑوں کوصاف نہیں کرتے،ایسی حالت میں کیسے آؤں؟(۵)ایک اور جگہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"خالفوا المشركين وفروا اللحى وأحفوا الشوارب"(٦)

''بت پرستوں کی مخالفت کرو(کہ وہ ڈاڑھی مونڈتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں)تم ڈاڑھی بڑھاؤاور مونچھیں کٹاؤ''

(۱) مسلم رقم الحديث:۲٦۱،باب خصال الفطرة
(۲) تفسیر خازن ۱/٦٧،سورة البقرة
(۳) شعب الايمان رقم الحديث:۸۲۷۱،حقوق الاولاد
(۴) مسلم رقم الحديث:۲٦۰،باب خصال الفطرة
(۵) مسند احمد رقم الحديث :۲۱۸۱،مسند عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ
(٦) بخاری رقم الحديث :۵۸۹۲،باب تقليم الأظفار

مونچھ نہ کترنے پر ایک حدیث میں بڑی سخت وعید بھی آئی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"من لم یأخذ من شاربه فلیس منا" (۱)

"جو مونچھوں کو کم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں"

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ مونچھ کتروایا کرتے تھے، اور یہ بھی فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ایسا ہی کرتے تھے (۲)

مونچھ کترنے کی شرعی حیثیت

انہی احادیث کی بناء پر فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ مونچھ کا کترنا سنت ہے (۳) البتہ اگر دارالحرب میں کوئی مجاہد ہو تو دشمنوں پر اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے وہ مونچھ نہ کٹائے تو اس کی گنجائش ہے۔ (۴)

مونچھ کترنے کے فوائد

مونچھیں جب بڑھی ہوئی ہونگی تو ان پر گرد و غبار جمے گے، نزلہ وزکام ہو جانے پر جب ناک کی ریزش اور اس کی آلائش کو صاف کیا جائے گا تو ان کی کچھ نہ کچھ مقدار ان بالوں سے الجھ کر رہ جائے گی، اور پینے کی چیزیں اسی گرد و غبار اور رینٹھ سے ملوث بال کو تر کر کے حلق سے نیچے اتریں گی، نیز رینٹھ وغیرہ جب مونچھوں سے الجھ کر خشک ہو جائے گی تو دھوتے وقت اس کی اچھی طرح سے صفائی کرنے میں دشواری ہوگی، جبکہ قوت شامہ کے قریب یہ ہوتے ہیں، جس سے قوت شامہ پر کتنا برا اثر پڑے گا؟ اور اس سے کیسے کیسے امراض پیدا ہونگے؟ ظاہر ہے، مونچھ کو کتر کر جدا کر دینے سے ان ساری خرابیوں سے حفاظت ہو جاتی ہے (۵)

---

(۱) السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث:۱۴، باب قص الشارب

(۲) ترمذی رقم الحدیث:۲۷۶۰، باب ما جاء فی قص الشارب

(۳) شامی:۴۰۵/۶، مسائل شتی، فصل فی البیع

(۴) حوالہ سابق

(۵) المصالح العقلیہ ص:۳۲۶، ڈاڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانے کی وجہ

مونچھوں کا مونڈنا

احادیث میں مونچھیں بنانے کے تعلق سے مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں، نسائی کی روایت میں لفظ حلق بھی آیا ہے، لیکن نسائی کے موجودہ نسخہ میں تلاش کے باوجود مجھے کوئی ایسی روایت نہیں مل سکی، جس میں مونچھ کے تعلق سے مونڈنے کا ذکر ہو، ہوسکتا ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ کے سامنے نسائی کا دوسرا نسخہ ہو، اوراس میں یہ لفظ موجود ہو، چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وردالخبر بلفظ الحلق وهی روایة النسائی" (۱)

"نسائی کی ایک روایت میں (مونچھ کا) حلق (مونڈنا) بھی مذکور ہے"

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ لفظ حلق بھی محفوظ ہے، (۲) کسی راوی کا اضافہ کردہ نہیں ہے، بلکہ خود نبی کریم ﷺ کے الفاظ میں سے ہے؛ البتہ السنن الکبری للنسائی جومؤسسۃ الرسالۃ بیروت سے پہلی بار ۱۴۲۱ھ میں بارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور جس کے محقق حسن بن عبدالمنعم شلبی ہیں، اس میں لفظ "حلق" موجود ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"الفطرة خمس......وحلق الشارب "(۳)

"امور فطرت پانچ ہیں، جن میں ایک مونچھ کا مونڈانا بھی ہے"

اسی روایت کی بناء پر بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ مونچھ کا مونڈنا سنت ہے، مجتبی نامی کتاب میں بھی امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کی طرف مونچھ مونڈنے کے سنت ہونے کا قول منسوب ہے (۴) مگر علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے درمختار میں اس قول کو "قیل" سے تعبیر کیا ہے، جس سے اس قول کا ضعیف ہونا معلوم ہوتا ہے، اورخود

---

(۱) فتح الباری ۳۴۶/۱۰، باب قص الشارب

(۲) حوالہ سابق

(۳) السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۹، عدد الفطرة

(۴) المنهل العذب ۱۸۵/۱، حکم قص الشارب

اسی کتاب میں مونچھ مونڈنے کو مجتبی نامی کتاب کے حوالے سے بدعت ہونے کا بھی قول نقل کیا ہے(۱) مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ نے بھی مونچھ مونڈنے کو بعض حضرات کے حوالے سے بدعت لکھا ہے۔(۲)

لیکن مونچھ مونڈنے کو بدعت کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نسائی کی روایت میں مونچھ کا مونڈنا (حلق) مذکور ہے، اور بعض جلیل القدر تابعین مثلاً حضرت عروہ، سالم، قاسم اور ابوسلمہ رحمہم اللہ کا عمل بھی مونچھوں کا منڈانا تھا(۳) نیز روایات سے ''انھکوا''، ''جزوا'' اور ''احفوا'' کے الفاظ بھی ثابت ہیں، جو مبالغہ کے ساتھ مونچھ کے بال صاف کرنے پر دلالت کرتے ہیں(۴) اور غایت مبالغہ حلق (مونڈنے) کی صورت میں واضح ہے، اس لئے بدعت کا قول قابل غور ہے۔

البتہ ایک شبہ یہاں ضرور ہوتا ہے کہ اگر شرعاً مونچھ کا منڈانا ہی مطلوب ہوتا تو اس کے لئے لفظ ''حلق'' عربی لغت میں موجود تھا، پھر بھی سوائے نسائی کی ایک روایت کے دیگر روایات میں اس کا ذکر نہ ہونا، اور اس کی جگہ پر دوسرے الفاظ (جیسا کہ بعد کی تفصیل سے معلوم ہوگا) کا استعمال کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مونچھ کا مونڈنا پسندیدہ نہیں ہے، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایک مستقل باب ''باب حلق الشارب'' قائم کیا ہے(۵) اور پورے باب میں مونچھ مونڈنے (حلق) کے متعلق کوئی صریح روایت ذکر نہیں کی ہے، اگر ان کے نزدیک مونچھ مونڈنے (حلق) کے تعلق سے کوئی صریح روایت ہوتی تو اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے ضرور اسے ذکر فرماتے، ان کا اس طرح کی روایت ذکر نہ کرنا، اور ''انھکوا، جزوا اور احفوا'' وغیرہ تعبیرات والی روایت سے استدال کرنا، اور پھر بعد میں مونچھ مونڈنے کو سر کے بال کے مونڈنے کے افضل

(۱) درمختار مع الشامی۴۰۶/۶،مسائل شتی ، فصل فی البیع
(۲) نفع المفتی والسائل ص:۱۲۹،ما یتعلق بالنوم والقیام وافعال العباد
(۳) فتح الباری۳۴۷/۱۰،باب قص الشارب
(۴) فتح الباری۳۴۶/۱۰،باب قص الشارب
(۵) شرح معانی الأثار۲۲۹/۴،باب حلق الشعر

ہونے پر قیاس کرنا وغیرہ اس بات پر قوی قرینہ ہے کہ مونچھ مونڈنے کے سنت ہونے کا قول احناف کے نزدیک مرجوح ہے۔

مونچھ کترنا

مونچھ کا کترنا بھی درست ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"من الفطرة قص الشارب"(۱)

"امور فطرت میں سے مونچھ کا کترنا ہے"

مونچھ کترنے کی حد

اس میں فقہاء احناف کے تین اقوال ملتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ مونچھ کے بال اتنے کترے جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہوجائے، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ مجتبیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"والقص منه حتى يوازى الحرف الأعلى من الشفة العليا سنة بالإجماع" (۲)

"مونچھ اس طرح کترنا کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ واضح ہوجائے، بالاجماع سنت ہے"

شوافع کے یہاں بھی یہی مختار قول ہے، چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"المختار أنه يقص حتى يبدو طرف الشفة"(۳)

"ہمارے یہاں مختار قول یہ ہے کہ مونچھ اس قدر کترے جائیں کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہوجائے"

۲۔ مونچھ کو اتنا کترا جائے کہ وہ بھوں کی طرح معلوم ہونے لگے، چنانچہ فتاوی غیاثیہ میں ہے:

---

(۱) بخاری رقم الحديث:۵۸۸۸، باب قص الشارب

(۲) شامی :۴۰۶/۶،مسائل شتى ، فصل فى البيع

(۳) نووی مع مسلم ۱۲۹/۳، باب خصال الفطرة

"ویأخذ من شاربه حتی یصیر مثل الحاجب"(۱)

"مونچھ کواس طرح کترے کہ وہ بھوں کی مانند بن جاوے"

۳۔ مونچھ کواس حدتک کترا جائے کہ کھال نظر آنے لگے، اور مونڈنے جیسا معلوم ہونے لگے، چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

"لم أر عن الشافعي فی ذلک شیئا منصوصا وأصحابه الذین رأیناهم کالمزني والربیع کانوا یحفون وما أظنهم أخذوا ذلک إلا عنه"(۲)

"میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی اس بارے میں کوئی صراحت نہیں دیکھی؛ البتہ ان کے جن شاگردوں کو میں نے دیکھا ہے مثلا امام مزنی رحمہ اللہ اور امام ربیع رحمہ اللہ وہ حضرات مونچھ بالکل پست کراتے تھے اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ عمل ان سے ہی حاصل کیا ہوگا"

مونچھ کترنے کا بہتر طریقہ

اور یہی تیسرا قول بہتر اور مستحب ہے، خود امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یستحب إحفاء الشوارب ونراه أفضل من قصها"(۳)

"مونچھ کتر کر بالکل پست کردینا مستحب ہے، اور یہ محض کترنے سے افضل ہے"

اور اس سے کچھ آگے کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

"قصه حسن وإحفاء هذا أحسن وأفضل وهذا مذهب أبی حنیفة وأبی یوسف ومحمد رحمهم الله"(۴)

---

(۱) الفتاوی الهندیة:۳۵۸/۵،الباب التاسع عشر فی الختان الخ
(۲) فتح الباری۳۴۷/۱۰،باب قص الشارب
(۳) شرح معانی الآثار۲۲۹/۴،باب حلق الشارب
(۴) شرح معانی الاثار:۲۳۰/۴،باب حلق الشارب

''کترنا اچھا ہے ، اور بالکل پست کرنا بہتر اور افضل ہے ، یہی ہمارے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے''

اسی کے قائل اہل کوفہ، مکحول رحمہ اللہ، محمد بن عجلان رحمہ اللہ، حضرت نافع رحمہ اللہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ، ابواسید رضی اللہ عنہ وانس بن مالک رضی اللہ عنہ، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ غیرہ ہیں،(۱) حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک جماعت علماء سلف کی اس طرف گئی ہے کہ مونچھوں کا منڈانا سنت ہے، لیکن اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ کتروانا سنت ہے، لیکن کتروانے میں ایسا مبالغہ ہو کہ مونڈنے کے قریب ہوجائے''(۲)

طب جدید سے اس طریقے کی تائید

طبی نقطۂ نظر سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، کیول فادرایک پرتگالی سائنس داں ہے، اس کی تحقیق کے مطابق انسانی ہونٹوں میں بڑے حساس اور تیز گلینڈر ہوتے ہیں، جن کا بالواسطہ دماغ سے تعلق ہوتا ہے، اور یہی گلینڈر مرد اور عورت کے انفرادی تعلق میں رجحان بڑھاتے ہیں، اوپر کے ہونٹوں کے گلینڈر میں ایسے ہارمونز پیدا ہوتے ہیں جن کے لئے بیرونی اثرات اور پانی بہت ضروری ہے، جبکہ یہ کام اگر مونچھیں ہوں تو نہیں ہوتا، کیونکہ جب مونچھیں نہ ہونگی تو اوپر کے ہونٹ پر پانی بھی لگے گا، اور بیرونی ہوائی اثرات سے بھی متاثر ہوگا، ورنہ مونچھیں پانی اور ہوا کو روکے رکھتی ہیں، اگر ان گلینڈر کو پانی اور ہوا نہ لگے تو اس سے دائمی نزلہ، مسوڑھوں کا ورم اور اعصابی کھینچاؤ پیدا ہوجاتے ہیں۔(۳)

(۱) شرح معانی الاثار ۲۳۱/۴، باب حلق الشارب ، عمدة القاری ۴۴/۲۲، باب قص الشارب، فتح الباری ۳۴۷/۱۰، باب قص الشارب
(۲) خصائل نبوی ص:۱۲۹، باب حضور ﷺ کے سالن کا ذکر
(۳) سنت نبوی اور جدید سائنس: ۳۴۸/۱، مونچھیں ترشوانا

اختلاف کی وجہ

مونچھ بنانے کے تعلق سے جو اختلاف آپ نے گذشتہ سطور میں پڑھا ہے، وہ درحقیقت احادیث میں وارد ہونے والے مختلف الفاظ کی بنا پر ہوا ہے، ذخیرۂ احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ مونچھ بنانے کے تعلق سے احادیث میں سات الفاظ آئے ہیں، اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔**جزوا**: جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جزوا الشوارب وأرخوا اللحى خالفوا المجوس" (۱)

''مونچھیں پست کرو، ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو''

۲۔ **انھکوا**: یہ لفظ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انهكوا الشوارب وأعفوا اللحى" (۲)

''مونچھوں کو اچھی طرح پست کرو، اور ڈاڑھی بڑھاؤ''

۳۔ **احفوا**: یہ لفظ بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے بخاری شریف میں منقول ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"خالفوا المشركين وفروا اللحى وأحفوا الشوارب" (۳)

''مشرکین کی مخالفت کرو، ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو''

۴۔ **قص**: یہ لفظ تو اکثر روایات میں آیا ہے، مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے جو نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"من الفطرة قص الشارب" (۴)

---

(۱) مسلم رقم الحديث:۲۶۰، باب خصال الفطرة

(۲) بخاری رقم الحديث:۵۸۹۳، باب اعفاء اللحى

(۳) بخاری رقم الحديث : ۵۸۹۲،باب تقليم الأظفار

(۴) بخاری رقم الحديث:۵۸۸۸،باب قص الشارب

''خصال فطرت میں سے مونچھ کترنا ہے''

۵۔**اخذ:** یہ لفظ بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نسائی میں منقول ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" **الفطرة قص الأظفار وأخذ الشارب وحلق العانة** "(۱)

''ناخن تراشنا، مونچھ لینا، اور موئے زیر ناف مونڈنا امور فطرت میں داخل ہے''

۶۔**تقصیر** : یہ لفظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نسائی میں منقول ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"**خمس من الفطرة : الختان وحلق العانة ونتف الضبع وتقليم الظفر وتقصير الشارب**" (۲)

''پانچ امور فطرت کے قبیل سے ہیں: ختنہ کرانا، زیر ناف بال مونڈنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھ کا کم کرنا''

۷۔ **حلق** :(مونڈنا) یہ لفظ بھی نسائی میں ہے، جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔(۳)

انہی سات مختلف الفاظ کے مفہوم ومراد کو متعین کرنے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا، جس کی وجہ سے وہ اختلافات ہوئے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، گویا اختلاف کی بنیاد نصوص میں آنے والے مختلف الفاظ ہیں۔

لب کے دونوں کناروں کا حکم

لب کے دونوں کنارے جنھیں عربی میں ''سبالتین'' کہا جاتا ہے، اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف یہ ہے کہ یہ مونچھ میں داخل ہے، یا ڈاڑھی میں؟ جنھوں نے اسے مونچھ کا جزء

(۱) سنن النسائی رقم الحدیث:۱۲، حلق العانة
(۲) سنن النسائی الکبری رقم الحدیث:۹۲۴۴،باب الفطرة
(۳) فتح الباری ۳۴۶/۱۰،باب قص الشارب

قرار دیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جس طرح مونچھ کاٹی جائے، اسی طرح لب کے یہ دونوں کنارے بھی کاٹے جائیں گے، اور جن حضرات کے یہاں یہ ڈاڑھی میں داخل ہے، ان کا کہنا ہے کہ جس طرح ڈاڑھی کاٹنا درست نہیں ہے، اسی طرح لب کے دونوں کناروں کو کترنا درست نہیں ہے (۱) بعض حضرات نے لب کے دونوں کناروں کو یونہی چھوڑے رکھنے کو مذموم قرار دیا ہے، اور انہوں نے کاٹ ڈالنے کی تاکید کی ہے، ان حضرات کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے، جس میں ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے مجوس کے متعلق ذکر آیا کہ وہ لب کے دونوں کناروں کو بڑھاتے ہیں اور ڈاڑھی کو مونڈتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس کی مخالفت کرو، یہی وجہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ لب کے دونوں کناروں کو کاٹ دیا کرتے تھے (۲) مگر محققین کا کہنا ہے کہ لب کے کناروں کو نہ کٹانے اور اسے یونہی چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہے، نہ اس سے منہ ڈھکتے ہیں، نہ کھانے پینے کی چیزیں ان سے الجھتی ہیں، جو نظافت کے خلاف ہو، امام غزالی رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے (۳) علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے غرائب کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض اسلاف لب کے دونوں کناروں کو چھوڑ دیا کرتے تھے، کاٹتے نہ تھے (۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو لب کے دونوں کنارے بڑھانے کا حکم دیا گیا تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"کنا نومر أن نو فی السبال "(۵)

"ہم کو لب کے کنارے بڑھانے کا حکم دیا جاتا تھا"

اور لفظ "امر" آپ ﷺ کے ارشاد کی طرف مشیر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود

(۱) حوالہ سابق

(۲) حوالہ سابق: ۴۲۶/۱۰، باب قص الشارب

(۳) احیاء العلوم ۱۴۰/۱، القسم الثالث من النظافة الخ

(۴) شامی: ۴۰۷/۶، مسائل شتی، فصل فی البیع

(۵) مصنف ابن ابی شیبه رقم الحدیث: ۲۵۵۰۴، ما یومر به الرجل من اعفاء اللحیة والاخذ من الشارب

آپ ﷺ نے اس کے چھوڑنے اور نہ کاٹنے کی تاکید صحابہ کرام کو کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی لب کے دونوں کنارے نہیں کاٹتے تھے(١) اور جب غصہ میں آتے تو:

"فتل شاربه"(٢)

''اپنی مونچھ پر تاؤ دیتے تھے''

اسی وجہ سے علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل نمونہ ہے، اس لئے لب کے دونوں کناروں کو کاٹنا مناسب نہیں ہے(٣) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ دونوں کناروں کے بال نہ کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس زمانہ کے معتمد علماء کا عمل اسی پر ہے کہ وہ لب کے دونوں کنارے باقی رکھتے ہیں۔(٤)

لب کے دونوں کنارے کاٹنے کی حد

قول محقق تو یہی ہے کہ لب کے دونوں کناروں کے بال کاٹنا ضروری نہیں ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم واسلاف کے عمل سے ان کے چھوڑنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی کاٹنا چاہے تو انہیں کس حد تک کاٹے؟ اس سلسلے میں کوئی صریح روایت نہ مل سکی، البتہ اس کی اتنی مقدار لے لی جائے جس سے کھانے پینے کی اشیاء ان سے نہ الجھ سکے:

"وأما الحد من الطرفين فلم يثبت وتوخذ بقدر مالا توذى عند الأكل والشرب"(٥)

''لب کے دونوں کناروں کے بال کاٹنے کی حد کسی روایت سے ثابت نہیں ہے، ہاں اس کی اتنی مقدار ضرور کاٹ دی جائے جس سے کھانے پینے میں تکلیف نہ ہو''

---

(١) فیض الباری ١٤٦/٧، باب قص الشارب
(٢) فتح الباری ٣٤٩/١٠، باب تقليم الأظفار
(٣) فیض الباری ١٤٦/٧، باب قص الشارب
(٤) اشعة اللمعات ٢١٢/١، باب السواك
(٥) العرف الشذی مع الترمذی ٦١/٤، باب تقليم الاظفار

مونچھ بنانے کا طریقہ

جب مونچھ تراشنے کی ابتداء کرے تو اسے دائیں طرف سے تراشے، ایسا کرنا مستحب ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ویستحب أن یبدأ بالأیمن''(۱)

''مونچھ کاٹنے کی ابتداء دائیں طرف سے کرنا مستحب ہے''

اسے قینچی سے تراشے، دانتوں کے ذریعہ کترنا مناسب نہیں ہے۔(۲)

مونچھ کتنے وقفہ سے بنائے؟

ہفتہ میں کم از کم ایک بار مونچھوں کو کتر لینا چاہئے، کیونکہ اس سے زیادہ تاخیر کرنے میں بدنما معلوم ہوتا ہے(۳) اور بہتر یہ ہے کہ اس عمل کو جمعہ کے دن انجام دیا جائے، کیونکہ اس دن کو دیگر ایام پر خاص فضیلت حاصل ہے، حدیث میں جمعہ کے دن کو سید الایام کہا گیا ہے(۴) اس لئے اچھی ہیئت کے ساتھ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہونا چاہئے، آپ ﷺ کا معمول تھا:

''کان یأخذ أظفاره وشاربه کل جمعة''(۵)

''آپ ﷺ ہر جمعہ کو ناخن تراشتے اور مونچھ بناتے تھے''۔

لیکن جمعہ کے دن جمعہ کے نماز سے پہلے مونچھ بنالیا کرے، آپ ﷺ کا معمول یہی تھا،(۶) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(۷)

---

(۱) مرقاۃ ۱/۳۹۷، باب السواک
(۲) فتح الباری ۱۰/۳۴۸، باب قص الشارب
(۳) کشاف القناع ۱/۷۷، فصل الامتشاط والادهان
(۴) ابن ماجه رقم الحدیث ۱۰۸۴، باب فی فضل الجمعة
(۵) شرح السنة للبغوی رقم الحدیث:۳۱۹۷، باب التوقیت فی تقلیم الاظفار وقص الشارب
(۶) مرقاۃ: ۷/۲۸۱۶، باب الترجل
(۷) معرفة السنن والاثار رقم الحدیث :۶۶۵۹، باب الهیئة للجمعة

تاخیر کرنے کی آخری حد

بعض احادیث میں مونچھ بنانے میں تاخیر کرنے کی آخری حد چالیس دن بتائی گئی ہے، اس کے بعد تاخیر کرنے کی گنجائش نہیں ہے(۱) اگر کوئی اس کے بعد بھی تاخیر کرتا ہے تو وہ مکروہ تحریمی کا مرتکب ہوگا۔(۲)

مونچھ بنانے میں مدد

اگر مونچھ خود سے اچھی طرح بنا سکتا ہو تو بہتر ہے کہ خود بنائے، اور اگر خود سے اچھی طرح نہ بنا سکتا ہو، بلکہ ایسا بھدا بن جاتا ہو کہ دیکھنے والوں کو برا معلوم ہونے لگے یا آئینہ موجود نہ ہو تو نائی وغیرہ سے بھی مونچھ بنوا سکتا ہے(۳) کیونکہ مونچھ بنانے میں دوسروں سے مدد لینا مروت کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ بغل کے بال کی صفائی میں دوسروں سے مدد لینا مروت کے خلاف ہے(۴) آپ ﷺ نے بھی دوسروں سے اپنی مونچھ بنائی ہے، حضرت طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

"أن حجاما أخذ من شارب النبی ﷺ فرأی شیبة فی لحیته فأهوی إلیها فأخذ النبی ﷺ بیده وقال من شاب شیبة فی الإسلام کانت له نورا یوم القیامة" (۵)

"ایک نائی آپ ﷺ کی مونچھ بنا رہا تھا کہ اس نے آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں سفید بال دیکھ کر اسے جدا کرنا چاہا، تو آپ ﷺ نے اسے روکا، اور فرمایا: جس کے بال حالت اسلام میں سفید ہوئے تو قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور ہوگا"

اس لئے علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(۱) زاد المعاد۱۷۲/۱، فصل فی هدیه ﷺ فی قص الشارب
(۲) شامی۴۰۶/۶، مسائل شتی ، فصل فی البیع
(۳) فتح الباری۳۴۸/۱۰، باب قص الشارب
(۴) فتح الباری۳۴۸/۱۰، باب قص الشارب، عمدة القاری۴۵/۲۲، باب قص الشارب
(۵) مصنف ابن ابی شیبه رقم الحدیث:۲۵۹۵۲، فی نتف الشیب

”وھو مخیر بین القص بنفسه وبین أن یولی ذلک غیره لحصول المقصود“ (۱)

’’مونچھ تراشنے میں اختیار ہے ،خواہ خود تراشے یا دوسروں سے ترشوائے ، کیونکہ مقصود (مونچھ کا بنانا) دونوں صورتوں میں حاصل ہوجاتا ہے‘‘۔

بال کو دفن کردے

مونچھ کے کترے ہوئے بال کو احتیاط سے جمع کر کے کسی پاک جگہ پر دفن کردینا چاہئے ، کیونکہ یہ جزو انسان ہونے کی وجہ سے لائق تکریم ہے،اور ادھر ادھر ڈال دینا تکریم کے خلاف ہے، نیز ان بالوں پر جادو کا اثر بھی جلد ہوجاتا ہے،اس لئے اس لحاظ سے بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ اسے دفن کردیا جائے (۲) حمام ، بیت الخلاء یا اس جیسی ناپاک جگہ پر ڈال دینے سے بیماری کا بھی اندیشہ ہے ، اس لئے فقہاء ان جگہوں پر بالوں کو ڈالنا مکروہ قرار دیتے ہیں۔(۳)

---

(۱) عمدة القاری ۴۵/۲۲،باب قص الشارب

(۲) فتح الباری ۳۴۵/۱۰،باب قص الشارب

(۳) مرقاة ۲۸۱۵/۷، باب الترجل

مونچھ کے کچھ اور احکام

وضو میں مونچھ کا دھونا

مونچھ کے بال اگر گھنے ہوں، اندر کی کھال نظر نہ آتی ہو تو وضو میں صرف بال کا دھو لینا کافی ہے، اندر کھال تک پانی کا پہونچانا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر بال گھنے نہ ہوں، اور اوپر سے کھال نظر آتی ہو تو اندر کھال تک پانی پہونچانا ضروری ہوگا، چنانچہ برہان میں ہے:

"یجب غسل بشر ة لم یسترھا الشعر کحاجب وشارب (در) قولہ لم یسترھا الشعر أما المستورة فساقط غسلھا للحرج "(۱)

''اگر بھوؤں اور مونچھ کے بال سے کھال نہ ڈھکی ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے، اور اگر ڈھک گئی ہو تو وہاں تک پانی پہونچانا چونکہ باعث حرج ہے، اس لئے کھال کا دھونا ضروری نہیں ہے''

البتہ اگر مونچھ کے بال گھنے ہوں اور اتنے بڑھ گئے ہوں کہ ہونٹوں کا کنارہ بھی ان سے پوری طرح چھپ گیا ہو تو اندر تک پانی چونکہ انگلیوں سے خلال کے بغیر نہیں پہونچ سکے گا، اس لئے خلال کرنا ضروری ہوگا، تا کہ پانی ہونٹ کے کنارے تک پہونچ جائے، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فتاوی سراجیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"تخلیل الشارب الساتر حمرة الشفتین واجب "(۲)

''مونچھ کے بال سے اگر ہونٹ کے کنارے کی سرخی چھپ جائے تو (انگلیوں سے) خلال کر کے اس تک پانی پہونچانا ضروری ہے''

---

(۱) شامی :۱۰۱/۱، ارکان الوضوء (۲) حوالہ سابق

مونچھ کا غسل میں دھونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"إن تحت کل شعرة جنابة فاغسلوا الشعر وأنقوا البشر" (۱)

''ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے، لہذا بال اور کھال کو اچھی طرح دھویا کرو''

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من ترک موضع شعرة من جنابة لم یغلسها فعل بها کذا و کذا من النار ''(۲)

''جو غسل جنابت میں ایک بال بھی دھونا چھوڑ دے گا تو اسے جہنم میں سخت سزا دی جائے گی''

یہ اور ان جیسی دیگر احادیث کی بناء پر فقہاء کا کہنا ہے کہ غسل جنابت میں مونچھ کے اندر تک پانی پہونچانا ضروری ہے، خواہ مونچھ گھنی ہو یا ہلکی، بہر صورت کھال تک پانی پہونچانا ضروری ہے، چنانچہ درمختار اور شامی میں ہے:

"ویجب أی یفرض غسل کل ما یمکن من البدن بلا حرج مرة کأذن وسرة وشارب (در) وإن کثف بالإجماع "(۳)

''کان، ناف اور مونچھ وغیرہ بدن کے ایسے اعضاء ہیں جن کا بلا مشقت غسل میں دھونا ممکن ہے، لہذا ایسے اعضاء کا ایک بار دھونا بالاتفاق ضروری ہے، خواہ مونچھ کے بال گھنے ہی کیوں نہ ہوں''

وضو و غسل کے بعد مونچھ کاٹنا

مناسب تو یہ ہے کہ پہلے مونچھ بنالیا کرے پھر وضو یا غسل کرے، لیکن اگر کسی نے

---

(۱) ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸، باب فی الغسل من الجنابة

(۲) حوالہ سابق رقم الحدیث: ۲۴۹

(۳) شامی ۱۵۲/۱، فرض الغسل

پہلے وضو یا غسل کرلیا اور بعد میں اپنی مونچھ کتری تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، مونچھ کاٹنے کے بعد نہ تو اس جگہ کا دھونا ضروری ہے، اور نہ ہی وضو اور غسل کا اعادہ لازم ہے (۱) کیونکہ مونچھ کے کترنے سے کئے ہوئے وضو و غسل پر کوئی اثر نہیں پڑا، وہ تو جوں کا توں باقی ہے، یونس بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مونچھ کے بال کترنے سے تو مزید طہارت ہی حاصل ہوئی ہے، لہٰذا کترنے کے بعد اس مقام کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲)

معتکف کا مونچھ بنانا

اگر اعتکاف کی حالت میں کوئی شخص اپنی مونچھ کترے، اور ظاہر ہے کہ وہ اپنے اس عمل کو مسجد ہی میں انجام دے گا، تو اس کا حالت اعتکاف میں مسجد ہی میں اپنی مونچھ تراشنا درست ہے، البتہ اس بات کا خیال رہے کہ بال ادھر ادھر نہ گرے، اور مسجد بالوں سے ملوث نہ ہو، سارے بالوں کو چن کر جمع کرلیا جائے اور انھیں مسجد سے باہر دفن کردیا جائے، تاکہ مسجد کی حرمت واحترام میں کوئی فرق نہ آئے، حالت اعتکاف میں مونچھ بنانے پر اگرچہ کوئی صریح دلیل نہیں ہے، تاہم نبی کریم ﷺ سے اعتکاف کی حالت میں مونچھ کا نہ بنوانا منقول نہیں ہے، اور نہ ہی آپ ﷺ نے اس حالت میں مونچھ بنانے سے روکا ہے، لہٰذا اصل تو اس کا مباح ہونا ہی ہے، جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہوجائے، اور دلیل اس کے خلاف ہے نہیں، اس لئے معتکف کے لئے مسجد میں مونچھ بنانا درست ہے۔ (۳)

قربانی کرنے والے کا مونچھ بنانا

جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہو، تو بہتر ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آجانے کے بعد سے قربانی کرنے تک اپنی مونچھ نہ بنائے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) درمختار مع الشامی ۱/۱۰۱، ارکان الوضوء

(۲) المغنی ۱/۸۷، تقدیم النیة علی الطهارة

(۳) موسوعہ ۳۲۴/۲۵، أخذ المعتکف من شاربه

''إذا رأيتم هلال ذی الحجة وأراد أحدكم أن يضحی فليمسک عن شعره وأظفاره''(۱)

''جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو، اور تمہیں قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو بال اور ناخن نہ کاٹا کرو''

احرام کی حالت میں مونچھ بنانا

احرام کی حالت میں چونکہ بدن کے کسی بھی حصہ کا بال کاٹنا ممنوع ہے، قرآن پاک میں سر کے بال مونڈنے کی صراحۃً ممانعت آئی ہے:

''ولا تحلقوا رؤوسكم''(۲)

''اور اپنے سر کے بال نہ منڈاؤ''

اسی بناء پر فقہاء لکھتے ہیں کہ سر کے علاوہ دیگر اعضاء کے بال کاٹنے کا بھی یہی حکم ہے کہ اسے نہ کاٹا جائے، لہٰذا مونچھ کو بھی اس حالت میں تراشنا درست نہیں ہے۔(۳)

میت کی مونچھ بنانا

مونچھ کے بال کترنا چونکہ ایک قسم کی زینت ہے، جو زندہ افراد کے لئے تو موزوں ہے، لیکن مردوں کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کسی کا انتقال خواہ احرام کی حالت میں ہوا ہو، یا عام حالت میں، بہرحال اس کی مونچھ اپنے حال پر رہنے دی جائے، خواہ وہ بڑی ہی کیوں نہ ہوں، کاٹنا ان کا مکروہ ہے۔(۴)

(۱) مسلم رقم الحديث :۱۹۷۷،باب نهی من دخل عليه عشرذی الحجه
(۲) البقرہ:۱۹۶
(۳) شامی :۵۵۰/۲،باب الجنايات فی الحج
(۴) موسوعہ۲۲۴/۲۵،الاخذ من شارب الميت

فصل سوم

مانگ نکالنا

مانگ نکالنا بھی امور زینت میں سے ہے، مانگ نکالنے سے انسان باوقار اور سلیقہ مند معلوم ہوتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مانگ نکالنے کو بھی امور فطرت میں سے شمار کیا گیا ہے(۱) مصنف ابن ابی شیبہ میں جن چھ امور کا فطرت ابراہیمی کے قبیل سے ہونا منقول ہے، ان میں سے ایک مانگ نکالنا بھی ہے(۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب مانگ نہیں نکالتے تھے، اور مشرکین عرب مانگ نکالا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کی ابتداء میں عادت شریفہ یہ تھی کہ جن امور کے بارے میں کوئی صریح حکم نہ ہوتا تو ان میں اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت میں ابتداءً مانگ نہ نکالتے تھے، لیکن بعد میں بحکم الٰہی مانگ نکالنے لگے۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ مشرکین ایمان وایمانیات سے بالکل دور تھے، خدا اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق ان کے اعتقادات غلط تھے، جبکہ اہل کتاب ایمان سے قریب تھے، دین وشریعت کے قائل تھے، اسی لئے آپ ﷺ اہل کتاب کی تالیف قلب کے واسطے ان کی شریعت پر ابتداء عمل فرمالیا کرتے تھے؛ لیکن جب مشرکین مکہ حرم اسلام میں داخل ہوگئے، اور اہل کتاب اپنے کفر پر جمے ہی رہے تو پورے طور پر اہل کتاب کی مخالفت کرنے کا حکم آپ ﷺ کو دے دیا گیا۔(۴)

(۱) فتح الباری ۱۰/۳۱۴، باب قص الشارب
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۴۹، فی الفطرة مایعد فیها
(۳) بخاری رقم الحدیث ۳۵۵۸، باب صفة النبی ﷺ
(۴) فتح الباری ۶/۵۷۴، باب صفة النبی ﷺ

مانگ نکالنے کا طریقہ

مانگ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ سر کے بالکل بیچوں بیچ سے بال کے دو حصے کر دیئے جائیں (۱) اور مانگ نہ نکالنے (سدل) کی شکل یہ ہے کہ بالوں کو پیچھے کی جانب یونہی کر دیا جائے، اس کے دو حصے نہ کئے جائیں (۲) آپ ﷺ جب مانگ نکالتے تھے تو سر کے بیچوں بیچ سے بال کے دو حصے کر دیتے تھے، لہذا مانگ نکالتے وقت آپ ﷺ کے اس اسوہ کی پیروی کرنی چاہئے، آجکل جو دائیں بائیں مانگ نکالنے کا طریقہ رائج ہے، وہ اسلامی طریقہ نہیں ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے،

مانگ نکالنے کا شرعی حکم

مانگ نکالنا شرعاً محمود و بہتر ہے، واجب و سنت موکدہ نہیں ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

"والصحيح أن الفرق مستحب لاواجب وهو قول الجمهور" (۳)

"جمہور کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مانگ نکالنا مستحب ہے واجب نہیں ہے"

کیونکہ بعض صحابہ کرام ﷺ مانگ نکالا کرتے تھے، جبکہ بعض نہیں نکالتے تھے، اوران میں سے کوئی دوسرے پر نکیر نہیں کرتا تھا (۴) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون میں دونوں عمل (مانگ نکالنا اور نہ نکالنا) بلا کسی نکیر کے رائج تھا، اسی بناء پر امام نووی رحمہ اللہ نے مانگ نہ نکالنا (سدل) اور مانگ نکالنا (فرق) دونوں کو جائز قرار دیا ہے جائز اگر چہ دونوں ہیں، لیکن چونکہ آپ ﷺ کا آخری عمل مانگ کا نکالنا تھا، اس لئے مانگ نہ نکالنے کے مقابلے

---

(۱) جمع الوسائل ۸۰/۱، باب ماجاء فی شعر رسول الله ﷺ

(۲) حوالہ سابق ۳۵، باب ما جاء فی خلق رسول الله ﷺ

(۳) عمدة القاری ۵۶/۲۲، باب الفرق

(۴) فتح الباری ۳۶۲/۱۰، باب الفرق

میں مانگ کا نکالنا بہتر ہوگا (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کے لئے جو شرطیں لگائی تھیں، ان میں ایک شرط یہ تھی کہ وہ مانگ نہ نکالا کریں، کیونکہ مانگ نکالنے سے مسلمانوں سے مشابہت لازم آئے گی۔(۲)

البتہ مانگ نکالنے پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا معمول بیان کرتے ہیں:

"إن انفرقت عقيصته فرق وإلافلا"(۳)

''اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے، ورنہ چھوڑ دیتے تھے''

مانگ میں خوشبو لگانا

نبی کریم ﷺ کو چونکہ خوشبو بہت زیادہ پسند تھی، کثرت سے استعمال فرماتے تھے، آپ ﷺ مانگ نکالتے تو اس پر بھی خوشبو لگالیا کرتے تھے، ایک مرتبہ احرام باندھنے سے قبل جب آپ ﷺ نے بالوں میں کنگھا کیا تھا، اور مانگ نکالی تھی تو مانگ میں بھی خوشبو لگائی تھی، جس کا اثر احرام باندھنے کے بعد بھی باقی تھا (۴) چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كأني أنظر إلى وبيص الطيب في مفرق النبي ﷺ وهو محرم"(۵)

''مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں حضور ﷺ کی مانگ میں لگی ہوئی خوشبو کے نشانات دیکھ رہی ہوں، جبکہ آپ ﷺ محرم تھے''

---

(۱) عمدة القاری ۵۶/۲۲ ،باب الفرق
(۲) مسألة فی الكنائس ۱۳۵/۱، الشروط العمريه التی كانوا ملتزمين بها
(۳) شعب الايمان رقم الحديث:۱۳۶۲ فصل فی خلق رسو ل الله ﷺ
(۴) مسلم رقم الحديث:۱۱۹۰،باب الطيب للمحرم
(۵) بخاری رقم الحديث:۲۷۱، باب من تطيب ثم اغتسل الخ

خاتمہ

جن امور فطرت کا بیان اس کتاب میں تحریر کرنا پیش نظر تھا، ان کا بیان یہاں تک مکمل ہو چکا، لیکن مزید دو عنوانات جو اگرچہ امور فطرت کے قبیل سے نہیں ہیں، اور کسی حدیث سے ان کا امور فطرت میں داخل ہونا بھی ثابت نہیں ہے، یعنی جسم کے دیگر اعضاء کے بال، اور خضاب لگانے کا بیان، مگر ان کا بہر حال زیب وزینت سے تعلق ہے، اور اس تیسرے باب میں جن امور فطرت کا ذکر تھا ان کی تفصیلات سے بھی آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ ان سب کا تعلق زیب وزینت سے ہے، تو اس مناسبت کے سبب ان دونوں عنوانات کے ذیل میں بعض ضروری تفصیلات اگلے صفحات میں پیش کی جارہی ہیں، ان دونوں عنوانات کی خاص طور سے مانگ نکالنے سے بھی مناسبت ہے، کیونکہ یہ عمل اسی وقت انجام دیا جاسکتا ہے جب کہ سر پر بال ہوں، اسی طرح خضاب بھی اسی وقت لگایا جاسکتا ہے، جبکہ بال موجود ہوں، اور جسم کے دیگر اعضاء کے بال کا تعلق فرق (مانگ نکالنے) کے علاوہ ڈاڑھی اور مونچھ سے ہونا بھی ظاہر ہے، لہذا سب سے پہلے ''جسم کے دیگر اعضاء کے بال'' کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔ اسکے بعد خضاب کی تفصیل پیش کی جائیگی۔

جسم کے دیگر اعضاء کے بال

سر کے بال

احادیث میں آپ ﷺ کے سر کے بال کی مختلف مقدار بیان کی گئی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بال نصف کان تک تھے:

''كان شعر رسول الله ﷺ إلى أنصاف أذنيه'' (۱)

''آپ ﷺ کے بال نصف کان تک تھے''

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے بال کان کی لو تک ہوتے تھے:

''شعره يبلغ شحمة أذنيه'' (۲)

''آپ ﷺ کے بال مبارک کان کی لو تک تھے''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے سر کے بال مونڈھوں تک تھے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''كان يضرب شعره منكبيه'' (۳)

''نبی کریم ﷺ کے سر کے بال مونڈھوں تک تھے''

حافظ ابوالفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بالوں کی مقدار کے متعلق احادیث میں تین طرح کے الفاظ مروی ہیں: ◆ جمہ ◆ وفرہ اور ◆ لمہ اور تینوں کے معانی الگ الگ ہیں، اور وہ درج ذیل ہیں:

---

(۱) مسلم رقم الحديث:۲۳۳۸، باب صفة شعر النبی ﷺ

(۲) بخاری رقم الحديث:۵۹۰۱، باب الجعد

(۳) بخاری رقم الحديث:۵۹۰۳، باب الجعد

وفرہ: سر کے اس بال کو کہتے ہیں جو کان کی لو تک پہونچ جائیں۔

لمہ: اس بال کو کہتے ہیں جو کان کی لو سے نیچے تک ہوں۔

جمہ: اس بال کو کہتے ہیں جو مونڈھوں تک پہونچ جائیں۔

جمہور اور اہل لغت نے ان تینوں الفاظ کی یہی تعریف کی ہے(۱) اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں آپ ﷺ کے سر کے بال کی چھ مختلف کیفیات کا ذکر ہے، چنانچہ ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ آپ کے بال کبھی ◆ نصف کانوں تک ◆ کبھی کانوں کی لو تک ◆ کبھی کان کی لو اور کندھوں کے درمیان تک ◆ کبھی کندھوں تک ◆ کبھی کندھوں کے قریب تک اور ◆ کبھی چار چوٹیوں کی شکل میں ہوا کرتے تھے،(۲) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بالوں کے سلسلے میں مقدار و کیفیت کا یہ اختلاف درحقیقت احوال و زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ جب آپ ﷺ بال نہیں بنواتے تھے تو مونڈھوں تک آ جاتے تھے، اور جب بنوا لیتے تھے تو نصف کان تک ہو جاتے تھے، پھر جب بڑھ جاتے تو کان کی لو تک آ جاتے، کچھ اور بڑھ جاتے تو کان اور مونڈھے کے درمیان تک ہو جاتے تھے۔(۳)

سر کے بال میں آپ ﷺ کا معمول

عام طور پر آپ ﷺ اپنے سر کے بال رکھا کرتے تھے، آپ ﷺ سے حج و عمرہ کے علاوہ کسی اور موقع پر سر کے بال کا منڈانا ثابت نہیں ہے، علامہ مناوی رحمہ اللہ بعض شارحین مصابیح کے حوالے سے آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لم يحلق رأسه في سني الهجرة إلا عام الحديبية ثم عام عمرة القضاء ثم عام حجة الوداع"(۴)

---

(۱) جمع الوسائل:۱/۷۶، باب ما جاء في شعر رسول الله ﷺ

(۲) حوالہ سابق:۱/۸۱

(۳) حوالہ سابق

(۴) حوالہ سابق:۱/۸۲

''ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ، عمرۃ القضاء، اور حجۃ الوداع کے علاوہ کسی اور موقع پر سر کے بال کو نہیں منڈایا ہے''

اسی لئے سر پر بال کا رکھنا افضل ہے(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بال رکھنا حضور ﷺ کا بطور عادت کے ہے نہ کہ بطور عبادت کے، اس لئے اولی ہونے میں تو شبہ نہیں''(۲)

سر پر بال رکھے تو اس کا اکرام کرے

سر کے بال رکھنا اولی وافضل ایسے شخص کے حق میں ہے جو بالوں کی نگہداشت کرسکتا ہو، اور اس کی صفائی وستھرائی پر خاطر خواہ توجہ دے سکتا ہو، آپ ﷺ کا معمول تھا کہ بالوں میں کثرت سے تیل لگاتے اور کنگھا کر کے الجھے ہوئے بالوں کو درست فرماتے (۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سر میں بکثرت تیل لگاتے تھے حتی کہ آپ ﷺ کا کپڑا تیلی (زیات) کے کپڑے کی طرح ہوجاتا تھا(۴) تیل سے عمامہ اور ٹوپی کو بچانے کے لئے آپ ﷺ سر پر کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھتے تھے، یہ کپڑا عموماً تیل سے تر رہا کرتا تھا، جو تیلی کے کپڑے کی طرح معلوم ہوتا تھا(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ دن میں دوبار تیل لگاتے تھے۔(۶)

سر میں تیل لگانے کا مسنون طریقہ

جب سر میں تیل لگانے کا ارادہ ہو تو تیل کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھیں، پھر بسم اللہ پڑھ کر سب سے پہلے ابرو پھر آنکھوں پر لگائیں، اس کے بعد سر پر لگانا شروع کریں، حضرت

---

(۱) احسن الفتاوی ۸/۸۱، بالوں کے احکام
(۲) امداد الفتاوی ۴/۲۲۴، بالوں کے حلق وقصر اور خضاب کے احکام
(۳) شمائل ترمذی رقم الحدیث:۳۳، باب ما جاء فی ترجل رسو ل اللہ ﷺ
(۴) حوالہ سابق
(۵) جمع الوسائل ۱/۸۴، باب ما جاء فی ترجل رسول اللہ ﷺ
(۶) مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۵۵۵۸، فی الدھن کل یوم

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ سر میں تیل لگاتے تو اسے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھتے، اور ابرو پھر آنکھوں پر لگاتے، اس کے بعد سر پر لگاتے (۱) حضرت نافع قریشی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، جو تیل لگائے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو ستر شیاطین اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں (۲) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی سر میں تیل لگانے کا ارادہ کرے تو پہلے ابرو پر تیل لگائے، کیونکہ اس سے سر کا درد دور ہوگا (۳) اور سر میں تیل لگانے کی ابتداء پیشانی کی طرف سے کرے، آپ ﷺ کا یہی عمل تھا۔ (۴)

سر میں کنگھا کرنا

حضور ﷺ بالوں میں کنگھا بھی کرتے تھے، روایتوں سے ثابت ہے کہ کبھی آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتے تھے، اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس عمل کو انجام دیا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كنت أرجل رأس رسول الله ﷺ وأنا حائض"(۵)

"میں حائضہ ہونے کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے سر میں کنگھا کیا کرتی تھی"

ایک صحابی رضی اللہ عنہ جب بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ کو بڑی ناگواری ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ کوئی چیز (کنگھا وغیرہ) نہیں پاتا جس سے اپنے بال کو درست کر لیتا؟ (۶) حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت

---

(۱) کنزالعمال رقم الحدیث:۱۸۲۹۹، الباب الثالث فی شمائل تتعلق بالعادات الخ
(۲) عمل الیوم واللیلة لابن السنی رقم الحدیث:۱۷۴، باب التسمیة إذا ادهن
(۳) عمل الیوم واللیلة لابن السنی رقم الحدیث:۱۷۵، باب التسمیة اذا ادهن
(۴) اسوۂ رسول اکرم ص:۱۳۹، سر میں تیل کا استعمال
(۵) بخاری رقم الحدیث:۵۹۲۵، باب ترجیل الحائض زوجها
(۶) سنن النسائی رقم الحدیث:۵۲۳۶، تسکین الشعر

ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ جن کے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے تھے، وہ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے ان کی اس حالت کو ناپسند فرمایا، اور بالوں کو درست کرنے کا حکم دیا، جب وہ درست کر کے دوبارہ حاضر خدمت ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ حالت اس حالت سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی مجلس میں آئے اور اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں (اور دیکھنے والوں کو اس کی صورت) شیطان جیسی معلوم ہو؟ (۱)

سر میں کنگھا کرنے کا طریقہ

زیب وزینت والے امور میں خاص طور سے آپ ﷺ کو داہنی طرف سے ابتداء کرنا پسند تھا، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ وضو کرنے میں، کنگھا کرنے میں اور جوتا پہننے میں داہنی طرف کو مقدم رکھتے تھے (۲) اس لئے کنگھا کرتے وقت اس طریقہ کو ضرور اپنانا چاہئے، جو لوگ سامنے سے یا بیچ سے کنگھا کرنا شروع کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے معمول کے خلاف ہے، اس سے خاص طور سے بچنا چاہئے،

کنگھا کیسا ہو؟

کنگھے کا مقصد ہے الجھے ہوئے بالوں کو درست کرنا، لہذا جس سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جائے، کافی ہے، البتہ آپ ﷺ کی کنگھی کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ہاتھی کے دانت کی تھی (۳) اس لئے اگر کوئی ہاتھی کے دانت کے کنگھے کو سنت سمجھ کر استعمال کرے تو مزید ثواب کا مستحق ہوگا، حضرت عروہ رحمہ اللہ بھی ہاتھی کے دانت کی کنگھی استعمال کرتے تھے۔ (۴)

الجھے ہوئے بالوں کو درست کرنے کے لئے آئینہ دیکھنا

اگر الجھے ہوئے بالوں کو درست کرنے کیلئے آئینہ دیکھنے کی ضرورت محسوس ہو تو آئینہ بھی سامنے رکھ سکتا ہے (۵) آپ ﷺ جب آئینہ میں چہرۂ انور کو دیکھتے تو یہ الفاظ زبان پر ہوتے:

(۱) موطا امام مالك رقم الحديث:٣٤٩٤،باب اصلاح الشعر
(۲) بخاری رقم الحديث:١٦٨،باب التيمن فى الوضوء
(۳) طبقات ابن سعد ١/٣٧٥،ذكر مشط رسول الله ﷺ
(۴) مصنف ابن ابى شيبه رقم الحديث :٢٥٥٥١،فى الرجل يمتشط بالمشط
(۵) كشاف القناع ١/٧٧،فصل الامتشاط والادهان

"اللهم أنت حسنت خلقي فحسن خلقي"(١)

''میرے اللہ تو نے جس طرح میری تخلیق کو بہتر بنایا ہے، ایسے ہی میرے اخلاق وعادات کو بہتر بنا''

سر کے بال منڈانا

جیسا کہ گذشتہ سطور میں اس کی وضاحت آچکی ہے کہ جو سر کے بال رکھے تو اس کا اکرام بھی کرے، اکرام ہی کے قبیل سے تیل لگانا، کنگھا کرنا اور بالوں کو صاف ستھرا رکھنا ہے(۲) لیکن جو بالوں کے حقوق ادا نہ کرسکتا ہو، اور اس کی صفائی وستھرائی کا مناسب خیال نہ رکھتا ہو تو اس کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ بال نہ رکھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سر کے بال منڈا دیا کرتے تھے (۳) اور اسی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بچوں کے سر کے بال کو منڈوایا ہے (۴) اسی لئے علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سر کے بال منڈانے میں کوئی کراہت نہیں ہے(۵) مرقاۃ میں ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی سر کے بال کو منڈانا جائز ہے(۶) فتاوی ہندیہ میں ہے کہ ہر جمعہ کو سر کے بال کا منڈانا مستحب ہے۔(۷)

سر کے بال منڈانے کا طریقہ

سر کے بال منڈانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے سر کا دایاں حصہ منڈوایا جائے، پھر بایاں حصہ، مگر ایک قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف یہ بھی منسوب ہے کہ آپ نے مونڈنے والے کی داہنی جانب کا اعتبار کیا ہے، اس لحاظ سے منڈانے والے کا عام طور پر بایاں ہوجاتا ہے، مگر ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک تو اس قول کی نسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

---

(١) صحيح ابن حبان رقم الحديث٩٥٩،ذكر ما يستحب للمرء أن يسأل الله الخ

(٢) مرقاة ٢٨٢٧/٧، باب الترجل

(٣) ابوداؤد رقم الحديث:٢٤٩، باب الغسل من الجنابة

(٤) سنن النسائى رقم الحديث :٥٢٢٧،حلق رؤوس الصبيان

(٥) عمدة القارى:٥٨/٢٢،باب القزع

(٦) مرقاة ٢٨١٨/٧،باب الترجل

(٧) الفتاوى الهندية٣٥٧/٥،الباب التاسع عشر فى الختان الخ

کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے، اور اگر کسی درجہ میں صحیح مان لیا جائے تو یہ کہا جائیگا کہ انہوں نے اس سے رجوع فرمالیا ہے، کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنے سر کے بال منڈاتے وقت پہلے دائیں جانب کے بال منڈوایا تھا، اس کے بعد بائیں جانب کے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب حجۃ الوداع کے موقع سے منی تشریف لائے، تو پہلے آپ ﷺ نے رمی جمار کی، پھر اپنی قیامگاہ (جو منی ہی کے ایک حصہ میں عارضی طور پر بنادی گئی تھی) پر تشریف لائے اور قربانی کی، اس کے بعد:

"دعا بالحلاق وناول الحالق شقه الأيمن فحلقه ...... ثم ناول الشق الأيسر فقال احلق فحلقه"(۱)

"آپ ﷺ نے نائی کو بلایا، اور سر کا دایاں جانب مونڈنے کو کہا، چنانچہ اس نے مونڈ دیا، پھر آپ ﷺ نے بایاں حصہ مونڈنے کو کہا، چنانچہ اس نے اسے بھی مونڈ دیا"

آج کل نائی سر کے بال بناتے وقت عموماً بیچ سے شروع کرتا ہے، دائیں جانب کے بالکل لحاظ نہیں کرتا ہے، اور بنوانے والے حضرات بھی اس کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، یہ مسنون طریقہ کے خلاف ہے، نائی کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، اور اگر وہ اس سے غفلت برتتا ہے تو بنوانے والے کو چاہئے کہ اس کو داہنی جانب سے بنانے کی ہدایت کرے، تاکہ سنت کے مطابق سر کے بال بن سکیں۔

سر کے بال قینچی سے تراشنا

سر کے بال قینچی سے چھوٹا کرنا بھی درست ہے، سنت کے خلاف نہیں ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إني قصرت من رأس النبي ﷺ عند المروه بمشقص"(۲)

---

(۱) مرقاۃ :۱۸۳۰/۵، باب الحلق

(۲) مسلم رقم الحديث:۱۲۴۶، باب التقصير في العمرة

''میں نے نبی ﷺ کے سر کے بال کو مروہ مقام کے پاس قینچی سے
تراشا ہے''

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ عمرۃ جعرانہ کا ہے، اسی میں آپ ﷺ نے سر کے بال کو قینچی سے ترشوایا تھا، (۱) مگر خیال رہے کہ سر کے بال قینچی سے ترشواتے وقت ہر طرف کے بال یکساں طور پر لئے جائیں، کسی جگہ کم اور کسی جگہ زیادہ کاٹنا درست نہیں ہے، آجکل قینچی سے بال ترشواتے وقت اگلے حصہ کے بال کو کم چھوٹا کیا جاتا ہے، اور پچھلے حصہ نیز کانوں کے اوپر کے بال کو زیادہ چھوٹا کیا جاتا ہے، یہ سنت کے خلاف ہے، نائی کو بال بنواتے وقت یکساں کرنے کی ہدایت کرنی چاہئے۔

عورتوں کے سر کے بال

بالوں کے مونڈنے اور کترنے کے یہ احکام تو مردوں کے تھے، عورتوں کے حق میں سر کے بال چونکہ خلقی طور پر زیب وزینت میں داخل ہیں، اس میں تراش خراش کرنا شرعا زینت کے خلاف اور خلقت الٰہی میں ایک طرح کا تغیر شمار ہوگا، تکملہ بحر میں ہے کہ آسمان پر موجود فرشتوں کی تسبیح ہے:

"سبحان من زين الرجال باللحى والنساء بالذوائب" (۲)

''پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے اور عورتوں کو
چوٹیوں سے زینت بخشی''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو سر کے بال منڈانے سے منع فرمایا ہے (۳) حج وعمرہ کے احرام سے نکلنے کیلئے بھی عورتوں کے ذمہ سر کے بال منڈانا نہیں ہے، بلکہ انگلی کے پوروں کے برابر چھوٹا کرنے کا حکم ہے (۳) اس لئے عورتوں کے لئے یہ

(۱) مرقاۃ ۱۸۲۸/۵، باب الحلق
(۲) تكمله البحر الرائق ۳۷۷/۸، فصل فی بیان ما یلحق بدیة النفس
(۳) ترمذی رقم الحدیث: ۹۱۴، باب ما جاء فی كراهية الحلق للنساء
(۴) البحر الرائق ۳۸۱/۲، فصل لم یدخل مكة ووقف بعرفة

جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے سر کے بال مونڈوائے یا اسے ترشوائے (۱) البتہ اگر سر میں زخم ہو، یا شدید قسم کا درد ہو، اور بال کٹانے سے حسب مشورہ ڈاکٹر اس میں کمی ہوسکتی ہو تو حسب ضرورت منڈانا یا کم کرانا درست ہے، مرض کے علاوہ باقی کسی صورت میں بالوں کی تراش وخراش درست نہیں ہے۔(۲)

ابرو کے بال

ابرو کے بال اگر بڑھ جائیں، یا آنکھوں پر آ جائیں تو اسے قینچی وغیرہ سے کم کردیا جائے، استرہ وغیرہ سے بالکل مونڈ دینا مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے چہرہ بھدا معلوم ہونے لگتا ہے، فتاوی ھندیہ میں ہے:

"ولا بأس بأخذ شعر الحاجبين "(۳)

''ابرو کے بال مناسب حد تک کترنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے''

ناک کے بال

مسند فردوس میں حضرت عبداللہ بن بشیر رحمہ اللہ سے مرفوعاً منقول ہے:

''لاتنتفوا الشعر الذی یکون فی الأنف فإنه یورث الأكلة ولكن قصوه قصا''(۴)

''ناک کے بال مت اکھاڑا کرو، کہ اس سے مرض آکلہ پیدا ہوتا ہے، ہاں اسے (قینچی وغیرہ) سے کاٹ سکتے ہو''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ناک کے بال پورے طور پر صاف کرنا بہتر نہیں ہے، بلکہ کچھ نہ کچھ بال ناک میں ضرور رہنا چاہئے، تا کہ جذام سے حفاظت رہے (۵) طبی تحقیقات کی روشنی میں بھی ناک کے اندر بالوں کا باقی رہنا ضروری ہے، جذام (کوڑھ)

---

(۱) شامی ۴۰۷/۶، مسائل شتی ، فصل فی البیع

(۲) الفتاوی الهندية: ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر فی الختان الخ

(۳) الفتاوی الهندية: ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر فی الختان الخ

(۴) الفردوس بماثو ر الخطاب رقم الحديث: ۷۴۰۶، باب لام الف

(۵) المنهل العذب ۱۸۷/۱، مذاهب العلماء فی حکم اللحية

کا خطرناک حملہ عموماً انسانی چہرہ اور ناک پر ہوتا ہے، ڈاکٹر کیور کے مشاہدات کے مطابق کوڑھ کے جراثیم ناک کے ذریعہ داخل ہوا کرتے ہیں، اگر ناک میں بال ہونگے تو وہ جراثیم بالوں میں اٹک جائیں گے، اور وضو کرتے ہوئے، چھینکتے ہوئے اور ناک صاف کرتے ہوئے وہ جراثیم ضائع ہوجائیں گے (۱) نیز ناک کے بال اکھاڑنے سے اس میں زخم پیدا ہونے کا بھی امکان ہے، اگر ناک میں زخم پیدا ہوجائے تو وہ کوڑھ کے جراثیم کو بہت جلد پورے جسم میں پھیلا دیتے ہیں (۲) بہرحال ناک کے بال کو پورے طور پر صاف نہیں کرنا چاہئے، ہاں اگر زیادہ بڑھ جائیں تو قینچی وغیرہ کے ذریعہ کم کردینا چاہئے۔ (۳)

کان کے بال

کان پر بھی بال اگ آتے ہیں، یہ بال طبی لحاظ سے بڑے مفید ہوتے ہیں، ڈاکٹر کیور کی تحقیق کے مطابق کان کے سوراخ سے کوڑھ کے جراثیم جسم میں داخل ہوتے ہیں، اگر کان پر بال ہوں تو وہ جراثیم ان میں الجھ کر رہ جاتے ہیں، پھر جب غسل وغیرہ میں اسے دھویا جاتا ہے تو بالوں سے الجھے ہوئے سارے جراثیم نکل جاتے ہیں، اور مرض کے حملہ سے انسان محفوظ ہوجاتا ہے (۴) اس لئے بہتر یہ ہے کہ وہ بال بھی نہ مونڈے جائیں، اگر زیادہ بڑھ جائیں تو کتر کر کم کردینا چاہئے۔

گردن کے بال

گردن کے بال منڈانا درست ہے، گردن سر سے علحدہ عضو ہے، لہٰذا اگر کوئی صرف گردن کے بال منڈالے تو کوئی گناہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''گردن کے بال منڈوانے — اگرچہ سر کے نہ منڈوائے — درست ہیں، البتہ بہتر نہیں ہے'' (۵)

---

(۱) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۲۲۷، ناک اور کانوں کے بالوں کی احتیاط
(۲) حوالہ سابق
(۳) كشاف القناع ۱/۷۶، فصل الامتشاط والادهان
(۴) سنت نبوی اور جدید سائنس ۱/۲۲۷، ناک اور کانوں کے بالوں کی احتیاط
(۵) فتاوی رشیدیہ ص: ۵۷۷، کتاب جواز وحرمت کے مسائل

حلق کے بال

البتہ حلق کے بال منڈوانا بہتر نہیں ہے، اگر چہ ایک قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر کوئی منڈا لے تو حرج نہیں ہے، چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ محیط کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"لایحلق شعر حلقه وعن أبی یوسف لابأس بذلک" (۱)

"حلق کے بال نہ مونڈے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے"

سینہ اور پیٹھ کے بال

سینہ اور پیٹھ پر جو بال ہوں انکو صاف کرنا درست ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"سینہ اور شکم کے بال منڈانا درست ہے" (۲)

البتہ خلاف ادب ہے، قنیہ کے حوالے سے ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وأما حلق شعر الصدر والظهر ففیه ترک الأدب" (۳)

"سینہ اور پشت کے بال کا مونڈنا خلاف ادب ہے"

پنڈلی اور ران کے بال

پنڈلی اور ران پر جب بال زیادہ ہو جائیں تو ان کو بھی صاف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مولانا گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"پنڈلی اور ران کے بال کا دور کرنا درست ہے" (۴)

---

(۱) مرقاۃ ۲۸۱۴/۷، باب الترجل
(۲) فتاوی رشیدیہ ص: ۵۷۸، کتاب جواز وحرمت کے مسائل
(۳) مرقاۃ ،۲۸۱۴/۷،باب الترجل
(۴) فتاوی رشیدیہ ص: ۵۷۶ ،کتاب جواز وحرمت کے مسائل

خضاب کے احکام

خضاب لگانا شرعاً مطلوب ومستحسن ہے، اس سے طہارت ونظافت کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے، بالوں کے اکرام کا ذریعہ ہے، اور اس کی وجہ سے اہل کتاب کی بھی مخالفت ہوتی ہے، جو اسلام میں امر مطلوب ہے، علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وللخضاب فائدتان إحداهما تنظيف الشعر مما تعلق به والثانية مخالفة أهل الكتاب"(۱)

"خضاب لگانے کے دو فائدے ہیں، ایک تو گرد وغبار وغیرہ سے بالوں کی صفائی، دوسرا اہل کتاب کی مخالفت (جن کا شرعا حکم ہے)"

خضاب کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ عجمیوں کی مشابہت سے بچو اور ڈاڑھی میں خضاب لگاؤ (۲) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن اليهود والنصارى لايصبغون فخالفوهم" (۳)

"یہود ونصاری خضاب نہیں لگاتے، تم ان کی مخالفت کرو" (یعنی خضاب لگاؤ)۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا انصار کی ایک معزز جماعت کے

(۱) نیل الاوطار ۱/۱۵۵، باب تغییر الشیب
(۲) مسند بزار رقم الحدیث: ۵۲۱۷، مسند ابن عباس
(۳) بخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۹، باب الخضاب

پاس سے گذر رہوا جن کی ڈاڑھیاں سفید تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار! اپنے بالوں کو سرخ یا زرد کرلو، اور اہل کتاب کی مخالفت کرو (۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع سے حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ (جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار ہیں) حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے گئے، اور حال یہ تھا کہ ان کے سر کے سارے بال سفید تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"إذهبوا به إلى بعض نسائه فلتغيره وجنبوه السواد" (۲)

"انھیں ان کی کسی بیوی کے پاس لے جاؤ، تاکہ وہ خضاب لگا کر ان کے بال کی سفیدی میں تبدیلی کردیں، مگر کالا خضاب نہ لگائیں"

اسی حدیث کی بناء پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جب کسی بوڑھے کو خضاب لگائے ہوئے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے تھے (۳) ایک مرتبہ انہوں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ ڈاڑھی میں خضاب لگائے ہوئے ہیں تو فرمایا:

"إني لأرىٰ رجلا يحيى ميتا من السنة" (۴)

"یقیناً اس شخص نے ایک مردہ سنت کو زندہ کیا ہے"

خضاب لگانے کی شرعی حیثیت

صاحب شرعۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ خضاب لگانے کے متعلق قولی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث ہیں، اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے مرد وعورت دونوں کے لئے خضاب لگانے کے مستحب ہونے کو راجح قرار دیا ہے (۵) فتح الباری میں بھی استحباب کا قول منقول ہے۔(٦)

---

(۱) مسند احمد رقم الحديث:۲۲۲۸۳،حديث ابى امامة الباهلى
(۲) ابن ماجة رقم الحديث ۳٦۲۴،باب الخضاب والسواك
(۳) نيل الاوطار:۱/۱۵۵،باب تغيير الشيب
(۴) تحفة الاحوذى:۵/۳۵۴،باب ما جاء فى الخضاب
(۵) مرقاة ۷/۲۸۱۷باب الترجل
(٦) فتح البارى۱۰/۳۵۵،باب الخضاب

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ خضاب لگانے سے متعلق احادیث آپس میں متعارض ہیں، بعض احادیث سے خضاب لگانا افضل معلوم ہوتا ہے، جبکہ بعض دوسری احادیث سے خضاب کا نہ لگانا بہتر ثابت ہوتا ہے(۱) اسی وجہ سے امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لا نریٰ بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة بأسا وإن تركه أبيض فلا بأس بذلك كل ذلك حسن"(۲)

"زردی مائل مہندی اور خالص زردی والا خضاب لگانے میں ہم کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے ، اور اگر (خضاب نہ لگائے) بال کو یونہی چھوڑ دے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، دونوں صورتیں جائز ہیں"

بعض حضرات نے خضاب کے بارے میں واردشدہ متعارض احادیث کے درمیان تطبیق دینے کی بھی کوشش کی ہے، ایک تطبیق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پیش کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ خضاب لگانا بہتر ضرور ہے، مگر جہاں اس کا رواج ہو، لیکن جہاں اس کا رواج نہ ہو وہاں نہ لگانا ہی بہتر ہے(۳) اور علامہ طبری رحمہ اللہ نے یہ تطبیق دی ہے کہ جن احادیث میں خضاب نہ لگانے کو کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب چند ہی بال سفید ہوں، تو اس میں خضاب نہ لگایا جائے، اور جن احادیث میں خضاب لگانے کا حکم ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ جب بال پورے طور پر سفید ہو جائیں تو خضاب لگانا چاہئے (۴) جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کے سارے بال سفید تھے، تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب لگانے کا حکم دیا تھا(۵) ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے اس تطبیق کو بہتر قرار دیا ہے۔(۶)

---

(۱) نیل الاوطار :۱/۱۵۲،باب تغییر الشیب
(۲) موطا امام محمد،ص:۳۳۰، باب الخضاب
(۳) فتح الباری۱۰/۳۵۵،باب الخضاب
(۴) جمع الوسائل:۱/۱۰۲، باب ما جاء فی خضاب رسول الله
(۵) مسلم رقم الحدیث: ۱۲۰۲،باب فی صبغ الشعر
(۶) مرقاة ۷/۲۸۳۱،باب الترجل

کیا حضور ﷺ نے خضاب لگایا تھا؟

آپ ﷺ کے خضاب لگانے کے متعلق جو احادیث آئی ہیں وہ دونوں طرح کی ہیں، بعض احادیث سے آپ ﷺ کا خضاب لگانا معلوم ہوتا ہے، جبکہ بعض دوسری احادیث سے آپ ﷺ کا خضاب نہ لگانا ثابت ہوتا ہے، اسی وجہ سے علماء کی اس مسئلہ میں دو رائیں ہوگئی ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے خضاب کا استعمال فرمایا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رحمہ اللہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، تو انہوں نے آپ ﷺ کے بال مبارک حضرت عثمان رحمہ اللہ کو دکھائے، جو خضاب شدہ تھے، خود حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"دخلت على أم سلمة فأخرجت إلينا شعرا من شعر النبى ﷺ مخضوبا" (۱)

"میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حضور ﷺ کا خضاب شدہ بال نکال کر دکھا"

اور انہی سے ایک دوسری سند سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں حضور ﷺ کے جو بال دکھائے تھے وہ سرخ تھے (۲) حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے بچہ کو لیکر خاص مقصد کے لئے حاضر ہوا، تو:

"رأيت الشيب أحمر" (۳)

"میں نے آپ ﷺ کے سفید بال کو سرخ دیکھا"

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ نے خضاب کا استعمال فرمایا ہے؟ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا (۴) مگر اس کے برخلاف ایسی

---

(۱) بخاری رقم الحديث:۵۸۹۷،باب مایذکر فی الشیب

(۲) حوالہ سابق

(۳) مسند احمد رقم الحديث:۷۱۱۳،حديث ابی رمثه

(۴) شمائل ترمذی رقم الحديث:۴۵، باب ما جاء فی خضاب رسول الله ﷺ

احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خضاب کا استعمال نہیں فرمایا ہے، چنانچہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ نے خضاب کا استعمال فرمایا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا :

''آپ ﷺ نے خضاب کا استعمال نہیں فرمایا ہے''(۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے خضاب کا استعمال نہیں فرمایا ہے(۲) علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ کا خضاب نہ استعمال کرنا ہی زیادہ صحیح بات ہے(۳) اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے خضاب نہ لگانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ صحیح روایت کے مطابق چونکہ آپ ﷺ کے سر اور ڈاڑھی کے صرف سترہ بال سفید تھے اور بعض روایتوں سے اٹھارہ، بیس، چودہ اور گیارہ بالوں کا سفید ہونا معلوم ہوتا ہے(۴) اور ظاہر ہے کہ اتنے کم سفید بال میں خضاب لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے(۵) اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا تھا کہ آپ ﷺ نے خضاب کا استعمال کیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا:

''أنه لم يبلغ مايخضب'' (۶)

''آپ ﷺ کے بال خضاب لگانے کی حد کو پہونچے ہی نہ تھے (کہ خضاب لگاتے)''

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کا خضاب نہ لگانا ہی زیادہ صحیح ہے، اور جن روایات میں خضاب لگانے کا ذکر ہے، اگر ان کا صحیح ہونا ثابت ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ آپ

(۱) بخاری رقم الحدیث:۵۸۹۵،باب ما یذکر فی الشیب
(۲) شمائل ترمذی رقم الحدیث:۴۴،با ب ماجاء فی خصاب رسول الله ﷺ
(۳) خصائل نبوی ص:۴۲، باب حضور اقدس ﷺ کے خضاب فرمانے کا ذکر
(۴) سبل الهدی والرشاد :۳۵/۲،الباب التاسع فی صفة لحیته الشریفه وشیبه الخ
(۵) فتح الباری۵۷۲۶،باب صفة النبی ﷺ
(۶) بخاری رقم الحدیث:۵۸۹۵، باب ما یذکر فی الشیب

ﷺ نے کبھی کبھار خضاب کا استعمال کیا تھا، عام طور پر استعمال نہیں فرمایا کرتے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب آپ ﷺ کو دردِ سر لاحق ہوتا تھا تو بغرض علاج مہندی لگوالیا کرتے تھے، اور اسی وجہ سے آپ ﷺ کے سفید بال سرخ ہو جاتے تھے، اب جو دیکھتا تو اسے خیال ہوتا کہ آپ ﷺ نے معمولاً خضاب استعمال فرمایا ہے، حالانکہ وہ علاجاً ہوا کرتا تھا، اور اس کا بھی امکان ہے کہ آپ ﷺ کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے تھے، سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں خوشبو لگایا کرتے تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کے کچھ بال سرخ ہو گئے تھے، اس سرخی کو دیکھ کر بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ خضاب استعمال کرتے تھے، حالانکہ وہ سرخی خضاب لگانے کی نہیں بلکہ عطر کی وجہ سے تھی، بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ بال جب سفید ہونے کے قریب ہوتا ہے تو عام طور پر سرخ ہو جایا کرتا ہے، آپ ﷺ کے بالوں کی سرخی اسی قبیل کی تھی، لیکن راوی نے سمجھا کہ یہ سرخی خضاب لگانے کی وجہ سے ہے، اور انہوں نے اپنے گمان کے مطابق روایت بیان کر دی (۱) اور بعض روایات سے جو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے بال جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے پاس تھے وہ خضاب شدہ یا لال تھے، تو اس کی وجہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ بال جب جسم سے جدا ہو جاتا ہے، اور اس پر ایک طویل مدت گذر جاتی ہے، تو وہ خود بخود سرخی کی طرف مائل ہو جاتا ہے، مگر یہ بات تجربہ سے متعلق ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کا یہی تجربہ ہو، یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے، اس تجرباتی نقطۂ نظر سے بھی بال کا سرخ ہونا خضاب کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ بال کے جسم سے جدا ہونے کے بعد اس پر ایک طویل مدت گذر جانے کی وجہ سے تھا، اس لئے مذکورہ روایات سے آپ ﷺ کے خضاب لگانے پر استدلال تام نہیں ہے۔ (۲)

سیاہ خضاب

سیاہ خضاب کا استعمال شرعاً ممنوع ہے، ایک روایت میں ہے کہ سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا تھا (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

(۱) جمع الوسائل ۱/۱۰۱، باب ماجاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ
(۲) فتح الباری ۱۰/۳۵۴، باب الخضاب
(۳) جمع الوسائل ۱/۱۰۲، با ب ماجاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ

"یکون قوم فی آخر الزمان یختضبون بھذا السواد کحواصل الطیر لا یریحون رائحة الجنة"(۱)

''آخر زمانہ میں ایک جماعت ہوگی جو سیاہ خضاب لگا کر کبوتر کے سینوں کی مانند بالوں کو کالا کرے گی، یہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی ہے(۲) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن سیاہ خضاب لگانے والوں کی طرف نگاہ رحمت بھی نہیں فرمائے گا(۳) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

"من خضب بالسواد سود اللہ وجھه یوم القیامة"(۴)

''جو سیاہ خضاب لگائے گا تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کا چہرہ سیاہ کردے گا''

ایک حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ لائے گئے، تو آپ ﷺ نے انکے سفید بالوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

"غیروا ھذا بشیئ واجتنبوا السواد" (۵)

''ان کے بالوں میں خضاب لگاؤ، لیکن کالا خضاب نہ لگانا''

انہی احادیث کی بناء پر شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کالا خضاب

---

(۱) مسند احمد رقم الحدیث:۲۴۷۰،مسند عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
(۲) فتح الباری:۴۹۹/۶،باب ما ذکر عن بنی اسرائیل
(۳) جامع معمر بن راشد رقم الحدیث:۲۰۱۸۳، صباغ ونتف الشعر
(۴) ترتیب الأمالی الخمیسیة للشجری رقم الحدیث:۲۷۰۸،فی ذکر المشیب والعمر
(۵) مسلم رقم الحدیث :۲۱۰۲،باب فی صبغ الشعر

حرام ہے(۱) اور امام نووی رحمہ اللہ نے اسے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے(۲) البتہ مجاہدین اگر دشمنوں کو مرعوب کرنے کی خاطر سیاہ خضاب لگائیں تو مکروہ نہیں ہے، بلکہ شرعاً مطلوب ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص، عثمان غنی، حسن، حسین، عقبہ بن عامر، ابو ہریرہ اور دوسرے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو سیاہ خضاب لگانا منقول ہے وہ اسی پر محمول ہے(۳) امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور دیگر بعض مشائخ نے بیوی کی رعایت میں بھی سیاہ خضاب لگانے کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ اکثر مشائخ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے(۴) اس لئے بیوی کی رعایت میں بھی سیاہ خضاب لگانے کا مکروہ ہونا ہی راجح معلوم ہوتا ہے،

مہندی لگانا

احادیث میں مہندی لگانے کی ترغیب آئی ہے، ایک حدیث میں ہے:

"**اختضبوا بالحناء فإنه يزيد فى شبابكم وجمالكم ونكاحكم**"(۵)

"مہندی لگاؤ اس سے تمہارے شباب ، جمال اور قوت باہ میں اضافہ ہوگا"

ایک اور حدیث میں ہے کہ مہندی لگاؤ، اس کی بو اچھی ہے، اور دردسر کے لئے (بھی) مفید ہے(۶) امام شافعی رحمہ اللہ مہندی استعمال فرمایا کرتے تھے۔(۷)

مہندی اور کتم کا خضاب

کتم یمن میں ایک پودا ہوتا ہے جس سے سیاہی مائل سرخ رنگ تیار ہوتا ہے، اگر اس

---

(۱) اشعة اللمعات ۳/۵۷۰، باب الترجل

(۲) جمع الوسائل ۱/۱۰۲ ، باب ما جاء فى خضاب رسو ل الله ﷺ

(۳) نيل الاوطار ۱/۱۵۵، باب تغيير الشيب

(۴) الفتاوى الهندية :۵/۳۵۹، الباب العشرون فى الزينة واتخاذ الخادم للخدمة

(۵) مرقاة ۷/۲۸۱، باب الترجل

(۶) حوالہ سابق

(۷) سنن كبرى رقم الحديث:۱۴۸۲۶ باب مايصبغ به

کے ساتھ مہندی ملادی جائے ،تو سرخی اور سیاہی کے درمیان کا رنگ ظاہر ہوتا ہے (۱) ایک حدیث میں مہندی اور کتم کے مخلوط خضاب کو بہتر قرار دیا گیا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

"إن أحسن ما غير تم به الشيب الحناء والكتم" (۲)

''سب سے بہتر خضاب جس سے تم سفید بالوں میں تبدیلی کرو، وہ مہندی اور کتم کا خضاب ہے''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مہندی اور کتم کا مخلوط خضاب لگانا منقول ہے (۳) حضرت عمیر بن جابر رضی اللہ عنہ اور اشرس بن غاضرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل تھا (۴) علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت سے مہندی اور کتم کا مخلوط خضاب لگانا ثابت ہے۔(۵)

زرد رنگ کا خضاب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے زرد رنگ کا خضاب استعمال فرمایا ہے، اور بقول علامہ شوکانی رحمہ اللہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اسی پر تھا (۶) حضرت عبید بن جریج رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو زرد رنگ کا خضاب لگائے ہوئے دیکھا تھا (۷) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ زرد رنگ کا خضاب استعمال فرماتے تھے۔(۸)

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۳۵۵،باب الخضاب
(۲) ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۰۵،باب فی الخضاب
(۳) مرقاۃ ۷/۲۸۲۷، باب الترجل
(۴) کنزالعمال رقم الحدیث:۱۷۴۳۳،زینۃ الرجال
(۵) نیل الاوطار ۱/۱۵۲،باب تغیر الشیب
(۶) نیل الاوطار ۱/۱۵۲،باب تغییر الشیب
(۷) مسند ابی یعلی الموصلی رقم الحدیث:۵۶۴۵،مسند عبد اللہ بن عمر
(۸) التمهيد لما فی المؤطا من المعانی والاسانید ۲۱/۸۴،باب السین ، سعید بن ابی سعید المقبری الحدیث الرابع

بیری کے پتوں کا خضاب

حضرت عبدالرحمٰن بن عائذ الثمالی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں :

"كان رسول الله ﷺ يغير لحيته بماء السدر وكان يأمر بالتغيير مخالفة للعجم"(۱)

"نبی کریم ﷺ اپنی ڈاڑھی مبارک میں بیری کے پتوں کے عرق سے خضاب فرماتے تھے، اور عجمیوں کی مخالفت کی خاطر بالوں کا رنگ بدلنے کا حکم دیتے تھے"

الغرض سیاہ خضاب کے علاوہ دیگر رنگوں کا خضاب لگانا درست ہے، خواہ صرف مہندی کا ہو، یا مہندی وکتم سے مخلوط ہو، یا زرد وزعفرانی رنگ کا ہو(۲) بہرحال ان سب رنگوں کے خضاب کا استعمال جائز ہے،

بہتر خضاب

البتہ ان سب رنگوں میں بہتر رنگ کا خضاب زرد رنگ کا ہے، پھر مہندی وکتم سے مخلوط خضاب، اس کے بعد خالص مہندی کا خضاب بہتر ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

"مر على رسول الله ﷺ رجل وقد خضب بالحناء فقال ما أحسن هذا، ثم مر رجل بعده وقد خضب بالحناء والكتم فقال هذا أحسن من هذا ، ثم مر آخر قد اختضب بالصفرة فقال هذا أحسن من هذا كله" (۳)

"ایک صحابی مہندی لگا کر آپ ﷺ کے پاس سے گذرے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہی عمدہ خضاب ہے! پھر ایک دوسرے صحابی مہندی

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۴/۴۸۹، تذکرہ زید بن حسن بن علی

(۲) نیل الاوطار ۱/۱۵۶، باب تغییر الشیب

(۳) الاداب للبیھقی رقم الحدیث:۵۵۱، باب فی خضاب الرجال

وکتم کا مخلوط خضاب لگا کر گذرے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پہلے والے سے عمدہ خضاب ہے، پھر ایک تیسرے صحابی زرد رنگ کا خضاب لگا کر گذرے، تو آپ ﷺ نے فرمایا! یہ رنگ سب سے اچھا ہے''

عورتوں کا ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا

شادی شدہ عورتوں کو ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگانا مستحب ہے، ملاعلی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأما خضب اليدين والرجلين فيستحب في حق النساء" (۱)

''عورتوں کے لئے ہاتھ اور پیر میں مہندی لگانا مستحب ہے''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو کسی عورت کے ہاتھ کا بلا مہندی یا خضاب کے دیکھنا ناپسند تھا (۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے بیعت کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک تم اپنی ہتھیلیوں میں (مہندی لگا کر) تبدیلی نہ کردو (تمہارا ہاتھ تو) گویا درندہ کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے (۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ عورتوں کو مہندی لگانی چاہئے، بعض علاقوں میں آجکل جو یہ رواج ہوگیا ہے کہ صرف عید کے موقعہ سے یا شادی کی تقریب میں عورتیں ہاتھوں میں مہندی لگاتی ہیں، اور باقی ایام میں ہاتھ پاؤں یونہی رکھتی ہیں، وہ بہتر نہیں ہے، بلکہ ان میں چونکہ زیب وزینت مطلوب ہے، اس لئے عام دنوں میں بھی اس کا اہتمام ہونا چاہئے، البتہ اگر شوہر کو مہندی کی بو پسند نہ ہو تو مہندی نہ لگائے، اور اس کے پسند کی رعایت کرے، چنانچہ حضرت کریمہ بنت ہمام فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی کہ ایک عورت نے ان سے مہندی کے متعلق دریافت کیا کہ اس کا استعمال کیسا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

---

(۱) مرقاۃ ۲۸۲۸/۷، باب الترجل

(۲) سنن کبری للبیهقی رقم الحدیث: ۱۴۸۳۰، باب ما جاء في خضاب المرأة

(۳) ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۶۵، باب فی الخضاب للنساء

”کان سیدی ﷺ یکرہ ریحہ أولا یحب ریحہ ولیس یحرم علیکن أخواتی أن تخضبن“ (۱)

”میرے آقا (نبی ﷺ) کو اس کی بو ناپسند تھی (اس لئے ہم مہندی نہیں لگاتے تھے) لیکن تمہارے لئے اس کا لگانا حرام نہیں ہے، (شوق سے لگا سکتی ہو)“

ناخن پر مہندی لگانا

ہاتھ کی ہتھیلی کے ساتھ ناخنوں پر بھی مہندی لگا لینا چاہئے، اس سے بھی زینت ہوتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے نبی کریم ﷺ کو ایک خط دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ پتہ نہیں ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا؟ جواب ملا کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے، مرد کا ہاتھ نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”لو کنت إمرأۃ لغیرت أظفارک یعنی بالحناء“ (۲)

”اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخن میں مہندی لگائے ہوتی“

البتہ ایسا پینٹ جو اندر تک پانی پہونچنے سے مانع بن جائے، جیسا کہ آجکل کے نیل پالش میں عام طور پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے، تو اس کا استعمال درست نہیں ہے، دن میں کئی بار اس کو چھڑانا پڑے گا، کیونکہ اس کے لگے رہنے کی صورت میں نہ وضو درست ہوگا، نہ غسلِ واجب ادا ہوگا، اس لئے ایسے پینٹ کے استعمال سے بالکل احتراز کرنا چاہئے۔ (۳)

مردوں کا ہاتھ پیر میں مہندی لگانا

مردوں کے لئے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا بلا عذر مکروہ ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک ہجڑا حضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا جس کے پیر ہاتھ میں مہندی لگی ہوئی

---

(۱) سنن کبری للبیھقی رقم الحدیث:۱۴۸۳۱، باب ماجاء فی خضاب النساء

(۲) ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۶۶،باب فی الخضاب للنساء

(۳) جدید فقہی مسائل ۱/۸۷، پاکی وناپاکی

تھی، آپ ﷺ نے مہندی لگانے کی وجہ معلوم کی تو بتایا گیا کہ ایسا اس نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے کیا ہے، تو آپ ﷺ نے حکم دیا:

''اسے مدینہ سے نکال دو (یہ مدینہ میں رہنے کے قابل نہیں ہے)''(۱)

اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وأما خضب اليدين و الرجلين فلا يجوز للرجال''(۲)

''مردوں کے لئے ہاتھ اور پیر میں خضاب لگانا درست نہیں ہے''

ہاں اگر علاج کی غرض سے لگانا پڑے تو اس کی گنجائش ہے(۳) حتی کہ بلا عذر بچوں کو بھی لگوانا درست نہیں ہے:

''ولاينبغي أن يخضب يدى الصبي الذكر ورجله إلاعند الحاجة''(۴)

''بلاعذر بچوں کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا درست نہیں ہے''

اس سے معلوم ہوا کہ بعض علاقوں میں جو شادی کے موقعہ سے دولہے کے ہاتھ میں مہندی لگائی جاتی ہے وہ درست نہیں ہے، اس سے بچنا چاہئے، بعض جگہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دولہے کے پورے ہاتھ میں تو مہندی نہیں لگاتے، صرف چھوٹی انگلی یا اس کے ناخن پر لگاتے ہیں، یہ بھی صحیح نہیں ہے، یہ زینت ہے جو عورتوں میں تو محمود و مطلوب ہے، مردوں کو اس سے بہرحال پرہیز کرنا چاہئے۔

خضابی کنگھی

خضاب کے متعلق جو ضابطہ گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ سیاہ خضاب عام

---

(۱) أبوداؤدرقم الحديث:۴۹۲۸، باب في الحكم في المخنثين

(۲) فتح الباری ۳۵۵/۱۰،باب الخضاب

(۳) حوالہ سابق

(۴) الفتاوى الهندية :۳۵۹/۵، الباب العشرون في الزينة

حالات میں درست نہیں ہے، البتہ دوسرے رنگوں کا خضاب لگانا بلا کراہت درست ہے، یہی حکم خضابی کنگھی کا ہے، اگر خضابی کنگھی سیاہ خضاب کی ہے تو اس کا استعمال کرنا درست نہ ہوگا، اور اگر اس کے علاوہ کسی اور رنگ کی ہے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

> ''جو حکم سیاہ خضاب کا ہے وہی سیاہ خضابی کنگھی کا ہے، جو اس زمانہ میں ایجاد ہوئی ہے، جس طرح دوسرے رنگوں کے خضابوں کا استعمال درست ہے، اسی طرح اس رنگ کی خضابی کنگھی کا استعمال بھی درست ہوگا''(۱)

(۱) جدید فقہی مسائل ۱/۳۰۶، زیبائش وآرائش

آخری بات

آپ نے امور فطرت پڑھ لئے ،ان کے احکام اور ضروری تفصیلات سے بھی واقف ہو چکے،اب اگر آپ ان خصال فطرت پر مجموعی اعتبار سے نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ انھیں اختیار کرنے سے دینی اور دنیوی دونوں فوائد حاصل ہوتے ہیں،سب سے بڑا دینی فائدہ تو یہ ہے کہ انبیاء کرام کے متبعین میں ہمارا شمار ہوگا،اور کیا بعید ہے کہ آخرت میں جو مراحم خسروانہ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کے ساتھ ہوں،ان میں ہمیں بھی شریک کرلیا جائے،اور خصوصی عنایات والطاف کے ہم بھی مستحق قرار دیئے جائیں،اس کے علاوہ ان امور کی پابندی کرنے سے شکل وصورت بھی بھلی معلوم ہوتی ہے،مونچھ بڑھ جائیں،ڈاڑھی غیر معمولی لمبی ہوجائے، اور ہاتھ پاؤں کے ناخن بڑے بڑے ہوجائیں تو یہ انسان جسے اللہ تبارک وتعالی نے حسین ترین قالب کا حامل بنایا ہے(۱) نہایت ہی بھدا اور بدصورت نظر آنے لگے گا،ان امور کے اختیار کرنے سے جسم کی صفائی ونظافت ہوتی ہے، بدبو کا ازالہ ہوتا ہے،خواہ منہ کی بدبو ہو، یا بغل کی یا اس کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ کی ،اسی طرح قضاء حاجت کے بعد پاکی حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے،اس پر عمل کرنے سے نجاست سے حفاظت ہوگی ،جن کی وجہ سے دوست احباب،اور پاس اٹھنے بیٹھنے والے حضرات گندگی اور بدبو سے تکلیف واذیت محسوس نہ کریں گے،گویا انسانی برادری اور خاص طور سے مسلمانوں کو اپنی طرف سے تکلیف نہ پہونچنے سے اطمینان حاصل ہوجائے گا،آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"أصلحوا لباسكم حتى تكونوا كأنكم شامة بين الناس" (۲)

---

(۱) التين :۴

(۲) ابوداؤد رقم الحديث:۴۰۸۹،باب ماجاء في اسبال الإزار

''اپنے کپڑوں کی اصلاح اور صفائی وستھرائی پر اتنی توجہ دو کہ لوگ
تمہارے کپڑوں میں خوشبو محسوس کریں''

ایک اور مقام پر ارشاد نبوی ہے :

''**الإسلام نظیف فتنظفوا**'' (۱)

''اسلام صاف ستھرا مذہب ہے، اس لئے تم لوگ صاف ستھرے رہا
کرو''

ان امور پر عمل کرنے سے طرز زندگی میں یہود و نصاری اور کفار و مشرکین کی مماثلت سے حفاظت بھی ہوگی، جس کا مکلّف تمام مسلمانوں کو بنایا گیا ہے، کفار و مشرکین اور دین اسلام سے دور حضرات نہ ان امور فطرت کا اہتمام کرتے ہیں، نہ پاکی کا خیال رکھتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ان امور کے اختیار کرنے سے آدمی صاحب مروت کہلاتا ہے، لوگوں کو اس سے انس ہوتا ہے، ان کی موجودگی سے وحشت لاحق نہیں ہوتی، کیونکہ جب انسان کی ہیئت اچھی ہوتی ہے وہ باوضع اور سلیقہ مند ہوتا ہے تو اس کے وجود سے دوسروں کو ایک قسم کا سرور وانبساط ہوتا ہے، اس حالت میں جب وہ کوئی بات کہتا ہے تو لوگ توجہ سے سنتے ہیں، اور کسی معاملہ میں وہ کوئی رائے پیش کرتا ہے تو اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور بہت ممکن ہے کہ لوگ اسے قبول بھی کرلیں، لیکن جب انسان اپنی ظاہری شکل وصوت پر توجہ نہیں دیتا، بکھرے ہوئے بال، میلے کچیلے کپڑے اور وحشت ٹپکتی ہوئی صورت لے کر کسی مجلس میں جاتا ہے، اور پھر اس مجلس میں کوئی بات کہتا ہے، اور کسی معاملہ میں رائے دیتا ہے تو عموماً اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی، اور بڑی بے رخی کے ساتھ عموماً اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے (۲) اس پس منظر میں اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں :

---

(۱) المعجم الاوسط رقم الحدیث:۴۸۹۳،من اسمه عیسی

(۲) فتح الباری ۳۳۹/۱۰،باب قص الشارب

- ہے کوئی نیک روح! جو ان امور پر عمل کر کے اپنا نام انبیاء کرام کے متبعین کی فہرست میں لکھائے؟
- ہے کوئی سلیم طبیعت! جو ان خصال فطرت کو اپنے سینہ سے لگا کر خدا کی بنائی ہوئی حسین ترین صورت کو برقرار رکھے؟
- ہے کوئی پاک طینت! جو ان احکام پر کار بند ہو کر یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے؟
- ہے کوئی سلجھی ہوئی فطرت کا مالک! جو ان امور طہارت ونظافت پر عمل کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت اور قدر ومنزلت کی بیج بوئے؟
- ہے کوئی سلیم الفطرت انسان! جو قانون فطرت پر عمل کر کے اپنے کو لوگوں کے درمیان محمود بنائے؟
- ہے کوئی جواں ہمت! جو ان فطری امور کو گلے لگائے، اور انبیاء کرام علیہم السلام جیسی شکل وصورت لے کر دنیا سے جائے؟

اگر ہے، تو پھر آج ہی سے وہ ان امور پر عمل کرنے کا عہد کرے، اور سختی سے ان احکام کی پابندی کرے، خدا ہم سب کی اعانت فرمائے اور توفیق سے سرفراز فرمائے آمین ثم آمین،

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین ،

مصادر ومراجع

کتب	مصنفین	وفات	مطبع
قرآن مجید			
اِعلاء السنن	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	۱۳۹۴ھ	ادارۃ القرآن کراچی پاکستان
اَبوداؤد شریف	سلیمان ابن اشعث ابوداؤد سجستانی	۲۷۵ھ	المکتبۃ العصریۃ، بیروت
اَشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	۱۰۵۲ھ	مکتبہ نوریہ سکھر پاکستان
اَوجز المسالک	مولانا محمد زکریا صاحبؒ	۱۴۰۲ھ	مکتبہ یحیویہ سہارنپور
ابن ماجہ شریف	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ	۲۷۳ھ	دار إحیاء الکتب العربیۃ
اِحیاء العلوم	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵ھ	دار المعرفۃ بیروت لبنان
اَحسن الفتاوی	مولانا مفتی رشید احمد	۱۴۲۲ھ	دار الاشاعت دہلی
امداد الفتاوی	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۳۶۲ھ	مکتبہ دار العلوم کراچی پاکستان
اسوۂ رسول اکرمؐ	ڈاکٹر عبدالحی صاحب، فاروقی پاکستان		دار الاشاعت دیوبند
اصلاح الرسوم	مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	۱۳۶۲ھ	جسیم بکڈپو دہلی
امداد المفتیین	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۱۳۹۶ھ	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
اِدب الإملاء والإستملاء	امام ابوسعد عبدالکریم بن محمد سمعانی	۵۶۲ھ	دار الکتب العربی بیروت لبنان
اتحاف السادۃ المتقین	شیخ محمد بن محمد مرتضی زبیدی	۱۲۰۵ھ	دار مؤسسۃ التاریخ العربی بیروت
بخاری شریف	محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۲ھ	دار طوق النجاۃ
بذل المجہود	مولانا خلیل احمد سہارنپوری	۱۳۴۶ھ	مکتبہ یحیویہ مظاہر العلوم سہارنپور
البنایہ فی شرح الھدایہ	علامہ بدرالدین العینی	۸۵۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

البحر الرائق	علامہ شیخ زین الدین الشہیر بابن نجیم	۹۷۰ھ	دار الکتب الاسلامی
فتاویٰ بزازیہ علی الھندیہ	شیخ محمد بن محمد شہاب کردری	۸۲۷ھ	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان
بدائع الصنائع	علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی	۵۸۷ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
بوادر النوادر	مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	۱۳۶۲ھ	مکتبہ ماجدیہ دیوبند
بہار شریعت	مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی رضوی	۱۹۴۸ء	اشاعت الاسلام دہلی
بیان القرآن	مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	۱۳۶۲ھ	تاج پبلیشرز دہلی
بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث سمرقندی	۳۷۳ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت لبنان
ترتیب الامانی الخمیسیۃ	یحیی بن حسین شجری	۴۹۹ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
الترغیب والترہیب	حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی	۶۵۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
الترغیب فی فضائل الأعمال وثواب ذلک	ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین	۳۸۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
التعلیق الصبیح	مولانا ادریس صاحب کاندھلوی	۱۳۹۴ھ	مکتبہ فخریہ دیوبند
ترمذی شریف	محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ	شرکۃ مکتبہ ومطبع مصطفی مصر
تقریرات رافعی مع شامی	غلام سید امین شامی	۱۲۵۲ھ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان
تکملہ البحر الرائق	محمد بن حسین بن علی التوری	۱۰۰۵ھ	دار الکتاب الاسلامی
تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ	المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق
تحفۃ المحتاج	حافظ ابن حجر ہیثمی	۸۵۲ھ	المکتبۃ التجاریہ الکبری مصر
تفسیر خازن	محی السنۃ علی بن محمد بن ابراہیم	۷۴۱ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
ترجمہ شیخ الہند	شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی	۱۳۳۹ھ	حکومت سعودی
تربیۃ الاولاد	عبداللہ ناصح علوان		دار السلام بیروت لبنان
تنزیہ الشریعہ المرفوعۃ	نور الدین علی بن محمد بن عراق الکتانی	۹۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
جمع الوسائل فی شرح الشمائل	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ	المطبعۃ الشرفیہ مصر
الجامع الصغیر	محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹ھ	عالم الکتب بیروت
جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی		مجلس تحقیقات اسلامی حیدرآباد

حاشیہ بذل المجہود	مولانا محمد زکریا صاحبؒ	۱۴۰۲ھ	مکتبہ یحیویہ مظاہر علوم سہارنپور
حاشیہ مسلم شریف	ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت
حاشیہ فیض الباری	مولانا بدرعالم صاحب	۱۳۸۵ھ	مکتبہ مشکوۃ الاسلامیہ
حاشیہ سندھی علی النسائی	علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی	۱۱۳۳ھ	مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب
حاشیہ کوکب	مولانا محمد زکریا کاندھلوی	۱۴۰۲ھ	مکتبہ یحیویہ مظاہر علوم سہارنپور
حاشیہ کشاف القناع	محمد امین الضناوی		عالم الکتب بیروت لبنان
حجۃ اللہ البالغہ	مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	۱۱۷۶ھ	دارالجیل بیروت لبنان
حاشیہ بیان القرآن	مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	۱۳۶۲ھ	تاج پبلیشرز دہلی
فتاوی خانیہ	امام فخر الدین بن منصور اوزجندی	۵۹۲ھ	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان
خصائل نبوی	مولانا زکریا صاحبؒ	۱۴۰۲ھ	
الدرالمختار	علامہ علاء الدین حصکفی	۱۰۸۸ھ	دارالفکر بیروت
سنن دارقطنی	علی بن عمر دارقطنی	۳۸۵ھ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
تفسیر درمنثور	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ	دارالفکر بیروت لبنان
ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں	مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری		مکتبہ حجاز دیوبند
ڈاڑھی کا وجوب	مولانا زکریا صاحبؒ	۱۴۰۲ھ	مکتبہ یحیویہ سہارنپور
الاذکار	ابوبکر زکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۷ھ	دارالفکر بیروت لبنان
روح المعانی	ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی	۱۲۷۰ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت
زادالمعاد	علامہ ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ	مکتبہ المنار الاسلامیہ بیروت
الزواجر عن اقتراف الکبائر	ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی	۹۷۴ھ	دارالفکر بیروت لبنان
سنن کبری	امام ابوبکر احمد بن الحسن بن علی البیہقی	۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان
سعایہ فی شرح الوقایہ	مولانا عبدالحی لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	مرکز العلماء العالمی للدراسات
سنت نبوی اور جدید سائنس	حکیم محمود چغتائی		فرید بکڈپو لاہور
سیرت ابن ہشام	عبدالملک بن ہشام	۲۱۸یا۲۱۳	شرکۃ مکتبہ ومطبع مصطفی مصر
شرح السنۃ	حسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ	المکتب الاسلامی بیروت

شمائل ترمذی	امام ابوعیسی ترمذی	۲۷۹ھ	داراحیاءالتراث العربی بیروت
شامی	محمدامین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲ھ	دارالفکر بیروت
شمائل کبری	مولانا ارشاد صاحب		
الشرح الکبیر علی المغنی	علامہ بن قدامہ مقدسی	۶۸۲ھ	دارالکتاب العربی بیروت
الشرح الصغیر	علامہ دردیر مالکی	۱۲۰۱ھ	دارالمعارف مصر
طحاوی شریف	ابوجعفراحمدبن محمدالمعروف بطحاوی	۳۲۱ھ	عالم الکتب لبنان بیروت
طیبی شرح مشکوۃ	امام شرف الدین حسین بن محمدطیبی	۷۴۳ھ	کراچی پاکستان
طحطاوی علی مراقی الفلاح	شیخ احمد الطحطاویؒ	۱۲۳۳ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان
طحطاوی علی الدر	سیداحمد طحطاوی	۱۲۳۳ھ	دارالمعرفۃ بیروت لبنان
الطبقات الکبری	محمدابن سعد	۲۳۰ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان
تفسیر طبری	ابوجعفرمحمد بن جریرالطبری	۳۱۰ھ	دارالھجر بیروت لبنان
عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین عینی	۸۵۵ھ	داراحیاءالتراث العربی بیروت
العرف الشذی حاشیہ ترمذی	علامہ سیدمحمدانورشاہ کشمیری	۱۳۵۳ھ	دارالتراث العربی بیروت
عالم گیری	اورنگ زیب کے حکم سے مرتب کردہ		دارالفکر بیروت لبنان
عنایہ	علامہ اکمل الدین بابرتی	۷۸۶ھ	دارالفکر بیروت لبنان
عون المعبود	مولاناشمس الحق عظیم آبادی	۱۳۲۹ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت
عارضۃ الاحوذی	حافظ بن عربی مالکی	۵۴۳ھ	بیروت لبنان
عزیزالفتاوی	مفتی عزیزالرحمٰن صاحب	۱۳۴۷ھ	مکتبہ رحیمیہ دیوبند
فتح الباری	امام حافظ احمد بن علی بن حجرالعسقلانی	۸۵۲ھ	دارالمعرفۃ بیروت لبنان
فتح الملہم	مولاناشبیراحمدعثمانی	۱۳۶۹ھ	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
فیض القدیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱ھ	المکتبۃ التجاریہ الکبری مصر
فیض الباری	مولاناانورشاہ کشمیریؒ	۱۳۵۳ھ	مکتبہ مشکوۃ الاسلامیہ
فتح القدیر	محمد بن عبدالواحد المعروف بابن ہمام	۸۶۱ھ	دارالفکر بیروت
فتاوی ابن تیمیہ	شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ	۷۲۸ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان

الفوائد	ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت
فتاوی رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری		مکتبہ رحیمیہ راندیر گجرات
فتاوی رشیدیہ	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی	۱۳۲۳ھ	اسلامی کتب خانہ کراچی
فتاوی محمودیہ	مولانا محمود حسن صاحب گنگوہیؒ	۱۳۱۷ھ	مکتبہ زکریا دیوبند
فقہ السنۃ	سید سابق	۱۴۲۰ھ	دارالکتاب العربی بیروت
الفواکہ الدوانی	احمد بن غانم النفر ادی	۱۱۲۶ھ	دارالفکر بیروت
القاموس المحیط	محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ	مؤسسۃ الرسالہ بیروت لبنان
کنز العمال	علامہ علی المتقی الہندی	۹۷۵ھ	موسسۃ الرسالۃ بیروت
کتاب الآثار	محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان
کفایہ	سید جلال الدین خوارزمی	۷۶۷ھ	دارالمعرفۃ بیروت لبنان
کبیری	شیخ ابراہیم حلبی حنفی	۹۵۶ھ	سہیل اکیڈمی لاہور
کشاف القناع	شیخ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی	۱۰۵۱ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان
الکامل فی ضعفاء الرجال	امام ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی	۳۶۵ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان
کمالات اشرفیہ	مولانا محمد عیسی صاحب الہ آبادی	۱۳۳۶ھ	ادارہ تالیفات تھانہ بھون
کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب	۱۳۷۲ھ	کتب خانہ عزیزیہ دہلی
کتاب الروح	علامہ ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت
مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ	دارالفکر بیروت لبنان
مصنف ابن ابی شیبہ	عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی	۲۳۵ھ	مکتبہ الرشد ریاض
مشکوۃ المصابیح	شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب	۷۴۰ھ	المکتب الاسلامی بیروت
مسلم شریف	مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری	۲۶۱ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت
معارف الحدیث	مولانا منظور نعمانی صاحب	۱۴۱۷ھ	الفرقان بکڈپو
المنھل العذب	شیخ محمود محمد خطاب سبکی	۱۳۵۲ھ	بیروت لبنان
حاشیہ مناوی مع جمع الوسائل	شیخ عبدالرؤف مناوی	۱۰۰۳ھ	دارالمعرفی بیروت لبنان
مالابدمنہ	مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی	۱۲۲۵ھ	کتاب گھر دیوبند

مبسوط	محمد ابن الحسن الشیبانی	۱۸۹ھ	ادارۃ القرآن کراچی
منحۃ الخالق	علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ	دار الکتاب الاسلامی
موطا	محمد ابن الحسن الشیبانی	۱۸۹ھ	المکتبۃ العلمیۃ
موطا	مالک بن انسؒ	۱۷۹ھ	مؤسسۃ زاہد ین سلطان ابی ظبی
مسند احمد	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
متدرک	امام حاکمؒ	۴۰۵ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان
موسوعہ فقہیہ	وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ		وزارۃ الاوقاف کویت
المصالح العقلیہ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۳۶۲ھ	ناصر بکڈ پو دیوبند
المجموع	ابوزکریا محی الدین ابن شرف النووی	۶۷۶ھ	دار الفکر بیروت لبنان
المغنی	علامہ ابن قدامہ مقدسی	۶۲۰ھ	المکتبۃ القاہرۃ
المحلی	امام محمد بن حزم الظاہری	۴۵۶ھ	دار الفکر بیروت
معارف القرآن	مولانا ادریس صاحبؒ	۱۳۹۴ھ	مکتبہ عثمانیہ لاہور
حاشیہ مجموع	ڈاکٹر محمود مطرحی		دار الفکر بیروت لبنان
اللہ کی پکار	ماہنامہ اگست ۲۰۰۰ء		نئی دہلی
معونۃ لأولی النھی	ابن النجار فتوحی حنبلی	۹۷۲ھ	دار خضر بیروت
مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی	۲۱۱ھ	المکتب الاسلامی بیروت
مسألۃ فی الکنائس	ابن تیمیہ حرانی	۷۲۸ھ	مکتبہ عبیکان ریاض
نیل الاوطار	مجتہد محمد بن علی بن محمد شوکانی	۱۲۵۲ھ	دار الحدیث مصر
نسائی شریف	حافظ ابوعبدالرحمٰن النسائی	۳۰۳ھ	مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب
نصب الرایہ	جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف	۷۶۲ھ	مؤسسۃ الریان بیروت لبنان
نفع المفتی والسائل	مولانا عبدالحی لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	مکتبہ رحیمیہ دیوبند
الوفاء باحوال المصطفی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی	۵۹۷ھ	مطبعۃ السعادہ مصر
ہدایہ	برہان الدین ابوالحسن علی المرغینانی	۵۹۳ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت

☆☆☆☆☆

مؤلف کتاب

نام : محمد جمال الدین

والد ماجد : محمد علاؤ الدین صاحب دامت برکاتہم

مولود : ۱۱/شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۱/جنوری ۱۹۶۹ء

آبائی وطن : کومئی محلّہ شمالی، ڈاک خانہ ناڑی، ضلع دربھنگہ (بہار)

حالِ مقیم : حیدرآباد (دکن)

تعلیم : ابتدائی : مکتب کومئی وپینک

وسطانوی : مدرسہ رحمانیہ سوپول، بیرول دربھنگہ (بہار)

ثانوی : مدرسہ مخزن العلوم دلدارنگر غازیپور (یوپی)

موقوف علیہ تا افتاء : دارالعلوم دیوبند (یوپی)

سنِ فراغت : شعبان ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء

تدریس : دارالعلوم دیوبند (معین مدرس) (از ۱۴۱۰ھ تا ۱۴۱۳ھ)

مدرسہ مدینۃ العلوم، لہرپور، ضلع سیتاپور ۱۴۱۳ھ

دارالعلوم حیدرآباد (از ۱۴۱۴ھ تا حال)

ذمّہ داریاں : سرپرست : ضحیٰ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی کومئی، ناڑی دربھنگہ (بہار)

سرپرست : مدرسہ اسلامیہ احیاء العلوم (نسواں) حسن نگر، حیدرآباد

صدر : شعبۂ افتاء دارالعلوم حیدرآباد

ناظم تعلیمات : دارالعلوم حیدرآباد

تالیفات :
- بخاری شریف کی پہلی حدیث کا درس
- تلاوتِ قرآن اور علمِ تجوید
- بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس
- حج وعمرہ — احکام ومسائل
- انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتیں
- حقوق مسلم (زیرِ طبع)
- غیر مقلدین کا بخاری شریف پر اعتماد — فریب یا حقیقت؟
- مصائب ومشکلات کا حل — اسوۂ نبوی کی روشنی میں
- مختلف جرائد ومجلّات میں مقالات ومضامین